BNPS301DCT

سیاسی فکر

(Political Thought)

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

تیسرا سمسٹر (سیاسیات)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : **978-81-687130-8-6**
Course : Political Thought
First Edition : July 2026
Copies : 1200
Price : ₹155/- only (Included in the admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Ishtiyaq Ahmad, Asso. Prof. (Political Science), CDOE, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Mohd Umar
Former Head, Dept. of Pol. Sci., DBAMU, Chhatrapati Sambhajinagar, Maharashtra

Prof. Mehtab Manzar
Professor (Retd.), Dept. of Political Science, Jamia Millia Islamia, New Delhi

Dr. Ishtiyaq Ahmad (Course Coordinator)
Asso. Prof., Public Administration, CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Mohammed Ghouse
Head, Dept. of Pol.Sc., Govt. Degree College for Women, Hussainialam, Hyderabad, TG

Dr. Md. Shahid Alam
Asst. Prof. (Contratctual), Pol. Sci., CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Prof. Mirza Asmer Beg
Former Chairperson, Dept. of Pol. Sci., AMU, Aligarh, Uttar Pradesh

Prof. A. Nageswara Rao
Professor and Head, Dept. of Political Science, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Dastagirbasha Chabnur
Assistant Professor, Political Science, CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Naved Ashrafi
Assistant Professor (Contractual), CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Dr. Mohd Akmal Khan (Language Editor)
Assistant Professor (Contractual), CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana

Production

Prof. Nikhath Jahan, Professor (Urdu), CDOE, MANUU

Mr. P Habibulla, Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan, Asst. Prof. (Contractual), CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer, Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail, UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC, Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in
CRC prepared by **Dr. Md. Shahid Alam**, CDOE, MANUU, Hyderabad, Telangana
Printed at: **Print Time & Business Enterprises**, Hyderabad, Telangana

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر (سیاسیات)	7

اکائی	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ
1۔	شُقراط	ڈاکٹر محمد اکبر لقادری	9
2۔	افلاطون	ڈاکٹر اشتیاق احمد	23
3۔	ارسطو	ڈاکٹر محمد شاہد عالم	41
4۔	تھامس ہابز	جناب رضوان اللہ خان	57
5۔	جان لاک	جناب رضوان اللہ خان	70
6۔	روسو	ڈاکٹر محمد شاہد عالم	84
7۔	کارل مارکس	ڈاکٹر محمد صلاح اُدین	96
8۔	ماؤوزے تنگ	ڈاکٹر محمد غوث	117
9۔	اینٹونیو گرامسی	ڈاکٹر محمد اکبر لقادری	131
10۔	جان رالس	ڈاکٹر محمد غوث	143
11۔	مشل فوکالٹ	ڈاکٹر محمد اکبر لقادری	155
12۔	جارگن ہیبرماس	ڈاکٹر اشتیاق احمد	166
	نمونہ امتحانی پرچہ		187

مصنفین کی تفصیلات (Writers' Details)

ڈاکٹر اکبر القادری، الحسن ٹیچرس ٹریننگ کالیج، سمستی پور، بہار

ڈاکٹر اشتیاق احمد، اسوشیئٹ پروفیسر، مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد، تلنگانہ

ڈاکٹر محمد شاہد عالم، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسوسیٹ پروفیسر (سیاسیات)، سی۔ڈی۔او۔ای۔، مانو

جناب رضوان اللہ خان، رفیق ذکریا کالیج، فارویمن، اورنگ آباد مہاراشٹرا

ڈاکٹر محمد صلاح اُدین، شعبہ سیاسیات، علی گرھ مسلم یونیورسٹی، علی گرھ

ڈاکٹر محمد غوث، اسوسیٹ پروفیسر، صدر شعبہ سیاسیات، حسینی عالم کالیج نسواں، حیدر آباد

پروف ریڈرز:

اول	:	ڈاکٹر محمد شاہد عالم
دوم	:	ڈاکٹر محمد نہال افروز
فائنل	:	ڈاکٹر اشتیاق احمد

ٹائٹل پیج	:	ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ A+ حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات واطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثرانداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم وتدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
وائس چانسلر، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی اوای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی اوای، مانو

کورس کا تعارف

عزیز طلبا،

'سیاسی فکر' سیاسیات کا ایک بنیادی مضمون ہے۔ یہ کتاب خاص طور پر ہندوستانی سیاست کے فلسفیانہ، نظریاتی اور فعال پہلوؤں کے بارے میں طلبہ کی سمجھ کو بڑھانے کے لیے ڈیزائن کی گئی ہے اور سیاسی عمل اور سیاسی نظام کے اصل کام پر تفصیل سے توجہ مرکوز کرتی ہے۔

یہ کتاب قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے مطابق بی اے چار سالہ پروگرام کے تیسرے سمسٹر کا ایک بنیادی پرچہ ہے جو 12 اکائیوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تیاری میں UGC-DEB کے تمام احکامات اور رہنمایاں اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ پیش کردہ کتاب میں مغربی فلسفی جیسے افلاطون، ہابز، لاک، روسو کے ساتھ جدید فلسفی جارگن ہیبرماس، مسل فوکالٹ اور جان رالس کے مختلف فکر و نظریات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں ہر اکائی کو چھوٹے چھوٹے ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر اکائی کے تحت خود اکتسابی نتائج، تجویز کردہ کتابیں ،اپنی معلومات کی جانچ کے لیے سوالات بھی دئے گئے ہیں تاکہ طلبہ وطالبات کو سمجھنے میں آسانی ہو اور وہ اپنی معلومات کو ہر اکائی کے متعلق جانچ سکے۔ اس کتاب کے آخری صفحے پر نمونہ امتحانی پرچہ بھی دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر سماجی علوم خاص طور سے سیاسیات کا مطالعہ کرنے والے طلباء وطالبات کی رہنمائی کرے گی اور ان کے لیے مفید ثابت ہو گی اور ان کی لیاقت وصلاحیت میں اضافہ کرے گی۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد
کورس کوآرڈی نیٹر



مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी

MAULANA AZAD NATIONAL
URDU UNIVERSITY

(Accredited Grade "A+" by NAAC)

اکائی 1۔ سقراط

(Socrates)

اکائی کے اجزا؛

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 سقراط: زندگی اور عہد

1.3 سقراط کا طریقہ تحقیق

1.4 سقراط کی اخلاقیات اور سیاسی فکر

1.5 سقراط کا تصور شہری

1.6 سقراط کا تصورِ عدل

1.7 سقراط بمقابلہ سوفسطائی

1.8 سیاسی فکر میں سقراط کی خدمات

1.9 سقراطی طریقہ کار اور اس کی سیاسی اہمیت

1.10 اکتسابی نتائج

1.11 کلیدی الفاظ

1.12 نمونہ امتحانی سوالات

1.12.1 معروضی سوالات کے حامل جوبات

1.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.0 تمہید (Introduction)

ذرا تصور کریں کہ ایک شخص قدیم ایتھنز کی مصروف گلیوں میں چلتا ہوا لوگوں کو روک کر ایک سادہ سا سوال کرتا ہے: "انصاف کیا ہے؟" یہ سوال وہ تعلیم دینے کے لیے نہیں بلکہ سوچنے پر مجبور کرنے کے لیے کرتا ہے۔ یہ شخص سقراط تھا، ایک ایسا فلسفی جس نے خود کچھ نہیں لکھا، مگر سیاسی فکر کی دنیا کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ اگرچہ اس نے کوئی سیاسی عہدہ نہیں سنبھالا، لیکن اس کی بے خوف تنقید، روایات سے سوال کرنے کی جرات، اور عوامی رائے کو چیلنج کرنے کی صلاحیت نے سیاست میں تنقیدی سوچ کی بنیاد رکھی۔ انصاف، شہریت، قانون، اور اخلاقیات پر اس کے خیالات آج بھی جمہوری نظریات، شہری ذمہ داری اور فرد و ریاست کے تعلق کو متاثر کرتے ہیں۔ اس یونٹ میں سقراط کی زندگی، نظریات اور سیاسی فلسفے میں اس کے دیرپا اثرات کا جائزہ لیا جائے گا، جو قدیم اور جدید سیاسیات کے طلبہ کے لیے یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- سقراط کی زندگی، شخصیت اور اس کے فکری پس منظر کو سمجھ سکیں گے۔
- سقراط کی سیاسی فکر، خاص طور پر انصاف، اخلاقیات اور شہریت کے بارے میں اس کے نظریات کی وضاحت کر سکیں گے۔
- سقراط اور سوفسٹوں کے درمیان فکری اختلافات کو جانچ سکیں گے اور ان کے سیاسی اثرات کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- سقراط کے مقدمے اور اس کی سزائے موت کے سیاسی و اخلاقی پہلوؤں کو سمجھ سکیں گے۔
- جدید سیاسی نظریات میں سقراط کی فکر کے اثرات اور اہمیت کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔

1.2 سقراط: زندگی اور عہد (Socrates t: Life and Times)

سقراط (469–399 قبل مسیح) مغربی فلسفے اور سیاسی فکر کی تاریخ کا ایک نہایت اہم اور مرکزی کردار ہے۔ اگرچہ اس نے خود کوئی تحریری کام نہیں چھوڑا، مگر اس کے خیالات اور تعلیمات کو اس کے شاگردوں، خاص طور پر افلاطون نے محفوظ کیا۔ سقراط کی فکر نے اخلاقیات، منطق، علم، اور سیاسی فلسفے پر گہرے اثرات ڈالے۔

قدیم ایتھنز کا تاریخی اور ثقافتی پس منظر

سقراط کا دور قدیم ایتھنز کا "سنہری دور" کہلاتا ہے، جو سیاسی، ثقافتی اور علمی ترقی کا زمانہ تھا۔ اس وقت ایتھنز میں براہِ راست جمہوریت (Direct Democracy) تھی، جہاں شہری خود حکومت کے فیصلوں میں حصہ لیتے تھے۔ لیکن یہ دور سیاسی عدم استحکام، جنگوں، اور جمہوری اداروں کے عروج و زوال سے بھی گزر رہا تھا۔

اسی دوران پیلوپونیشین جنگ (431–404 قبل مسیح) بھی ہوئی، جس میں ایتھنز نے اسپارٹا کے خلاف جنگ لڑی۔ اس جنگ نے معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا اور لوگوں کو اپنے سیاسی نظام پر سوال اٹھانے پر مجبور کیا، یہی وجہ تھی کہ فلسفہ پروان چڑھا۔

سقراط کا پس منظر اور فلسفیانہ اثرات

سقراط ایک عام گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والد پتھر تراش تھے اور ماں دایہ تھی۔ اس نے کوئی مدرسہ یا اسکول نہیں کھولا، بلکہ بازاروں اور گلیوں میں لوگوں سے بات چیت کر کے انہیں اخلاقیات، انصاف اور نیکی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔

اس نے قدرتی فلسفیوں سے ہٹ کر انسانی رویے، معاشرت اور اخلاقیات پر توجہ دی۔ اس کی یہی فکر بعد میں اخلاقی اور سیاسی فلسفے کی بنیاد بنی۔

پالیٹیکل سائنس میں سقراط کی اہمیت

سقراط کو سیاسیات میں اہم مقام حاصل ہے کیونکہ:

- اس نے سیاست میں اخلاقی اصولوں کو داخل کیا اور یہ سوال اٹھایا کہ سیاست صرف طاقت کا کھیل نہیں بلکہ اس میں اخلاقیات کا بھی دخل ہونا چاہیے۔
- اس نے کہا کہ حکمرانوں کو نیک اور سچا ہونا چاہیے۔
- وہ ایک نقاد شہری کی مثال تھا، جو معاشرے اور حکومت سے سوال کرتا ہے۔

سقراط پر یہ الزام لگا کہ وہ نوجوانوں کو بگاڑتا ہے اور دیوتاؤں کا انکار کرتا ہے۔ عدالت نے اسے سزائے موت دی۔ مگر اس نے بھاگنے یا معافی مانگنے کی بجائے قانون کا احترام کرتے ہوئے سزا قبول کی۔ یہ واقعہ آج بھی ریاست اور فرد کے تعلق پر بحث کا اہم موضوع ہے۔ الغرض یہ کہ سقراط نہ صرف مغربی فلسفے کا بانی ہے بلکہ سیاسیات کا بھی ایک بڑا نظریہ ساز ہے۔ اس نے وہ سوالات اٹھائے جو آج بھی زندہ ہیں: مثلاً انصاف کیا ہے؟ ایک اچھی ریاست کیسی ہونی چاہیے؟ اور ایک اچھے شہری کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟

1.3 سقراط کا طریقہ تحقیق (Socratic Method of Inquiry)

سقراط کو سب سے زیادہ اس کے منفرد سوال و جواب کے طریقۂ تحقیق کی وجہ سے جانا جاتا ہے، جسے "سقراطی طریقہ" یا "الینکس" (Elenchus) کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ صرف فلسفیانہ سچائی کی تلاش کا ذریعہ نہیں تھا بلکہ سیاسی بحث و مباحثے اور شہری شعور کے لیے بھی بہت اہم تھا۔

سقراطی طریقہ (سوال و جواب کا انداز)

سقراط کا طریقہ سوالات پر مبنی تھا۔ وہ دوسروں سے سوال کرتا جیسے:

1. انصاف کیا ہے؟ 2. نیکی کیا ہے؟ 3. اچھا انسان کون ہے؟

وہ بازاروں، گلیوں، یا عوامی مقامات پر عام لوگوں، سیاستدانوں، کاریگروں اور شاعروں سے بات چیت کرتا، ان کے خیالات کو جانچتا، اور انہیں اپنی سوچ پر غور کرنے پر مجبور کرتا۔

اس طریقہ کار کی اہم خصوصیات:

- جہالت کا اقرار: سقراط کہتا تھا کہ "میں کچھ نہیں جانتا"، تاکہ گفتگو بغیر تعصب کے ہو۔
- مکالمہ (Dialogue): وہ لیکچر دینے کے بجائے سوال و جواب سے سچ تک پہنچنے پر یقین رکھتا تھا۔
- غلطیوں کی نشاندہی (Refutation): وہ دوسروں کے خیالات میں تضادات کو ظاہر کرتا تاکہ سچ سامنے آئے۔
- اخلاقی و سیاسی موضوعات: اس کی زیادہ تر باتیں اخلاق، انصاف، فرض اور شہریت سے متعلق ہوتی تھیں۔

سیاسی مکالمے میں اہمیت

سقراطی طریقہ سیاست میں بہت اہم ہے کیونکہ:

- یہ تنقیدی سوچ اور عقلی بحث کو فروغ دیتا ہے۔
- یہ سکھاتا ہے کہ کوئی بھی قانون یا نظریہ بغیر سوچے سمجھے قبول نہ کیا جائے۔
- یہ عوام کو سوال کرنے اور اختیار والوں کا محاسبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

سقراط اور سوفسطائیوں (Sophists) کا فرق

سقراط نے اکثر "سوفسطائیوں" سے بحث کی۔ سوفسطائی ایسے استاد تھے جو پیسے لے کر بحث کرنا سکھاتے تھے تاکہ کسی بھی بحث کو جیت سکیں، چاہے وہ سچ ہو یا نہ ہو۔

فرق:

سوفسطائی طریقہ: طاقت اور جیت کے لیے بحث و مباحثہ کرنا، اخلاقیات سے ہٹ کر۔

سقراطی طریقہ: سچ کی تلاش، اخلاقی اصولوں کے ساتھ۔

سقراط نے سوفسطائیوں پر تنقید کی کہ وہ سیاست کو بگاڑ رہے ہیں کیونکہ وہ سچائی کی بجائے جیتنے پر زور دیتے ہیں۔

سقراطی طریقہ صرف ایک علمی طریقہ نہیں بلکہ ایک سوچنے کا انداز ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ سیاست اور معاشرت میں سچ، انصاف، اور عقل کی بنیاد پر فیصلے ہونے چاہئیں۔ آج بھی یہ طریقہ تعلیم، جمہوریت، اور فلسفے میں بہت اہم مقام رکھتا ہے۔

1.4 سقراط کی اخلاقیات اور سیاسی فکر (Socrates' Ethics and Political Thought)

سقراط کی سیاسی فکر کی بنیاد اخلاقیات (Ethics) پر ہے۔ اس کا ماننا تھا کہ ایک اچھا معاشرہ صرف اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب لوگ اخلاقی طور پر درست ہوں۔ اس کا مشہور قول "نیکی علم ہے" ظاہر کرتا ہے کہ وہ سمجھتا تھا کہ اچھا انسان بننے کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

سیاست کی بنیاد اخلاقیات پر

سقراط نے سیاست اور اخلاقیات کو الگ نہیں کیا۔ اس کا خیال تھا کہ جو لوگ حکومت کرتے ہیں یا سیاست میں حصہ لیتے ہیں، اُنہیں پہلے خود نیک اور بااخلاق بننا چاہیے۔ اس کے نزدیک:

- سیاسی فیصلے اخلاقی سوچ پر ہونے چاہئیں، نہ کہ صرف رائے یا روایات پر۔
- حکمرانوں کو دانشمند اور باکردار ہونا چاہیے، نہ کہ صرف دولت مند یا طاقتور۔

یہی خیال بعد میں افلاطون کے "فلسفی بادشاہ" (Philosopher King) کے تصور کی بنیاد بنا۔

اس کے مطابق "علم ہی نیکی ہے" — سیاسی رویوں کی بنیاد اخلاق پر ہونی چاہیے۔ سقراط کا ایک مشہور نظریہ تھا:

"کوئی بھی انسان جان بوجھ کر برا کام نہیں کرتا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ برائی کرتے ہیں، وہ اصل میں جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں، کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ اچھا کیا ہے۔ اس لیے:

- نیکی کا راستہ تعلیم اور خود احتسابی سے ہو کر گزرتا ہے۔
- ایک اچھا شہری یا رہنما وہ ہے جو نیکی اور انصاف کو پہچانتا ہو۔

سیاسی لحاظ سے اس کا مطلب ہے کہ اگر حکمران اور عوام جاہل ہوں تو ناانصافی اور ظلم کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے سیاسی تعلیم بہت اہم ہے۔

سقراط کے نزدیک انصاف اور اچھی زندگی

سقراط ہمیشہ یہ سوال کرتا تھا: انصاف کیا ہے؟ اس کے مطابق:

- انصاف ایک اخلاقی خوبی ہے جو انسان کے دل میں سکون اور ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔
- ایک منصف شخص وہ ہے جو معاشرے میں اپنا کام ایمانداری سے کرتا ہے اور دوسروں کے کاموں میں دخل نہیں دیتا۔
- انصاف کا مطلب طاقت یا فائدہ نہیں، بلکہ عقلمندی اور اخلاقی زندگی ہے۔

سقراط کے نزدیک "اچھی زندگی" کا مطلب دولت یا آرام نہیں، بلکہ نیکی، خود شناسی اور سچ کی تلاش ہے۔ اس نے کہا تھا:

''ایسی زندگی جو جانچ پرکھی نہ جائے، جینے کے قابل نہیں۔''

یہ فکر شہری کے سیاسی کردار کو نیا مطلب دیتی ہے۔ یعنی ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ خود بھی اچھا بنے اور معاشرے کی بھلائی میں کردار ادا کرے۔ الغرض سقراط نے سیاست کو اخلاقیات کے ساتھ جوڑ کر ہمیں سکھایا کہ انصاف والا معاشرہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب افراد خود بھی نیک ہوں۔ اس کی یہ تعلیم کہ "علم سے نیکی آتی ہے" آج بھی قائدانہ صلاحیت، شہری ذمے داری اور سیاسی تربیت جیسے موضوعات میں بہت اہم ہے۔ سقراط ہمیں یاد دلاتا ہے کہ سچائی، حکمت، اور نیکی کے بغیر سیاست اندھی ہو جاتی ہے۔

1.5 سقراط کا تصورِ شہریت (Socrates' Concept of Citizenship)

سقراط کا تصور شہریت مندرجہ ذیل نکات پر منحصر ہے:

1. شہری ایک اخلاقی شخصیت کے طور پر: سقراط کے نزدیک ایک اچھا شہری صرف وہ نہیں ہوتا جو قانون کی پابندی کرے یا ووٹ دے، بلکہ وہ ہوتا ہے جو:
   - انصاف اور نیکی کو سمجھنے کی کوشش کرے،
   - اخلاقی اصولوں کے مطابق زندگی گزارے،
   - اور معاشرے کی بہتری کے لیے سوچے اور کوشش کرے۔

   یعنی شہری ہونا کوئی خاموش کردار نہیں، بلکہ ایک اخلاقی اور مسلسل کوشش ہے۔
2. قانون کا احترام: سقراط قانون کا بہت احترام کرتا تھا۔ یہ بات خاص طور پر افلاطون کے مکالمے کریتو (Crito) میں دیکھی جا سکتی ہے، جہاں وہ جیل سے فرار ہونے سے انکار کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔ اس کی منطق یہ تھی:
   - اس نے ساری زندگی ایتھنز کے قوانین کے تحت گزاری،
   - اگر وہ بھاگتا تو وہ قانون کی بے حرمتی کرتا،
   - ایک اچھا شہری وہی ہوتا ہے جو قانون کا احترام کرے، چاہے حالات اس کے خلاف ہوں۔
3. غیر فہمی پر مبنی شہریت پر تنقید: سقراط ان لوگوں پر تنقید کرتا تھا جو بغیر سوچے سمجھے سیاست میں حصہ لیتے ہیں۔ اس کے مطابق:
   - ناسمجھ شہری ریاست کو نقصان پہنچاتے ہیں،
   - سیاست میں حصہ لینے کے لیے خود شناسی اور نیکی کی سمجھ ضروری ہے،
   - شہریوں کو اپنی اور دوسروں کی سوچ کو جانچنا چاہیے، نہ کہ اندھی تقلید کرنی چاہیے۔

   اس نظریے کے ذریعے سقراط نے جمہوریت کے اس پہلو کو نمایاں کیا جہاں اکثریت کی رائے ہمیشہ صحیح نہیں ہوتی۔
4. عوامی مکالمہ شہری کردار کے طور پر: سقراط اپنا وقت بازاروں اور عوامی مقامات پر گزارا کرتا تھا، جہاں وہ لوگوں سے سوالات کر کے بحث کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ:
   - گفتگو اور مکالمہ سچ کو جاننے کا ذریعہ ہیں،
   - ہر شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرتی مسائل پر بات کرے،
   - سیاست کو بات چیت پر مبنی ہونا چاہیے، نہ کہ طاقت یا فریب پر۔

   یہی سوچ آج کے مکالمہ پر مبنی جمہوری نظام (Deliberative Democracy) کی بنیاد بنی ہے۔

الغرض سقراط کا تصورِ شہریت صرف قانونی حیثیت تک محدود نہیں تھا، بلکہ یہ ایک اخلاقی ذمہ داری تھی۔ اس کے مطابق ایک شہری کو:

- انصاف اور نیکی کو سمجھنا چاہیے،
- تنقیدی سوچ اپنانی چاہیے،

- اور سماج کی بہتری کے لیے سر گرم رہنا چاہیے۔

سقراط کا یہ نظریہ آج بھی جمہوری تعلیم، سیاسی شعور، اور شہری کردار کے مطالعے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

1.6 سقراط کا تصورِ عدل (Concept on Justice)

عدل (Justice) سقراطی فلسفے کا ایک بنیادی اور بار بار زیرِ بحث آنے والا موضوع ہے۔ سقراط نے عدل کو محض قانونی یا سیاسی اصول نہیں سمجھا، بلکہ اسے ایک اخلاقی قدر کے طور پر پیش کیا جو فرد اور معاشرے دونوں پر لاگو ہوتی ہے۔ اس تصور کی تفصیلی وضاحت افلاطون کے مکالمات، خصوصاً ریپبلک (Republic)، گارگیاس (Gorgias) اور معذرت (Apology) میں ملتی ہے۔ سقراط کے تصور عدل کو مندرجہ ذیل نکات سے سمجھا جا سکتا ہے:

1. عدل ایک اخلاقی خوبی کے طور پر: سقراط کے نزدیک عدل سب سے پہلے ایک روحانی خوبی (Virtue of the Soul) ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ:

- ایک عادل شخص وہ ہے جس کی روح میں ہم آہنگی ہو — یعنی عقل، جذبات، اور خواہشات میں توازن ہو۔
- عدل کا مطلب ہے درست عمل کرنا، چاہے وہ ناپسندیدہ ہو یا اس سے نقصان ہو۔
- عدل کو صرف قانون کی پیروی کے طور پر نہیں بلکہ سمجھ کر اپنانا چاہیے۔

سقراط عدل کو اچھی زندگی (Good Life) سے جوڑتے ہیں: ان کے مطابق صرف ایک عادل شخص ہی حقیقی معنوں میں خوش رہ سکتا ہے، کیونکہ ظلم روح کو تباہ کر دیتا ہے۔

2. معاشرتی عدل — افلاطون کے مکالمہ ریپبلک میں: ریپبلک میں سقراط نہ صرف انفرادی عدل بلکہ ریاستی عدل (Social Justice) پر بھی گفتگو کرتے ہیں:

- ایک عادل ریاست وہ ہے جہاں ہر طبقہ اپنا مخصوص کردار ادا کرتا ہے — حکمران حکومت کرتے ہیں، محافظ دفاع کرتے ہیں، اور مزدور پیداوار فراہم کرتے ہیں۔
- عدل کا مطلب ہے ریاست کے تمام حصوں میں ہم آہنگی اور توازن۔
- جب لوگ اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہیں یا نالائق افراد طاقت میں آتے ہیں تو ناانصافی جنم لیتی ہے۔

یعنی، فرد میں عدل اور ریاست میں عدل دونوں ایک جیسے اصول پر قائم ہیں — ہر جزء کو اپنی ذمہ داری بخوبی ادا کرنی چاہیے۔

3. تھریسماکس بمقابلہ سقراط — عدل اور طاقت کا تصور: ریپبلک میں سقراط کا مکالمہ تھریسماکس سے ہوتا ہے، جو کہتا ہے:

"عدل طاقتور کے مفاد میں ہوتا ہے۔"

یہ تصور ایک طاقت پر مبنی سیاسی حقیقت پسندی کو ظاہر کرتا ہے، جہاں طاقت کو ہی حق سمجھا جاتا ہے۔ سقراط اس بات کو سختی سے مسترد کرتے ہیں:

- عدل طاقت یا مفاد کا نام نہیں، بلکہ سچائی اور اخلاقیات کا تقاضا ہے۔
- ایک عادل حکمران ذاتی مفاد کے بجائے عوامی بھلائی کو ترجیح دیتا ہے۔
- ظلم ریاست میں انتشار پیدا کرتا ہے جبکہ عدل امن اور اتحاد کو فروغ دیتا ہے۔

یہ مکالمہ بتاتا ہے کہ سقراط اخلاقی سیاست کے حامی تھے، جہاں عدل کو طاقت کے بجائے اصولوں پر پرکھا جائے۔

4. عدل اور قانون کی اطاعت: افلاطون کے مکالمہ کریتو (Crito) میں جب سقراط کو جیل سے فرار کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:
   - فرار کا مطلب قانون کی خلاف ورزی ہے۔
   - چونکہ وہ ساری زندگی ان قوانین کے تحت رہے، اب ان سے فرار ناانصافی ہو گی۔
   - عدل یہ تقاضا کرتا ہے کہ انسان اپنی اخلاقی سچائی پر قائم رہے، چاہے موت ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں سقراط ہمیں سکھاتے ہیں کہ ذاتی نقصان سے بڑھ کر انصاف کی پیروی کرنا ایک سچے شہری کی نشانی ہے۔ الغرض سقراط نے عدل کو ایک اخلاقی نظریہ کے طور پر پیش کیا، جس کی بنیاد نفس کی اصلاح اور سماجی توازن پر ہے۔ وہ اس خیال کو مسترد کرتے ہیں کہ عدل صرف طاقت یا مفاد کا نام ہے۔ ان کے نزدیک عدل میں خود احتسابی، اخلاقی بصیرت، اور عوامی ذمہ داری شامل ہے۔ ان کا نظریہ آج بھی سیاسی فلسفے میں قانون، قیادت، اور انصاف کے موضوعات پر اثرانداز ہوتا ہے۔

1.7 سقراط بمقابلہ سوفسطائی (Socrates vs. the Sophists)

قدیم ایتھنز میں سقراط اور سوفسطائی دونوں عوامی مباحثوں میں شامل تھے، لیکن ان کے خیالات اور طریقہ کار میں بنیادی فرق تھا، خاص طور پر علم، اخلاقیات، اور سیاست میں زبان و بیان کے کردار کے بارے میں۔ ان کے درمیان فرق کو سمجھنا سقراطی سیاسی فکر کو جاننے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

سوفسطائی کون تھے؟

سوفسطائی پانچویں صدی قبل مسیح کے پیشہ ور اساتذہ تھے، جو:

- بلاغت، زبان، اور قائل کرنے کی مہارت سکھاتے تھے۔
- اپنی تعلیم کے عوض فیس لیتے تھے۔
- نوجوانوں کو سیاسی و عوامی زندگی میں کامیابی کے لیے تیار کرتے تھے۔

سوفسطائیوں کا ماننا تھا کہ سچائی نسبتی (Relative) ہوتی ہے، یعنی جو بات کسی کے لیے درست ہے، وہ دوسرے کے لیے ضروری نہیں۔ ان کے نزدیک، سچ کو جاننا اہم نہیں، بلکہ لوگوں کو قائل کرنا اصل کامیابی تھی۔

مشہور سوفسطائیوں میں پروٹاگورس شامل ہے، جس کا قول تھا "انسان ہر چیز کا پیمانہ ہے۔" جبکہ تھریسیمیچس نے کہا "انصاف طاقتور کا مفاد ہے۔"

سوفسطائیوں پر سقراط کی تنقید

سقراط نے سوفسطائیوں کی تعلیمات پر سخت تنقید کی:

1. سچائی بمقابلہ قائل کرنا

- سقراط کا عقیدہ تھا کہ سچ اور اخلاقی اصول مطلق ہوتے ہیں۔
- سوفسطائی صرف مناظروں میں جیتنے کی تکنیک سکھاتے تھے، چاہے وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو۔
- سقراط کے نزدیک علم اور فضیلت مقصود تھے، جبکہ سوفسطائیوں کے لیے اثر ورسوخ اور کامیابی۔

2. اخلاقیات

- سقراط نے ہمیشہ اخلاقی زندگی، خود شناسی، اور فضیلت کی تلاش پر زور دیا۔
- سوفسطائی اکثر اخلاقی اصولوں کو نظر انداز کر کے عملیت (Pragmatism) پر زور دیتے تھے۔
- سقراط کا خیال تھا کہ سوفسطائی نوجوانوں کو اخلاقی انحطاط کی طرف لے جا رہے ہیں۔

3. تعلیم دینے کا طریقہ

- سقراط نے مکالماتی انداز (Socratic Method) اپنایا، جس میں سوالات وجوابات کے ذریعے علم حاصل کی جاتی ہے۔
- سوفسطائی بلاغتی حربے استعمال کرتے تھے تاکہ بحث میں غالب آسکیں۔
- سقراط نے بلا معاوضہ تعلیم دی، جبکہ سوفسطائیوں نے اسے کاروبار بنالیا۔

سیاسی مضمرات (Political Implications)

سقراط اور سوفسطائیوں کی بحث دراصل دو مختلف سیاسی تصورات کی نمائندگی کرتی ہے:

سقراط	سوفیسٹ
سچائی اور انصاف پر مبنی سیاست	قائل اور طاقت پر مبنی سیاست
خلاقی اور فلسفیانہ نقطہ نظر	عملی اور رشتہ دارانہ نقطہ نظر
عقلمند اور نیک لوگوں کی حکومت	ہوشیار اور قائل کی طرف سے حکومت
اخلاقی شہریت کا آئیڈیل	عوامی تقریر اور اثر ورسوخ میں کامیابی

سقراط کو خدشہ تھا کہ جمہوریت اگر صرف سوفسطائیوں کے انداز پر چل پڑی، تو یہ جمہوری ہجوم کی حکمرانی بن جائے گی، جہاں رائے عامہ، سچائی پر غالب آجائے گی۔

وراثت اور اثرات (Legacy and Effects)

سوفسطائی تاریخ کے منظر سے غائب ہو گئے، لیکن سقراط کے خیالات نے مغربی فلسفہ اور سیاسی نظریات کو گہرا اثر دیا، خاص طور پر اس کے شاگرد افلاطون اور بعد میں ارسطو کے ذریعے۔

- آج کی لبرل تعلیم سقراط کے تنقیدی افکار کے نظریے پر مبنی ہے۔
- جمہوری معاشرے آج بھی سچ اور بلاغت، اخلاق اور طاقت کے درمیان توازن تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

الغرض سقراط اور سوفسطائیوں کے درمیان تضاد صرف علمی نہیں بلکہ فکری اور اخلاقی جنگ تھی۔ سقراط نے سچائی، فضیلت، اور بااخلاق شہریت کی حمایت کی، جبکہ سوفسطائی رائے، اثر و رسوخ، اور کامیابی کے حامی تھے۔ یہ بحث آج بھی سیاسیات میں اہمیت رکھتی ہے، خصوصاً جب بات ہو سیاسی قیادت، عوامی مکالمہ، اور شہری تربیت کی۔

1.8 سیاسی افکار میں سقراط کی خدمات (Socrates' Contribution to Political Thought)

اگرچہ سقراط نے خود کچھ تحریر نہیں کیا، لیکن اس کا سیاسی فکر پر اثر انتہائی عمیق اور دیرپا ہے۔ اس کے شاگردوں، خاص طور پر افلاطون اور بعد میں ارسطو کی تحریروں کے ذریعے، سقراط نے مغربی سیاسی فلسفے کی بنیاد رکھی۔ اس کی فکر نے اخلاقیات، شہریت، انصاف، قیادت، جمہوریت اور فرد و ریاست کے تعلقات جیسے موضوعات پر اہم مباحث کو جنم دیا۔

1. افلاطون پر اثر اور مثالی ریاست کا تصور (Influence on Plato and the Concept of the Ideal state)

سقراط کا سب سے براہِ راست اثر اس کے شاگرد افلاطون کے کاموں میں نظر آتا ہے:

- جمہوریہ، کریتو، معذرت، اور گارگیاس جیسے مکالمات میں افلاطون نے سقراط کو انصاف اور سچائی کا متلاشی دکھایا۔
- جمہوریہ میں فلسفی بادشاہ کا تصور سقراط کے اس عقیدے سے ماخوذ ہے کہ صرف عقلمند اور نیک لوگ حکمرانی کے اہل ہوتے ہیں۔
- اخلاقی ذمہ داری پر زور، افلاطون کی مثالی ریاست کے تصور کی بنیاد ہے۔

یوں سقراط نے عقلی حکمرانی اور مثالی معاشرے کی فکری بنیاد فراہم کی۔

2. سیاسی فلسفی کے کردار کی تشکیل (Formation of the Role of a Political Philosopher)

سقراط نے سیاسی مفکر کے کردار کی نئی تعریف کی:

- وہ سیاستدان نہیں بلکہ اخلاقی نگران تھا۔
- وہ روایات پر سوال اٹھانے، حکومت پر تنقید کرنے اور سچ کی تلاش کے لیے مشہور تھا۔
- اس نے فلسفی کو ریاست کا ضمیر قرار دیا، وہ تصور جو بعد میں روسو، جان اسٹورٹ مل، اور گاندھی میں جھلکتا ہے۔

سقراط نے عوامی معاملات میں تنقیدی فکر کو جائز اور ضروری قرار دیا۔

3. شہری نافرمانی اور ضمیر کی آواز (Civil Disobedience and the Voice of Conscience)

سقراط کا زہر پی کر مرنے کو قبول کرنا اور قانون کی خلاف ورزی سے انکار، بعد میں شہری نافرمانی (Civil Disobedience) کے تصورات پر اثرانداز ہوا:

- اس نے قانونی ذمہ داری اور اخلاقی فریضہ کے درمیان فرق کو واضح کیا۔
- اس کے اصول نے تھورو (Thoreau)، مارٹن لوتھر کنگ جونیئر، اور نیلسن منڈیلا جیسے مفکرین کو متاثر کیا، جنہوں نے ظالمانہ قوانین کے خلاف پرامن مزاحمت کو جائز قرار دیا۔

سقراط ایک اخلاقی مزاحمت کی علامت بن گیا۔

4. جمہوریت پر اثر (Impact on Democracy)

اگرچہ سقراط نے ایتھنز کی جمہوریت پر تنقید کی، لیکن اس کی فکر نے جمہوری نظریہ کو گہرائی دی:

- اس نے عوامی لاعلمی کے خطرے سے خبردار کیا اور تعلیم، نیکی اور فہم پر زور دیا۔
- اس کے مطابق حقیقی شہری وہ ہے جو اخلاقی فکر اور خود آگاہی رکھتا ہو۔
- اس کا سقراطی اندازِ مکالمہ آج بھی شہری تعلیم اور جمہوری مباحث میں استعمال ہوتا ہے۔

یوں سقراط نے غور و فکر پر مبنی جمہوریت (Deliberative Democracy) کی بنیاد رکھی۔

5. صداقت اور فکری آزادی کی علامت (A symbol of truth and intellectual freedom)

سقراط آج بھی علمی دیانت، اخلاقی جرات اور اظہارِ رائے کی آزادی، کا ایک ابدی نشان سمجھا جاتا ہے۔ وہ آزادیِ اظہار اور فلسفیانہ آزادی کا پہلا شہید کہلاتا ہے۔ اس کا پیغام آج بھی ہمیں یاد دلاتا ہے کہ سچائی، انصاف، اور ضمیر کی آواز سیاست کی رہنمائی کرنی چاہیے۔

الغرض سقراط کا سیاسی فکر میں ورثہ عظیم اور دیرپا ہے۔ اس نے عقلی افکار، انصاف، اور اخلاقی شہریت جیسے تصورات کو قائم کیا، جنہوں نے صدیوں کے فلسفیوں اور نظاموں کو متاثر کیا۔ اگرچہ وہ اپنے وقت میں سزائے موت کا سامنا کر گیا، لیکن وہ فکری مزاحمت، اخلاقی استقلال، اور نیکی پر مبنی سیاست کا ایک لازوال نشان بن گیا۔

1.9 سقراطی طریقہ کار اور اس کی سیاسی اہمیت (The Socratic Method and Its Political Significance)

سقراطی طریقہ کار (جسے Elenchus بھی کہا جاتا ہے) ایک مکالماتی طرزِ گفتگو ہے جس میں سقراط سوالات کے ذریعے دوسروں کو ان کے عقائد پر غور کرنے، تضادات کو ظاہر کرنے، اور سچائی تک پہنچنے کی ترغیب دیتا تھا۔ وہ براہِ راست جواب دینے کے بجائے، تنقیدی خود احتسابی کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

اہم خصوصیات:

سوال و جواب پر مبنی، جہالت کا ادراک اور علم کی تلاش کو فروغ دیتا ہے، مکالمے کو مناظرے پر فوقیت دیتا ہے۔

سیاسی اہمیت:

- ایک فعال، باشعور شہری بنانے میں مدد دیتا ہے، جو جمہوریت کے لیے ضروری ہے۔
- عقلی عوامی مکالمے اور اخلاقی قیادت کو فروغ دیتا ہے۔
- تشہیر، فریب، اور ہجوم کے اثرات سے بچاؤ فراہم کرتا ہے کیونکہ یہ سوچ سمجھ کر بات کرنے پر زور دیتا ہے۔

الغرض سقراطی طریقہ آج بھی تعلیم اور سیاست میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہ تنقیدی سوچ، جمہوری شمولیت، اور جوابدہی کی ثقافت کو فروغ دیتا ہے، جو کسی بھی مضبوط سیاسی نظام کے لیے ضروری ہیں۔

1.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- آپ نے سقراط کی زندگی، شخصیت اور اس کے فکری پس منظر کو سمجھا۔
- آپ نے سقراط کی سیاسی فکر اور اخلاقی فلسفے کے بنیادی نکات کا مطالعہ کیا۔
- آپ نے سقراط اور سوفسٹوں کے درمیان فکری اختلافات کو جانا اور ان کے سیاسی اثرات پر غور کیا۔
- آپ نے سقراط کے مقدمے اور اس کی سزائے موت کے پس منظر اور اس کے سیاسی مفہوم کو سمجھا۔
- آپ نے جدید سیاسی نظریات میں سقراط کی فکر کے تسلسل اور اس کی موجودہ دور میں اہمیت کا جائزہ لیا۔

1.11 کلیدی الفا (Keywords)

ایلنکس (Elenchus) :ہ سقراط کا طریقہ تھا جس میں سوالات پوچھ کر لوگوں کے خیالات کو چیلنج کیا جاتا تھا تاکہ وہ اپنی غلط فہمیوں کو سمجھیں اور سچ تک پہنچیں۔

بد دینی (Asebeia) : یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کا مطلب ہے مذہب کی بے عزتی۔ سقراط پر یہ الزام تھا کہ وہ دیوتاؤں کی پوجا نہیں کرتا تھا اور نئے دیوتاؤں کو مانتا تھا۔

فلسفی بادشاہ (Philosopher-King): یہ ایک نظریہ ہے جس میں کہا گیا کہ ایک حکمران وہی ہونا چاہیے جو نہ صرف طاقت یا دولت سے بلکہ علم اور فلسفے سے حکومت کرے، جیسے سقراط کی تعلیمات۔

1.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.12.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Short Answer Type Questions)

1. سقراط کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(a) مصر (b) بھارت (c) یونان (d) ایران

2. سقراط نے اپنی تعلیمات کس ذریعے سے پہنچائیں؟

(a) کتابوں کے ذریعے (b) سوالات وجوابات کے ذریعے

(c) تحریری خطبات کے ذریعے (d) سیاسی تقاریر کے ذریعے

3. سقراط کا سب سے مشہور شاگرد کون تھا؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) تھوکیڈیز (d) ہیروڈوٹس

4. سقراط پر کیا الزام لگایا گیا تھا؟

(a) بادشاہ بننے کی کوشش (b) فوج سے انکار (c) نوجوانوں کو بگاڑنا (d) دولت چھپانا

5. سقراط نے اپنی سزائے موت کے بعد کیا کیا؟

(a) ملک چھوڑ دیا (b) عدالت سے معافی مانگی (c) زہر کا پیالہ پی کر جان دے دی (d) جیل سے فرار ہو گیا

6. سقراط کس طرز حکومت پر اکثر تنقید کرتا تھا؟

(a) بادشاہت (b) آمریت (c) جمہوریت (d) تھیوکریسی

7. سقراط کا نظریہ تھا کہ ایک اچھا شہری کیسا ہونا چاہیے؟

(a) صرف قانون کا پابند (b) دولت مند (c) اخلاقی وسچائی کا پیروکار (d) طاقتور

8. سقراط کی فکر ہمیں کس چیز کی تعلیم دیتی ہے؟

(a) خاموش رہنے کی (b) حکومت پر اندھا اعتماد (c) تنقیدی سوچ اور سوال کرنے کی (d) صرف روایات پر چلنے کی

9. سقراط نے کون سا فلسفیانہ طریقہ استعمال کیا؟

(a) تجریدی فلسفہ (b) سائنسی طریقہ (c) سقراطی طریقہ (سوالات وجوابات) (d) مذہبی تبلیغ

10. سقراط کی سزائے موت نے فلسفے میں کس چیز کو جنم دیا؟

(a) سیاسی رہنمائی (b) فلسفیوں کا اقتدار (c) آزادی اظہار اور ضمیر کی اہمیت (d) تعلیم کی بندش

1.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سقراط کا فلسفیانہ طریقہ (Socratic Method) کیا تھا اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ بیان کیجئے۔

2. سقراط کو کس الزام میں سزائے موت دی گئی؟ تفصیل سے بتائیے۔

3. سقراط اور سوفسٹوں کے خیالات میں کیا بنیادی فرق تھا؟ قلم بند کیجئے

4. سقراط کا جمہوریت کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟ واضح کیجئے۔

5. سقراط کی فکر نے افلاطون کی سیاسی سوچ پر کس طرح اثر ڈالا؟ مختصر روشنی ڈالیئے۔

1.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سقراط کی شخصیت، طرزِ زندگی اور اس کے فلسفیانہ نظریات کا سیاسی فکر پر کیا اثر پڑا؟ وضاحت سے بیان کیجئے۔
2. سقراط اور سوفسٹوں کے نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کیجئے اور بتایئے کہ ان اختلافات کا یونانی معاشرے پر کیا اثر ہوا۔؟
3. سقراط کی سزائے موت کو آپ آزادئ اظہار اور ریاست کے تعلق کی روشنی میں کیسے دیکھتے ہیں؟ وضاحت سے تجزیہ کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(c)	2۔	(b)	3۔	(b)	4۔	(c)	5۔	(c)
6۔	(c)	7۔	(c)	8۔	(c)	9۔	(c)	10۔	(c)

اکائی 2۔ افلاطون: مثالی مملکت، انصاف اور تعلیم

(Plato: The Ideal State, Justice and Education)

اکائی کے اجزاء

2.0	تمہید
2.1	مقاصد
2.2	تعارف
2.3	افلاطون کا مثالی مملکت
2.4	افلاطون کا نظریۂ انصاف
2.5	افلاطون کا نظریۂ تعلیم
2.6	افلاطون کا نظریۂ اشتمالیت
2.7	اکتسابی نتائج
2.8	کلیدی الفاظ
2.9	نمونہ امتحانی سوالات
2.9.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
2.9.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
2.9.3	طویل جوابات کے حامل سوالات

2.0 تمہید (Introduction)

افلاطون قدیم گریک فلسفہ کا ایک مشہور، قابل احترام اور بااثر فلسفیوں میں سے ایک تھا۔ وہ سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا۔ افلاطون ایتھنز کے ایک معزز خاندان 427 قبل مسیح پیدا ہوا تھا۔ اس کے والد ایمر سٹن ایتھنز کے آخری بادشاہ کورڈس کے خاندان سے تھے اور اس کی والدہ پریکشیون یونان کے سولون خاندان سے تھا۔ افلاطون کا اصلی نام ارسطوکلیز تھا اس کی بہتر صحت کو دیکھتے ہوئے اس کے ورزش کے استاد نے اس کا نام پلاٹون رکھ دیا۔ پلیٹو لفظ کا یونانی تلفظ پلیٹون ہے اور پلیٹون کا مطلب چوڑا چٹا ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ پلیٹون کے بجائے پلیٹو کہا جانے لگا۔ وہ شروع سے ہی سیاست دان بننا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا یہ خواب مکمل نہ ہو سکا اور وہ ایک عظیم فلسفی بن گیا۔

وہ16 سال کی عمر میں سقراط کا شاگرد بن گیااور وہ سقراط سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ سقراط کے خیالات سے متاثر ہو کر ہی افلاطون نے سیاست کی اخلاقی وضاحت کی فضیلت کو علم سمجھا۔ ریاسی فن کو اعلیٰ ترین فن قرار دیا۔399 قبل مسیح جب سقراط کو سزائے موت دی گئی تو افلاطون کی عمر28 سال تھی اس واقعہ سے پریشان ہو کر اس نے سیاست سے لاتعلقی اختیار کر لی اور فلسفی بن گیا۔ افلاطون نے486 عیسیٰ قبل اپنے طالب علموں کی مدد سے ایتھنز میں ایک اکادمی قائم کی جسے یوروپ کی پہلی جامعہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ افلاطون نے اپنی زندگی کے 40 سال مطالعہ اور تدریس کے کاموں میں صرف کیا۔ اس کی اکادمی کی وجہ سے ایتھنز نہ صرف یونان کا بلکہ پورے یوروپ کا فکری مرکز بن گیا۔ اس کی اکادمی میں ریاضی اور الجبرا کے مطالعہ پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ افلاطون کے داخلی دروازے پر یہ جملہ لکھا تھا" یہاں ریاضی کے علم کے بغیر کسی کو اکادمی میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے۔" یہاں سیاست داں، قانون ساز اور فلسفی حکمراں بننے کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اپنے ایک شاگرد کے اصرار پر وہ ایک شادی کی تقریب میں شریک ہوا اور وہیں سوتے ہوئے 81 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

2.1 مقاصد(Objective)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طالب علم جان سکیں گے:

- افلاطون کی حیات اور خدمات سے واقف ہوں گے۔
- افلاطون کے مثالی مملکت کا علم حاصل کریں گے۔
- افلاطون کے ذریعہ پیش کئے گئے انصاف کا اصول، تعلیم کا اصول اور اشتراکیت کو جانیں گے۔

2.2 افلاطون کا تعارف(Introduction to Plato)

عزیز طلبہ اس اکائی میں ہم افلاطون کے سیاسی فکر کا مطالعہ کریں گے۔ افلاطون ایک قدیم یونان کا سیاسی فلسفی ہے۔ اس کو یونان ہی کا نہیں بلکہ پوری دنیا کا پہلا سیاسی مفکر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس سے پہلے کسی بھی مفکر نے مملکت، حکومت اور فرد کے درمیان تعلق پر کوئی عقلی نظریہ پیش نہیں کیا تھا۔ افلاطون ایک آفاقی فلسفی تھا۔ اور اس کا فلسفہ بھی آفاقی تھا۔ سیاسیت کے علاوہ منطق، اخلاقیات، تعلیم وغیرہ جیسے مضامین پر اس کی گہری پکڑ تھی۔ افلاطون ایک آئیڈیلسٹ تھا۔ میں نے حقیقی اور عارضی کو نظر انداز کیا ہے اور آفاقی اور مستقل پر زور دیا ہے۔ افلاطون نے اپنی زندگی میں یونان کے سیاسی تاریخ کا ایک اہم دور دیکھا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایتھنز کو اسپارٹا سے شکست اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا ہے اس نے اپنے استاد سقراط کو زہر پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایتھنز میں بدانتظامی نظام اور اخلاقی گراوٹ دیکھی ہے۔ لہٰذا اس نے ان سب برائیوں کو ختم کرنے پر غور و فکر کیا۔ اس کا یہ بھی ماننا تھا کہ سیاسی اور معاشی طاقتوں کی علیٰحدگی ہونی چاہیے یہی سبب تھا کہ اس نے اشتراکیت کا اصول پیش کیا تھا۔

افلاطون کی تصنیفات:(Books of Plato)

افلاطون ایک مفکر کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کا تحقیق کار تھا۔اس نے تقریباً 83 کتابیں لکھیں۔اس کی تمام کتابیں مکالمے کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔اس کی اہم کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) ریپبلک(Republic)

(2) اپولوجی(Apology)

(3) قانون(Laws)

2.3 افلاطون کا مثالی مملکت (Ideal State of Plato)

افلاطون کے زمانہ میں بہت سے ایتھنز کے باشندے اپنے بڑے شہروں اور شہر کی ریاستوں کا حل سمجھتے تھے یعنی ان کی ثقافت اور فوج کی کامیابیوں کے حوالے سے مثالی تھا لیکن سماج میں بدعنوانی چرم پر تھی۔اس نے موجودہ برائیوں اور بدعنوانی کو ختم کرنے کے لیے ایک تصور پیش کیا۔اس طرح اس نے اس وقت یونانی سماج کو صحیح راستہ دکھانے کی کوشش کی۔

افلاطون کے زمانہ میں یونان میں سیاسی اور سماجی خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں۔اس کو ختم کرنے کے لیے افلاطون نے مثالی مملکت کے تصور کو پیش کیا۔افلاطون کو ایسے سماج پر شک تھا جو سیاست رکھنے والوں کو خاص مقام نہیں دیتا تھا۔اس کے علاوہ افلاطون کو ایتھنز کی بوکھلاہٹ اس کی مغرور فطرت، قومی، سیاسی اور سماجی غلطیاں اور یہاں تک کہ اپنے شہریوں کے تئیں ان کی توہین سے اچھی طرح واقف تھا۔اس لیے افلاطون نے ایتھنیائی مملک کے چہرے کو دیکھا اور کامل مملکت یا مثالی مملکت کے نظریات کو تشکیل دینے کے لیے کوشش کرنے لگا۔

افلاطون انسانی فطرت کے پانتھاگورین اصول سے متاثر تھا۔پانتھاگورین انسانی فطرت کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے جو کہ عقل، ہمت اور بھوک ہے۔افلاطون کہتا ہے کہ مملکت ایک زندہ جسم ہے اور مملکت بڑی سطح پر انہیں خصوصیات کی نمائندگی کرتی ہے، جس طرح ایک فرد چھوٹی سطح پر نمائندگی کرتا ہے۔افراد مملکت کا اعضا ہوتے ہیں جس طرح ایک عضو جسم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح فرد بھی مملکت کے بغیر کچھ نہیں ہے۔مملکت طبقات پر مشتمل ہے اور یہ طبقات اس کے حصے ہیں۔اس نے اپنی مثالی مملکت کی بنیاد تین بڑے طبقوں پر رکھی ہے۔حکمراں طبقہ سب سے تعلیم یافتہ طبقہ ہوگا اور وہی حکومت کی حکمرانی کرے گا۔

اس نے اپنے مثالی مملکت میں سماج کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا:

1۔حکمراں طبقہ یا سماج کے سب سے اعلیٰ سطح پر حکمراں طبقہ ہوگا جو دانشور ہوں گے جو عقلی طور پر غور و فکر کر سکیں گے۔

2۔ درمیانی طبقہ - یامعاون طبقہ وہ معاون ہوں گے جو ایک دلیر اور حوصلہ مند فوج بنائیں گے اور حکمراں جماعت کے فرمانبردار ہوں گے۔ ایک فوجی طبقہ جس میں ہمت اور جسمانی طاقت ہو گی۔ مملکت کی حفاظت کرنا اس کی ذمہ داری ہو گی۔

3۔ تیسرا طبقہ پیداوار کرنے والا ہو گا۔ اس طبقہ میں کسان اور تاجر وغیرہ وہ محنت کش طبقہ نہیں ہیں کیوں کہ انہیں پیسہ کمانے اور جائیداد رکھنے کی اجازت ہے۔

افلاطون نے اپنی کتاب 'Republic' میں مثالی مملکت کا نظریہ پیش کیا ہے۔ مثالی مملکت قائم کرنے کا افلاطون کا مقصد مملکت میں امن اور ہم آہنگی پیدا کرنا تھا اور حکمراں طبقہ عوام کے فلاح و بہبود کے لیے کام کرے گا نہ کہ اپنے وجود کے مفاد کے لیے کام کرے گا بعد میں اس نے مملکت میں انصاف قائم کرنے کی بات پر زور دیا ہے۔

افلاطون کے مثالی مملکت میں تین طبقات میں حکمراں فوجی اور پرورش کرنے والے افلاطون کے مطابق تمام افراد میں یکساں خصوصیت نہیں پائی جاتی ہے۔ پہلے طبقہ میں بہادری کے عنصر، دوسرے طبقہ میں ہمت کا عنصر اور تیسرے میں خواتین کا عنصر موجود ہوتا ہے۔

افلاطون کے مطابق مثالی مملکت وہ ہے جس میں تینوں طبقہ اپنے اپنے کام انجام دیں اور ایک دوسرے کے کاموں میں مداخلت نہ کریں۔ قومی اور پرورش طبقہ حکمراں طبقہ کے کنٹرول میں کام کریں۔ افلاطون کے مطابق مثالی مملکت میں تعلیم یافتہ طبقہ میں حکمرانی کرے گا۔ افلاطون کے مطابق جس کے پاس عقل ہو گی وہی حکمرانی کرے گا۔ فلسفی بادشاہ کے حکمرانی کو افلاطون کے مثالی مملکت کی سب سے اہم خصوصیت بیان کیا ہے۔ مملکت تبھی مثالی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ جب فلسفہ حکمرانوں کے ذریعہ بے لوث فرض ادا کیا جائے۔ افلاطون کسی فرد کے شعور کو سب سے اہم سمجھتا ہے۔ اس کے مطابق جس کے پاس عقل یا شعور یافتہ لوگوں کے ذریعہ ہی حکمرانی کی جانی چاہیے اس وجہ سے مملکت کے اعلیٰ سطح پر فلسفی یا شعور یافتہ لوگوں کو تقرر کیا جائے۔

افلاطون اپنی کتاب Republic میں واضح طور سے لکھتا ہے کہ ہمارے شہری مملکتوں میں تب تک مسائل نہیں ختم ہوں گے جب تک مملکت میں فلسفی بادشاہ نہیں ہوں گے۔ اس دنیا میں بادشاہوں اور شہزادہ فلسفہ جذبات اور طاقت نہ ہو گی، اس کا کہنا تھا کہ فلسفی بادشاہ میں سچائی کا بے دریغ اور تفتیش کار ہوتا ہے۔ مثالی مملکت میں حکمرانی حکومت کے قانون قاعدہ کے ذریعہ نہیں کی جاتی ہے بلکہ فلسفی بادشاہوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے فلسفی بادشاہوں پر قانون کا کوئی بندھن نہیں ہوتا ہے۔

افلاطون کے مطابق مملکت اپنی مثالی شکل اسی وقت حاصل کر سکتی ہے جب اس کی حکمرانی ایک ہنر مند قابل باشعور اور بے لوث شخص کے ہاتھ میں ہو۔ فوسٹر نے اسے افلاطون کا سب سے بنیادی خیال بتایا ہے۔ سیاسی فلسفے کی تاریخ میں افلاطون کا یہ نظریہ جتنا متاثر کن ہے اور ترقی پسند رہا ہے کسی دوسرے مفکر کا نظریہ نہیں رہا ہے۔

افلاطون کا مثالی مملکت قائم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہیے:

1۔انصاف پر مبنی مملکت

2۔ تعلیم کا نظام

3۔ تشخیص کا اصول

4۔اشتراکیت کا اصول

5۔ فلسفی حکمراں کی حکمرانی

6۔سب کے لیے مساوی حق

افلاطون اپنا مثالی مملکت کی تعمیر کے لیے اس نے نظریہ انصاف، تعلیم کے اصول، کمیونزم وغیرہ کو بنیادی ستون کے طور پر استعمال کیا ہے۔ افلاطون ایک ایسا مثالی مملکت بنانا چاہتا تھا، جو مکمل طور پر مثالی ہو۔اس نے کبھی اس بات کی فکر بھی نہیں کی کہ مثالی حکومت عملی ہے کہ نہیں۔ افلاطون نے خود اعتراف کیا ہے کہ مثالی مملکت الفاظ میں بنتی ہے کیوں کہ میرے خیال میں یہ زمین پر کہیں نہیں ہے۔ افلاطون اس مثالی مملکت کی طرف اس قدر متوجہ تھا کہ اسے عملی شکل دینے کے لیے بھی وہ اس میں ترمیم کرنے کے بالکل حق میں نہیں تھا۔

2.4 افلاطون کا نظریۂ انصاف (Plato's Theory of Justice)

افلاطون کا نظریۂ انصاف اس کے فلسفہ کی سنگ بنیاد ہے۔اس نے اپنی کتاب: The Republic میں نظریۂ انصاف کی مکمل وضاحت کی ہے۔The Republic میں بیان کردہ مثالی مملکت کا بنیادی مقصد انصاف کا حصول ہے۔ری پبلک میں افلاطون نے انصاف کی نوعیت کی تفصیل سے بحث کی ہے۔ری پبلک کی شروعات اور اختتام انصاف کی بحث پر ہوتی ہے۔ افلاطون نے انصاف کو کتنی اہمیت دی ہے، یہ اس حقیقت سے واضح ہو جاتی ہے کہ افلاطون ری پبلک کو انصاف کی کتاب کہتا ہے۔مثالی مملکت میں نظام عدل کے قیام کے لیے فلسفے کی حکمرانی، مملکت کے زیر کنڑول نظام تعلیم اور اشتراکی نظام کا بندوبست کیا ہے۔افلاطون نے انصاف کو ہر میدان میں لوگو کیا ہے۔اس کے مطابق فوجی طبقہ، حکمراں طبقہ اور ہنر مند طبقہ کو انصاف کے دائرہ میں اپنا کام انجام دینا چاہیے۔

افلاطون نے انصاف کو صرف قوانین کی پابندی تک محدود نہیں سمجھا ہے کیوں کہ انصاف انسانی روح کی اندرونی فطرت پر مبنی ہے۔ یہ کمزوروں پر طاقتور کی فتح نہیں ہے کیوں کہ یہ کمزوروں کو طاقتور سے بچاتا ہے۔ افلاطون کے مطابق ایک منصفانہ مملکت کا قیام سب کی فلاح وبہبود کا خیال رکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ ایک انصاف پسند معاشرے میں حکمراں طبقہ، فوجی طبقہ اور پیداواری طبقہ وہی کرتے ہیں جو انہیں کرنا چاہیے۔اس طرح کے سماج میں حکمراں ذہین ہوتے ہیں اور نتیجہ خیز ضبط نفس یا تحمل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

افلاطون کا نظریۂ انصاف اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ہر انسان کی اپنی انفرادی خصوصیت ہوتی ہے۔اس کے مطابق انسانی روح یا جسم میں تین خوبیاں ہوتی ہیں،ایک روح یا عقلمندی،ایک حکمران طبقہ،دوسرا محافظ طبقہ اور تیسرا پیداواری طبقہ۔اگرچہ یہ تینوں عنصر تمام انسانوں میں موجود ہوتے ہیں لیکن یہ سب میں ماوی نہیں ہوتے ہیں۔ہر عنصر کا اپنا فطری فعل ہے روح یا عقلمندی کا کام کنڑول کرنا ہے۔شجاعت یا ہمت کا کام حفاظت کرتا ہے اور بھوک کا کام عادی چیزوں کو ذخیرہ کرتا ہے۔کسی انسان میں عقل مندی یا روح کا عنصر زیادہ طاقتور ہوتا ہے تو کسی میں شجاعت یا ہمت اور کسی میں بھوک کا عنصر زیادہ اور بہتر ہوتا ہے، جس میں جو صلاحیت زیادہ ہو اس کے مطابق اپنے کام فرائض کو انجام دے۔ افلاطون کے مطابق اگر انسان اپنی جسمانی خوبیوں کی بنیاد پر اپنی فطرت کے مطابق عمل کرے تو یہ انصاف ہے۔افلاطون کے مطابق ہر انسان کو اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مطابق اپنے فرائض انجام دینا چاہیے۔اس طرح افلاطون مروجہ تین محسوسات کو رد کرتا ہے۔انصاف کو روح کی ایک خوبی سمجھتا ہے نہ کہ خارجی شے کے طور پر۔افلاطون کہتا ہے کہ انصاف انسانی روح کی مناسب حالت اور انسانی فطرت کا فطری تقاضا ہے۔افلاطون کا کہنا ہے کہ انصاف انسان کی روح کی اعلیٰ سطح ہے اور انسانی فطرت کی قدرتی مطالبہ ہے۔ای ایم فاسٹر کے مطابق جسے ہم اخلاقیات کہتے ہیں وہی افلاطون کا انصاف ہے۔افلاطون کا کہنا ہے کہ مملکت انسانی بہت اعلیٰ ہے اس بات کی زیادہ امید ہے کہ مملکت میں انصاف زیادہ مقدار میں موجود ہو اور وہاں اس کی کھوج آسانی سے کی جا سکے۔

یہ تینوں خوبیاں جیسے روح یا عقل مندی، شجاعت یا ہمت اور بھوک جب انسانی دماغ میں مناسب تناسب میں موجود رہتی ہیں تبھی انسان انصاف کا اطاعت کر سکتا ہے۔دوسرے الفاظ میں روح یا عقلمندی، شجاعت یا ہمت اور بھوک مناسب مطابقت اور ایڈجسمنٹ انسان کی زندگی میں انصاف پیدا کرتا ہے۔جب یہ توازن سے باہر ہوتا ہے تو انسان جبلت پرست اور اس کا تعصب پروان چڑھتا ہے۔

یہ تینوں خوبیاں روح، شجاعت یا ہمت اور بھوک افلاطون کے فلسفہ کے اہم بنیاد ہیں اور اسی کی بنیاد پر اس نے مملکت کو پیدا کرنے والے تین عنصر کا اور مملک کو پیدا کرنے والے تین طبقوں کو پیش کیا ہے۔افلاطون کے مطابق جس طرح چھوٹے حروف کے مقابلے میں بڑے حروف بڑی آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں اسی طرح انسان کی زندگی کی غفلت یا نظر انداز مملکت میں انصاف کو واضح طور سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔مملکت سے متعلق افلاطون کا خیال ہے کہ مملکت انسان کے دماغ کی پیداوار ہے۔مملکت ببول کے درخت یا چٹانوں سے نہیں وجود میں آیا ہے بلکہ وہ ان لوگوں کے دماغ اور کردار کا نتیجہ ہوتے ہیں جو ان میں رہتے ہیں۔

افلاطون کا کہنا ہے کہ انسان کی طرح مملکت میں بھی یہ تینوں خصوصیات یا خوبیاں روح، شجاعت اور بھوک موجود ہوتی ہیں ان تینوں خوبیوں کے نمائندہ کے طور پر مملکت کو پیدا کرنے میں یہ تینوں طبقہ مددگار ثابت ہوتے ہیں، جیسے حکمراں طبقہ، فوجی طبقہ اور پیدواری طبقہ۔پیداواری طبقہ سے یہ مطلب ہے کہ انسان تنہا کھانا، کپڑا، مکان وغیرہ کی ضرورت اکیلے نہیں پورا کر سکتا ہے۔یہ سماج کے سبھی لوگوں کی مدد سے ممکن ہو سکتا ہے۔جب انہیں پورا کرنے کے لیے سماج میں اناج پیدا کرنے والے کسانوں، مکان بنانے والے کاریگروں، کپڑا بنانے والے جولاہوں، جوتا بنانے والے موچی وغیرہ کی مخصوص معاشی ٹولی بنائی جائے۔پیداواری طبقہ کے علاوہ دوسرا عنصر فوجی ہے۔مملکت کی حفاظت کے لیے تربیت یافتہ سپاہیوں یا محافظوں کی ضرورت ہوتی ہے، فعلیاتی تخصیص کے مطابق اسے انجام دینے والے ایک بہادر سپاہیوں کا ایک خاص گروہ

ہونا چاہیے۔ان سے مملکت اپنی حفاظت اور مملکت کی توسیع کے فرائض انجام دینے کا کام کرتے ہیں۔ مملکت کی حکمرانی بہادر فوجیوں پر منحصر کرتی ہے۔ مملکت کے بنانے میں تیسرا عنصر فلسفی عنصر یا حکمراں طبقہ ہے۔ حکمراں طبقہ ذہین اور دانشمند ہونا چاہیے۔ حکمراں طبقہ عقلمند اور ذہین ہونا چاہیے۔اپنی رعایا سے محبت کرے،ان کا مفاد اپنا مفاد سمجھے،ان کا نقصان اپنا نقصان سمجھے۔وہ اپنی عقلمندی اور ذہانت رعایا کی محبت سے مملکت کے اتحاد کو قائم رکھتا ہے۔ حقیقت میں عقلمندی اور ذہانت مملکت کا سب سے اہم عنصر ہے لہٰذا جس کے پاس عقل یا ذہانت ہو وہی فلسفی بادشاہ ہونا چاہیے۔

مملکت کے تین عنصر کی بنیاد پر افلاطون نے اپنی مملکت میں تین طبقوں کی حکمرانی کو تسلیم کیا ہے:

(1) پیداواری طبقہ (2) فوجی طبقہ اور (3) حکمرانی طبقہ۔

افلاطون کے مطابق مملکت میں جب بادشاہ بغیر لالچ اور اپنے مفاد کے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کی حفاظت کرتے ہوئے حکمرانی کرتا ہے۔ فوجی طبقہ اپنے جان کی بازی لگاتے ہوئے مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے اور پیداواری طبقہ سبھی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے اشیائ پیدا کرتا ہے تبھی مملکت میں انصاف قائم ہوتا ہے۔انصاف حقیقت میں اپنے فرائض کو انجام دینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہر طبقہ اگر اپنے فرائض انجام دیتا ہے تو انصاف قائم ہوگا۔

مملکت کے ان تینوں طبقوں حکمراں طبقہ، فوجی طبقہ اور پیداواری طبقہ کے ذریعہ اپنے اپنے میدان میں تشخیص حاصل کر لینا اور اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے انجام دینا انصاف ہے۔ یہ مملکت اور فرد کے مفاد میں ہے کہ فرد اپنی قدرتی قابلیت اور لیاقت کی بنیاد پر اپنا کام کرنے کا میدان طے کرلے اور اس کام میں زیادہ سے زیادہ صلاحیت میں اضافہ کرکے زیادہ سے زیادہ برتری حاصل کرے۔ نظریۂ انصاف کا مطالبہ ہے کہ بادشاہ عقل مند اور دانشور ہو، فوجی بہادر ہو اور پیداواری طبقہ خود میں مہارت رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس مملکت میں انصاف کی موجودگی ہے ورنہ انصاف موجود نہیں ہے۔

افلاطون کہتا ہے کہ عقلمند یا دانشور بادشاہ حکمرانی کرے، فوج کی نمائندگی کرنے والا طبقہ محافظ کے فرائض انجام دے۔ سرحد اور ملک کی حفاظت کرے۔ بری خطرہ سے حفاظت کرے۔پیداواری طبقہ پیدوار کے فرائض انجام دے۔ ہر طبقہ اپنے اپنے فرائض انجام دے۔ سماج کا ہر طبقہ اپنی صلاحیت اور لیاقت کے مطابق اپنے فرائض انجام دے اور دوسرے کے کاموں میں مداخلت نہ کرے۔ اگر حکمرانی کرنے والا طبقہ اگر اپنے فرائض سے ہٹ کر محافظ یہ پیداواری کے فرائض انجام دیتا ہے تو یہ اس کے پیشہ سے سراسر ناانصافی اور سماجی ہم آہنگی کی خلاف ورزی ہوگی۔افلاطون کا نظریۂ انصاف اس پر زور دیتا ہے کہ سماج کا ہر فرد اپنے سے متعلق فرائض انجام دے اور دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ افلاطون کے مثالی مملکت میں انصاف اسی وقت قائم ہوگا جب لوگ اپنے سے متعلق فرائض کو انجام دیں گے اور اپنے پیشوں سے وابستہ رہیں گے۔ افلاطون دانشور اور قابل حکمرانی کو یقینی بنانا چاہتا ہے۔اس کا کہنا تھا کہ جو لوگ اعلیٰ خوبیوں کے حامل ہوں وہ حکمرانی کے فرائض انجام دیں۔ بہادر اور ہمتی لوگ مملکت کے محافظ ہوں گے، دولت اور خواہشات کے حامی لوگ پیداواری طبقہ کے فرائض انجام دیں۔

2.4.1 افلاطون کے نظریۂ انصاف کی خصوصیات(Characteristics of Plato's Theory of Justice)

فلاطون کے نظریۂ انصاف کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

(1)افلاطون کے مطابق انصاف ایک قانونی تصور نہیں ہے بلکہ یہ ایک اخلاقی تصور ہے۔

(2)افلاطون نے انصاف کو دو زمرے میں تقسیم کیا ہے:

(i)انفرادی اور (ii)سماجی انصاف

(3)افلاطون کے مطابق انصاف فطری ہے یہ روح کا معیار اور ضمیر کی آواز ہے۔

(4)انصاف ایک ایسا عنصر ہے جو اخلاقی، سماجی اور سیاسی فیصلوں کے عمل کو متاثر کرتا ہے۔

(5)انصاف ایک شخص کے لیے کردار کے علاوہ معاشرے کا مطلوبہ معیار ہے۔

(6)افلاطون انصاف کو سیاسی اور اخلاقی عقیدہ تسلیم کرتا ہے۔

(7)انصاف انسان کا علمی معیار ہے۔

(8)انصاف ایک ایسی خوبی ہے جس کی وجہ سے انسان سعی کی فلاح بہبود میں اپنی بھلائی دیکھتا ہے۔

(9)افلاطون کا خیال ہے کہ انصاف سماجی ہم آہنگی کا اصول ہے جو سماج کے لوگوں کو آپس میں جوڑے رہتا ہے۔

(10)افلاطون کا کہنا ہے کہ انصاف مداخلت کا اصول نہیں ہے۔اس کا خیال ہے کہ مملکت کے تینوں طبقوں: حکمراں طبقہ، فوجی طبقہ اور پیداواری طبقہ کو اپنی اپنی ذمہ داری اور فرائض انجام دینے چاہیے انہیں دوسرے کے کاموں میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔

(11)افلاطون اپنے نظریۂ انصاف میں عورتوں او رمردوں کو مساوی تسلیم کرتے ہوئے عوامی میدان میں مساوی حقوق فراہم کرنا چاہیے۔افلاطون کا یقین ہے کہ عورتیں سیاسی اور فوجی کاموں میں حصہ لے سکتی ہیں۔

(12)انصاف مملکت کا مددگار اور لازمی ذرائع ہے۔

2.4.2 افلاطون کے نظریۂ انصاف کی تنقید(Criticism of Plato's Theory of Justice)

افلاطون کے ذریعہ پیش کیا گیا نظریۂ انصاف کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1)افلاطون کا انصاف کا تصور بنیادی طور پر اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے، جس میں قانونی منظوری کا فقدان ہے۔ لہٰذا قابل نقاد نہیں ہے۔ یہ معاشرے کے مفاد میں خود پر قابو پانے اور خود پر مسترد کرنے پر مبنی ہے۔

(2)افلاطون کا انصاف کا نظریہ صرف شہری ریاست کے لیے ہی عملی ہو سکتا ہے۔ یہ تقسیم کار کے اصول کو سختی سے نافذ کرتا ہے اور ہر ایک فرد سے اپنی تفویض کردہ ذمہ داری ادا کرنے کے لیے پابند کرتا ہے جو معاشرے کو مطمئن کرے۔

(3)اس کا انصاف کا تصور فلسفیوں جیسے ایک طبقے کو مکمل اختیار دینے کی بات کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کے پاس قابلیت، لیاقت، صلاحیت اور عقل ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے تصور انصاف میں طاقت اور استحقاق کی عدم مساوات کی گنجائش ہوتی ہے۔

(4)افلاطون افراد کو مکمل طور پر مملکت کے تابع کر دیتا ہے اور اسے مملکت کے مفاد کے فروغ کے لیے ایک معمولی ذریعہ بتاتا ہے۔

(5)اس کا انصاف کا تصور ایک طبقاتی مملکت کو جنم دیتا ہے، جس میں حکمرانی ایک خاص طبقہ کا استحقاق ہے۔

(6)افلاطون نے حکومت کی شراکت میں پیداواری طبقہ کے خدشات کو نظر انداز کیا ہے۔

(7)افلاطون کا نظریۂ انصاف Idealistic Nature ہے۔

(8)اس کا انصاف کا نظریہ غیر جمہوری ہے۔ یہ حکمراں طبقے کو زیادہ اختیار فراہم کرتا ہے۔

2.5 افلاطون کا نظریۂ تعلیم (Plato's Theory of Education)

افلاطون کا نظریۂ تعلیم اس کے نظریۂ انصاف سے جڑا ہوا ہے۔ مارکر کے مطابق تعلیم معاشرے میں ہم آہنگی اور معاشرے میں اتحاد لانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیم انسان کو بہتر انسان بناتی ہے۔ افلاطون کا یقین تھا کہ معاشرے میں برائیوں کا خاتمہ لوگوں کو تعلیم فراہم کر کے کم کیا جا سکتا ہے۔ اور اس نے زور دے کر کہا ہے کہ تعلیم ایک روحانی دوا ہے۔ افلاطون نے تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے کہ اپنی مثالی مملکت سے منسلک کیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ علم فضیلت ہے اور علم فراہم کرنا مملکت کا فرض ہے۔ افلاطون نے زور دے کر کہا ہے کہ مملکت کو تینوں طبقوں میں مناسب طریقہ سے تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے فرائض مستعدی کے ساتھ ادا کر سکیں۔ یعنی مملکت کو تعلیم کو ترجیح دینی چاہیے۔

افلاطون کے ''ری پبلک'' میں اسی نظریۂ تعلیم پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ روسیو کے لفظوں میں ''ری پبلک'' سیاسیات پر ہی نہیں بلکہ تعلیم پر بہترین مقالہ قرار دیا ہے۔ افلاطون کے نزدیک سب سے پہلے ایک تعلیمی ادارہ نے مملکت کے استحکام کا دار و مدار مکمل طور سے صحیح تعلیم پر ہے۔ افلاطون کا یہ یقین تھا کہ تعلیم انسان کے کردار کی تشکیل کرتی ہے، اس لیے انسان کے کردار کے فروغ کے لیے ضروری ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ حکمراں اور محافظ طبقہ کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ہی وہ اپنے فرایض کو انجام دے سکتے ہیں۔ تعلیم ایک ایسا

ذریعہ ہے جو شہریوں کے کردار کی تشکیل کرتی ہے۔ تعلیم داخلی شعور کو روشن کرنے اور روح سے جاہلیت کو ختم کرنے کا نام ہے۔ تعلیم انسان کے قلب میں اتحاد کا جذبہ بھرتی ہے اور اسے ضبط نفس کا سبق سکھاتی ہے۔ یہ انسان کو صحیح اور غلط میں فرق بتاتی ہے اور انسان کو خود غرضی اور خود غرضی کو ترک کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ تعلیم انسان کے سماجی شعور کو بیدار کرتی ہے اور مختلف طبقات میں ہم آہنگی اور اتحاد قائم کرتی ہے۔ افلاطون کا خیال تھا کہ بہت سے اعلیٰ عناصر انسان کی روح میں موجود رہتے ہیں۔ ان بنیادی عناصر کو نکالنا اور انہیں صحیح سمت میں لے جانا افلاطون کی تعلیم کا اہم مقصد ہے۔ تعلیم ایک ایسا ماحول پیدا کرتی ہے جو روح کو اس کی نشوونما کے ہر مرحلے پر سہارا دیتی ہے۔ تعلیم کی عدم موجودگی میں انسانی روح بھٹک سکتی ہے، جو سماج اور انسان دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

2.5.1 نظریۂ تعلیم کی خصوصیات (Characteristics of Plato's Theory of Education)

افلاطون کے نظریۂ تعلیم کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(1) افلاطون خانتی تعلیم کا مخالف تھا۔ لہٰذا افلاطون تعلیم کو خانگی ہاتھوں میں نہ سپرد کر کے مملکت کی زیر نگرانی میں سپرد کرنے کی وکالت کرتا ہے۔ افلاطون کا مقصد شہریوں میں ایک منظم طریقہ سے احساس فرض پیدا کرنا اور انہیں معاشرے کے مطابق بنانا تھا۔

(2) افلاطون کا تعلیم کا منصوبہ مردوں اور عورتوں دونوں کو اہمیت دیتا ہے۔ افلاطون مرد اور عورت کے درمیان کسی فطری فرق کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ اس کا یقین تھا کہ خواتین بھی مملکت کی اجزاء ترکیبی میں برابر کی حصہ دار ہو سکتی ہیں اس لیے دونوں کو یکساں اور لازمی تعلیم فراہم کرنا چاہیے۔ یہ افلاطون کا انقلابی خیال تصور کیا جاتا ہے۔

(3) افلاطون کی تعلیم انصاف پر مبنی تھی۔ تعلیم مقاصد پر مبنی ہونی چاہیے۔

(4) افلاطون کے تعلیمی منصوبہ میں ریاضی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

افلاطون نے اپنی اکیڈمی کے باہر دروازہ پر یہ الفاظ لکھے تھے، ''وہ شخص جو ریاضی نہیں جانتا ہے وہ شخص اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔'' لہٰذا افلاطون نے ریاضی کو سب سے زیادہ اہمیت دی تھی۔ اس کے تعلیم نظام میں جسمانی اور روحانی تعلیم کو مساوی اہمیت دی ہے۔

(5) افلاطون کا نظام تعلیم فرد کے تینوں پہلوؤں جیسے جسمانی، زہنی اور روحانی کی مکمل نشوونما پر زور دیتی ہے۔

(6) افلاطون کے نظام تعلیم میں پیداواری طبقہ کے لیے تعلیم کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ اس کے تعلیم کا بنیادی مقصد حکمراں طبقہ اور محافظ طبقہ کو تعلیم فراہم کرنا ہے تاکہ ایک مثالی مملکت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ لہٰذا افلاطون محافظ طبقہ کے لیے تعلیم کا بندوبست کرنے کی وکالت کرتا ہے۔

(7) افلاطون نے تعلیم کو زندگی کے قلیل مدتی عمل کے بجائے زندگی بھر کے عمل کے طور پر قبول کیا ہے۔

(8)افلاطون کی تعلیم کا مقصد شہریوں کو نیک بنا کر مملکت کی بے لوث خدمت کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔افلاطون تعلیم کو ایک ایسا تعلیمی آلہ سمجھتا ہے جو شہریوں کے کردار کی تشکیل کرتا ہے۔

2.5.2 افلاطون کے تعلیم کا طریقہ(Plato's Method of Education)

افلاطون کے زمانہ میں دو طرح کے نظام تعلیم تھے۔ایک ایتھنز اور دوسرا اسپارٹا میں رائج نظام تعلیم۔ایتھنز کا نظام تعلیم میں تعلیم فراہم کرنا خاندان کی ذمہ داری تھی اور اس پر مملکت کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔اس وقت کے ایتھنز میں جو تعلیم رائج تھی وہ سماج کے بجائے موضوعی تھی جس کی وجہ سے مملکت کے لیے اچھے لوگ پیدا کرنا ناممکن تھا۔خاندان کو آزادی تھی کہ وہ اپنے بچے کو کیسی بھی تعلیم دیں اور کسی بھی ادارے میں تعلیم دیں۔ایتھنز میں مملکت کے زیر کنٹرول اسکول نہیں تھا۔نظام تعلیم خانگی اور رضاکارانہ اور صرف لڑکوں کے لیے تھی۔ایتھنز کا یہ نظام تعلیم انسان کی جسمانی، دینی اور کردار سازی کے لیے موزوں تھی، لیکن اس کی سب سے بڑی خاص بات یہ تھی کہ تعلیم فراہم کرنا مملکت کی نہیں خاندان کی ذمہ داری تھی۔

یہ نظام تعلیم مملکت کی ضرورت اور فطرت کے مطابق نہیں تھی۔اس کے نتیجے میں ایتھنز پر جاہل اور نااہل حکمرانوں کی حکمرانی تھی۔یہاں کی تعلیم نظام میں ادب شعر و شاعری کا بڑا دخل تھا۔اس کی تعلیم نظام میں امیر و غریب کا فرق تھا اور مختلف درجوں میں منقسم تھی۔جبکہ اسپارٹا کی تعلیم نظام مکمل طور پر مملکت کے کنٹرول میں اور لازمی تھا۔اسپارٹا کا معاشرہ ایک قدیم جنگجو معاشرہ تھا جس میں جنگجوؤں کی ضرورت تھی۔اس لیے مملکت میں فوجی تعلیم پر خصوصی زور دیا جاتا تھا۔تعلیم فراہم کرنا خاندان کی ذمہ داری نہیں تھی بلکہ مملکت کی ذمہ داری تھی۔بچے صرف 7 سال تک کی عمر تک ہی اپنی ماں کے ساتھ رہتے تھے۔تعلیم کو مملکت کے مقاصد کے مطابق ڈھالنے کے لیے مملکت ۷ سال کی عمر کے بعد بچوں کو اپنے کنٹرول میں لے لیتی تھی۔اس کے بعد مملکت کی طرف سے بچوں کو ان کے ہنر، قابلیت اور اہلیت کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ اس تعلیم کا مقصد اچھے جنگجو اور محافظ پیدا کرنا تھا۔خواتین کے لیے جسمانی تعلیم بھی ضروری تھی۔اسپارٹا کی تعلیم میں جسمانی ورزش، فوجی تربیت اور جمنازیم کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔یہاں کی تعلیم میں امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں تھا اور نہ ہی یہ مختلف درجوں میں منقسم تھی۔افلاطون نے دونوں تعلیم کا تجزیہ کرکے اپنی تعلیمی نظام مرتب کیا تھا۔افلاطون کا تعلیمی منصوبہ اسپارٹا اور ایتھنز کے تعلیمی منصوبوں کا مجموعہ ہے۔ اس نے ایتھنز کی طرح تعلیمی نظام کو ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

(1)ابتدائی تعلیم (Primary Education)

افلاطون کے تعلیمی نظام میں پہلے چھ تک کوئی مدرسہ کی تعلیم کا بندوبست نہیں کیا گیا ہے بلکہ ماں کی گود میں پہلا مدرسہ ہونا چاہیے۔ماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی قصہ اور کہانیاں سنائیں جس سے بچوں کا دل مضبوط ہو۔انہیں اسے بچوں کو بہادر اور بہتر انسان بنانے کے لیے ایسی تعلیم اور تربیت دیں تاکہ جس سے ان کے دل سے ڈر اور موت کا خوف ختم ہو جائے۔بچوں کو مذہبی تعلیم دیں، بچوں کو سچائی کا سبق پڑھائیں اور اپنے بچوں کو جسمانی صلاحیت کو بہتر کرنے کے لیے کھیل کود کے لیے بہتر مواقع فراہم کریں۔پیدائش سے تین سال کے عرصے

کے دوران بچے کو غذائیت سے بھرپور خوراک ملنی چاہیے اور اس کی پرورش مناسب طریقوں سے ہونی چاہیے۔ چونکہ افلاطون کے مثالی مملکت میں بچے مملکت کی ملکیت ہیں اس لیے مملکت کا فرض ہے کہ وہ بچے کی دیکھ بھال میں کسی قسم کی نرمی نہ کریں۔

افلاطون کے مطابق ابتدائی تعلیم 6 سال کی عمر سے شروع ہونا چاہیے اور 20 سال کی عمر تک مکمل ہو جانی چاہیے۔ ابتدائی تعلیم 6 سے لے کر 20 سال تک کے بچوں کے لیے مساوی ہونی چاہیے۔ افلاطون کے مطابق ابتدائی تعلیم ورزش اور موسیقی سے شروع کی جائے، جس سے لوگوں میں تعلیم کو لے کر دلچسپی پیدا ہو۔ ورزش کے طور پر صرف جسمانی ورزش نہیں بلکہ ایسے جسم کو تیار کرنا تھا جس میں تندرست اور صحیح من تیار ہو۔ مکمل جسمانی ترقی ہو، ہمت، طاقت اور مضبوطی کے ساتھ کردار سازی ہو۔

6 سے 13 سال کی عمر کے بچوں کو مدرسہ میں تعلیم دینی چاہیے۔ حقیقت میں مدرسہ کا ضابطہ نظام چھ سال کے بعد شروع ہونا چاہیے۔ بچوں کو سرکاری کیمپوں میں رکھا جائے۔ اس دوران لڑکوں اور لڑکیوں کی بے قابو حرکات پر قابو پا کر ان میں ہم آہنگی قائم کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ اس دوران موسیقی اور رقص سکھایا جانا چاہیے۔ موسیقی اور رقص نہ صرف طالب علم میں عزت اور آزادی کا جذبہ پیدا کرتے ہیں بلکہ صحت، خوبصورتی اور طاقت میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔

دس سے اٹھارہ برس کے دوران دی جانے والی تعلیم میں حروف کا عمل مکمل کرنے کے بعد سائنس، تاریخ، فلسفہ اور خصوصاً ریاضی کی تعلیم کو اہمیت دینی چاہیے۔

سولہ سے بیس سال کی عمر کے دوران نوجوان مرد اور خواتین کو ورزش جمناسٹک، کھیل کود کی تعلیم دینی چاہیے جو جسم کو مضبوط بناتے ہیں۔ اٹھارہ سے بیس سال کی عمر میں ہتھیاروں کے استعمال، گھڑ سواری، فوجی آپریشن، کردار سازی، اخلاق، ڈسپلن وغیرہ اور تمام ابتدائی علوم کی تعلیم دی جائے گی۔ اس پوری تعلیمی زندگی کے دوران کوئی امتحان نہیں ہوگا۔ ۲۰ سال کی عمر مکمل کر لینے کے بعد پہلا امتحان ہوگا۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والے طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم کی طرف رخ کریں گے۔ امتحان میں ناکام ہونے والے طالب علم سماج میں پیداواری کی ذمداری قبول کریں گے۔ اس طرح یہ طبقہ پیداواری کی نمائندگی کرنے والا طبقہ ہے۔

(2) اعلیٰ تعلیم (Higher Education)

افلاطون کی اعلیٰ تعلیم کا نظام کی شروعات 20 سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم 20 سال کی عمر سے شروع ہو کر 30 سال تک کی عمر تک مکمل ہوتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم انہیں طالب علموں کو دی جائے گی جو 20 سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم کے امتحان میں کامیاب ہو چکے ہوں۔ اعلیٰ تعلیم میں حکومت کی نگرانی میں فراہم کی جائے گی۔ اعلیٰ تعلیم انہیں طالب علموں کو فراہم کی جائے جن کی دلچسپی ریاضی، فلسفہ، روحانیت اور علمیات، فلکیات، منطق، الجبرا، تاریخ اور سائنس وغیرہ میں ہو۔ باقی ابتدائی تعلیم یافتہ طالب علموں کو فوجی تربیت فراہم کی جائے گی۔ افلاطون نے اعلیٰ تعلیم کے دو سطح متعین کے ہے ہیں۔

(1)پہلی سطح 20 سے 30 سال تک

(2)دوسری سطح 30 سے 35 سال تک

20 سے 30 سال تک کے طالب علموں کے لیے فلکیات، ریاضی، الجبرا، علم ہندسہ، تاریخ، سائنس اور جدلیات وغیرہ کی تعلیم دی جائے گی۔ افلاطون نے اس عمر میں ریاضی کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ وہ انسانی اخلاقیات اور ترقی کے حوالے سے سائنس کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ 20 سے 30 سال کی عمر میں سائنسی تعلیم کے بعد ایک امتحان ہوگا۔ اس میں کامیاب ہونے والے طالب علموں کو 30 سے 35 سال تک منطق اور فلسفہ کی تعلیم فراہم کی جائے گی۔ اور 35 سال کی عمر تک وہ عملی تربیت کے لیے مملکت کو حکومتی اور انتظامی امور میں تربیت حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور ضرورت پڑنے پر وہ جنگوں میں بھی حصہ لیں گے۔ ان کی یہ تربیت مسلسل 15 سال تک جاری رہے گی اور 50 سال کی عمر میں یہ لوگ مکمل طور سے فلسفی بن جائیں گے اور مملکت کے حکومتی فرائض کے انجام دینے کے لیے اہل ہو جائیں گے۔ اور یہ لوگ مسلسل تربیت حاصل کرتے رہیں گے۔ حقیقی طور پر یہ لوگ حکمرانی کے فرائض سنبھالیں گے۔

2.5.3 افلاطون کے تعلیمی نظام کی تنقید (Criticism of Plato's Theory of Justice)

افلاطون کے تعلیمی نظام کی تنقید مندرجہ ذیل ہے:

(1)افلاطون تعلیم کو ایک اہم اشیائ تسلیم کرتا ہے اور اسے مثالی مملکت کی بنیاد بتاتا ہے لیکن اس نے تمام شہریوں کے لیے تعلیمی نظام کا بندوبست نہ کر کے صرف حکمراں طبقہ کو تعلیم فراہم کرنے کی بات کی ہے، اس لیے اس کی تعلیمی نظام آمریت پسند لوگوں کے لیے اس لیے اس کی تعلیمی نظام غیر جمہوری تسلیم کی جاتی ہے۔

(2)افلاطون کا تعلیمی نظام محدود ہے۔ افلاطون نے اپنے تعلیمی نظام میں پیداوار طبقہ کو تعلیم دینے کو ترجیح نہیں دی ہے۔ لہٰذا یہ افلاطون کے نظریۂ انصاف کے مخالف ہے۔

(3)افلاطون نے اپنے تعلیمی نظام میں ریاضی کو زیادہ اور ادب کو کم ہمیت دی ہے۔

(4)افلاطون کا تعلیمی نظام اتنا طویل اور خرچیلا ہے کہ صرف دولت مند طبقہ ہی اس کو حاصل کر سکتا ہے۔

(5)افلاطون نے اپنی تعلیمی نظام میں تکنیکی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں کیا ہے جو آج کے دور کے لیے لازمی ہے۔

(6)افلاطون نے اپنی تعلیمی نظام میں ہمیشہ کے لیے ایک مستقل اور بغیر تبدیل نصاب کا بندوبست کیا ہے۔

2.6افلاطون کا نظریۂ اشتمالیت (Plato's Theory of Communism)

افلاطون نے اپنے مثالی مملکت کو حاصل کرنے کے لیے جو طریقہ اپنایا ہے،ان میں اشتمالیت کا ممنون اور طبعی طریقہ بھی شامل ہے۔افلاطون کا خیال ہے کہ ایک مثالی مملکت کے قیام میں تین رکاوٹیں اہم ہیں،جو جہالت، نجی ملکیت اور نجی خاندان ہیں۔ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے اطلافون نظریۂ تعلیم اور اشتمالیت کا نظریہ پیش کرتا ہے۔اس کا خیال تھا کہ جہالت کو تعلیم کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے لیکن جس نظریہ کی وہ حمایت کرتا ہے وہ نجی ملکیت اور خاندان کے ادارے کو ختم کر دیتا ہے۔اسے ہی وہ اشتمالیت کہتا ہے۔افلاطون کا اشتمالیت سیاسی اختیار اور معاشی پیٹو کے امتزاج سے پیدا ہونے والی برائی کو دور کرتا ہے۔افلاطون کا یہ قول ہے کہ حکمراں اور محافظ طبقہ کے پاس کوئی اپنی ذاتی ملکیت نہیں ہو گی۔ان کا کوئی اپنا ذاتی مکان نہیں ہو گا۔افلاطون حکمراں اور محافظ طبقہ کو دولت اور خاندانی زندگی کے مسائل سے آزاد رکھنا چاہتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ اس کی خوراک میں صرف ایسی چیزیں شامل ہوں گی جن کی ضرورت تربیت یافتہ حکمراں اور محافظ کو ہوتی ہے۔افلاطون کہتا ہے کہ حکمراں اور محافظ طبقے کے افراد کو شادی کرنے اور نجی خاندان قائم کرنے کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ شوہر، بیوی اور بچے پورے معاشرے پورے مملکت کے ملکیت ہوں گے کسی فرد یا خاندان کے نہیں۔ان میں سبی کا مشترکہ حق ہو گا۔اچھی ہو بچہ یا موزوں بچہ پیدا کرنے کے لیے اہل مرد اور عورت کا امتزاج بنایا جائے گا۔ حکمراں طبقہ نجی جائیداد اور ملکیت سے محروم رہیں گے۔افلاطون کے مطابق تمام جائیداد (منقولہ اور غیر منقول) مملکت کے کنٹرول میں رہے گی۔افلاطون کے منصوبہ کے مطابق حکمراں طبقوں اور محافظوں کو بیرکوں کو رکھا جائے گا اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا ہو گا۔ پیداواری طبقہ اپنی پیداوار کا کچھ حصہ دے انہیں دے گا تاکہ ان کی سالانہ اخراجات کی کفالت ہو سکے اور اپنی ضروری ضروریات کو پورا کر سکیں۔ حکمراں طبقہ کو سونا چاندی چھونا تو دور کی بات ہے،انہیں اسے دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔یہ لوگ نہ تو سونا چاندی کا استعمال کریں اور نہ ان برتنوں میں کھائیں اور پئیں نہ اس چھت کے نیچے سوئیں جہاں سونا چاندی موجود ہے۔ان کے پاس اپنی ذاتی مکانیں اور زمینیں اور اپنا ذاتی زر و مال ہوا تو وہ بیشک وہ ایک بہتر تاجر اور کسان تو بن جائیں گے وہ لالچی اور چالاک ہو جائیں گے لیکن ایک اچھے حکمراں اور محافظ نہیں بن پائیں گے۔وہ سماج کے مددگار اور معین ہونے کے بجائے دشمن اور ظالم ہو جائیں دوسروں سے محبت کا جذبہ ختم ہو جائے گا، لوگوں سے نفرت کریں گے۔ یہ لوگ اداروں کے خلاف سازش کریں گے۔ خود ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی، لوگ ان کے دشمن اور مخالف ہو جائیں گے۔وہ صرف اپنے مفاد کی بات کریں گے لوگوں کے فلاح و بہبود کو بھول جائیں گے۔ خود ان کی اور مملکت کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

افلاطون کے اشتمالیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(1)جائیداد کی اشتمالیت(Communism of Property) (2)بیویوں کی اشتمالیت(Communism of Wives)

(1)جائیداد کی اشتمالیت(Communism of Property)

افلاطون کا کہنا ہے کہ حکمراں اور محافظ طبقے کی کوئی جائداد نہیں ہوگی۔ وہ اپنے روزمرہ کے استعمال کے لیے کم سے کم سامان رکھیں گے اور جو بھی وہ سامان رکھیں گے وہ سب کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ افلاطون کا کہنا ہے کہ سارے مملکت اور شہر کا سرپرست ہونے کے باوجود وہ اس سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان شہروں اور زمینوں پر کوئی اپنا ذاتی محل یا مکان نہیں بنا سکتے۔ وہ لوگوں کے ساتھ ایک بیرک میں رہیں گے اور زمین پر بیٹھ کر ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ ان کا کوئی ذاتی مکان نہیں ہوگا۔ مملکت کے پیداوار طبقوں کے ذریعہ انہیں ایسی رقم دی جائے گی جو ان کے لیے کم نہ ہو اور نہ نجی وصولی کے لیے چھوڑا جائے گا۔ انہیں سونے اور چاندی کی چیزوں کو چھونے سے روکا جائے گا۔ وہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے علیحدہ ہو کر مملکت کی خدمت اور حفاظت کریں گے۔ حکمراں طبقہ کو صرف کھانا دیا جائے گا ان کو کوئی تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ اگر وہ سفر پر جانا چاہیں تو اپنی مرضی سے نہیں جا سکتے۔ وہ اپنی محبوبہ دوست کو کوئی تحفہ اور تحائف نہیں دے سکتے۔ اسی میں ان کی نجات مضمر ہے اور ایسا کر کے وہ مملکت کے بن سکیں گے لیکن جب بھی وہ زمین، جائداد اور پیسہ کمائیں گے وہ دوسرے شہریوں سے نفرت کرنے لگیں اور لالچی اور بے وفا ہو جائیں گے۔ لوگ ان سے نفرت کرے ں گے اور وہ لوگوں سے نفرت کرنے لگیں گے۔ وہ اپنے مفاد کی وکالت کریں گے۔ اور عوام کے مفاد سے گمراہی اختیار کر لیں گے۔ اس طرح وہ ملک فنا کی راہ ہموار کریں گے۔ اگر حکمراں طبقہ ان سب میں مبتلا ہوں گے تو عیش پرست ہو جائیں گے اور اپنے فرائض سے غافل ہو جائیں گے اور ذاتی معاملات میں الجھ جائیں گے اور اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے انجام نہیں دے پائیں گے۔

(2) بیویوں کی اشتمالیت(Communism of Wives)

افلاطون نے حکمراں طبقہ کے لیے نجی جائداد اور بیویوں کی اشتمالت کی ممانعت کی ہے۔ اس کا بیویوں کی اشتمالیت کا تصور ایک اہم تصور ہے۔ حکمراں طبقہ کو جائداد اور خاندان کا حق نہیں ہے۔ افلاطون جائیداد اور خاندان کے درمیان گہرا تعلق سمجھتا ہے لہٰذا خاندان کا اشتمالیت اس کے جائیداد کے ہی اشتمالیت کی منطقی توسیع ہے۔

افلاطون کا خیال ہے کہ اگر خاندانی ادارے کے خاتمے کے بغیر، ذاتی جائیداد کو ختم کرنے کی کوشش بے سود ہوگی۔ خاندان اور جائیداد نجی مملکت کی قسمیں ہیں اور لالچ اور حسد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ لہٰذا مقصدیت کے نقطۂ نظر سے اشتمالیت کی یہ دونوں قسمیں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ افلاطون کا خیال ہے کہ خاندان کا لگاؤ، دولت کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور اس کے لیے انسان کئی طرح کے غیر منصفانہ اور غیر اخلاقی کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ حکمراں خاندانی لگاؤ کی وجہ سے خاندان سے وابستہ ہوں گے، اولاد کی فکر انسان کو خود غرض اور تنگ نظر بنا دیتی ہے۔ یہ جائیداد کی خواہش سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ افلاطون بیویوں کی اشتمالیت کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ ''سرپرست عورتوں اور مردوں کے درمیان کوئی ذاتی خاندان نہیں بنائے گا، کوئی کسی کے ساتھ ذاتی تعلق نہیں رکھ سکتا ہے۔ حکمراں عورتیں مردوں کے برابر کی بیویاں ہوں گی۔

عورتیں یکساں طور پر سبھی کی بیویاں ہوں گی۔ مملکت کی طرف سے صرف ان کی عارضی شادی کا انتظام کیا جائے گا، جس سے پیدا ہونے والے بچے مملکت کے بچے ہوں گے لیکن حکمرانوں کو یہ جاننے کی اجازت نہیں ہو گی کہ ان کے بچے کون ہیں اور نہ ہی بچوں کو معلوم ہو گا کہ ان کے والدین کون ہیں۔

افلاطون کا خیال ہے کہ صرف بالغ اور اعلیٰ مرد بہترین بچوں کو جنم دے سکتے ہیں۔ افلاطون مرد اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں کرتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ عورتیں گھر کی چہار دیواریوں سے آزاد ہو کر مملکت کے امور میں سر گرم حصہ لیں۔ وہ عورتوں اور مردوں کو ہر اعتبار سے یکساں تسلیم کرتا ہے۔ خواتین کی شراکت کے بغیر مملکت اپنے مستقبل کے آدھے سرپرستوں سے محروم ہو جائے گی۔ اس کا خیال ہے کہ ایسا کوئی انتظامی کام نہیں جو عورت انجام نہیں دے سکتی۔ وہ صرف صنفی امتیاز کو قبول کرتا ہے لیکن وہ عورتوں کو حکومتی سرگرمیوں میں رکاوٹ نہیں سمجھتا ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ خواتین سیاسی، انتظامی اور فوجی کام میں سر گرم حصہ لے سکتی ہیں اور اپنے فرائض بخوبی انجام دے سکتی ہیں۔ اس لیے افلاطون انہیں خاندان کی قید سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔

افلاطون کے مطابق بچوں کی پیدائش کے بعد مملکت ان کی پرورش کی ذمہ داری لے گی۔ بچوں کر چر میں رکھا جائے گا۔ مائیں اپنے بچوں کو مملکت کی نگرانی میں پرورش کریں گی لیکن انہیں اپنے بچوں سے متعلق ذاتی علم نہیں ہو گا۔ بچوں کو بھی اپنے ماں کا علم نہیں ہو گا۔ افلاطون کے مطابق خواتین کو 20 سے 40 سال اور مردوں کو 25 سے 55 سال تک بچے پیدا کرنے کی آزادی ہو گی۔ اس دوران مرد اور عورت بالغ ہو جاتے ہیں ان کے اس، ان کے اس سال میں محبت سے صرف بہتر بچے ہی پیدا ہوں گے۔ مملکت صرف بہترین مرد اور عورت کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والے بچوں کی پرورش کرے گی۔ مملکت کمتر مرد اور عورت کے میل جول سے پیدا ہونے والے بچوں کی پرورش نہیں کرے گا۔

2.7 اکتسابی نتائج (Learning Question)

عزیز طلبہ اس اکائی میں:

- افلاطون کی حیات و خدمات کا مطالعہ کیا۔
- افلاطون کے مثالی مملکت کے نظریہ پر غور و فکر کیا۔
- افلاطون کے نظریۂ انصاف کو سمجھا۔
- افلاطون کے تعلیم نظام کا تنقیدی جائزہ لیا۔
- افلاطون کے نظریۂ اشتمالیت پر تفصیلی بحث کی۔

2.8 کلیدی الفاظ(Key Words)

حکمراں طبقہ : سرپرستوں،ایک نیا حکمراں طبقہ جو خصوصی طور پر فلسفی بادشاہوں پر مشتمل ہے۔

مملکت : افلاطون کے مطابق ایک ریاست جو لوگوں کا ایک گروہ اکٹھا ہوتا ہے اور ایک جگہ آباد ہوتا ہے اور جس کی مختلف ضروریات ہوتی ہیں۔

2.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Question)

1.افلاطون کس کا شاگرد تھا؟

(a)ارسطو (b)سقراط (c)لاک (d)ہابز

2.مندرجہ ذیل میں کون سی کتاب افلاطون نے لکھی؟

(a)ریپبلک (b)اپولوجی (c)قانون (d)یہ سبھی

3.افلاطون کے مثالی مملکت میں حکومت کس کی نگرانی میں اپنے فرائض انجام دیگی۔

(a)فلسفی (b)فوجیوں (c)مزدوروں (d)آئین

4.افلاطون نے وکالت کی ہے

(a)مرد اور عورت کے لئے یکساں (b)مردوں کے لئے اعلی درجہ (c)خواتین کے لئے (d)ان میں سے کوئی نہیں

5.افلاطون تھا:

(a)ایک سیاسی مفکر (b)ایک سیاسی فلسفی (c)ایک ریاضی داں (d)یہ تمام سبھی

6.سقراط کس طرز حکومت پر اکثر تنقید کرتا تھا؟

(a)بادشاہت (b)آمریت (c)جمہوریت (d)تھیوکریسی

7.افلاطون کے مطابق درج ذیل طبقات کو بیروکوں میں رہنا چاہئے

(a)فلسفی اور غلام (b)آقا اور غلام (c)فلسفی اور فوجی (d)ان میں سے کوئی نہیں

8.افلاطون کے مطابق نظریہ انصاف ہے

(a)صرف انفرادی جہت (b)صرف سماجی جہت (c)اور معاشراتی دونوں جہتیں (d)ان میں سے کوئی نہیں

9.افلاطون کے نظام تعلیم کے مطابق اعلیٰ تعلیم کس عمر سے شروع ہوتی ہے؟

18(a) 20(b) 25(c) 35(d)

10.افلاطون نے قائم کیا۔

(a)اکیڈمی (b)ایتھنز یونیورسٹی (c)لائسیم (d)کولیزیم

2.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answers Type Question)

1۔ افلاطون کے مثالی مملکت پر مختصر نوٹ لکھئے۔

2۔ افلاطون کے نظریۂ انصاف کی خصوصیات بیان کیجئے۔

3۔ افلاطون کے جائیداد کی اشتمالیت کو بیان کیجئے۔

4۔ افلاطون کے نظریۂ تعلیم کی خصوصیت بیان کیجئے۔

5۔ افلاطون کے نظریۂ اشتمالیت پر روشنی ڈالیے۔

2.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ افلاطون کے نظریۂ تعلیم کا تنقیدی جائزہ لیجیئے

2۔ افلاطون کے نظریۂ انصاف کا جائزہ لیجئے۔

3۔ افلاطون کی مثالی مملکت میں جائیداد اور بیویوں کی اشتمالیت کی اہمیت کی وضاحت کریں۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(d)	3۔	(d)	4۔	(a)	5۔	(b)
6۔	(c)	7۔	(c)	8۔	(c)	9۔	(b)	10۔	(a)

اکائی۔3 ارسطو: حکومت کی زمرہ بندی، انقلاب اور غلامی

(Aristotle : Classification of Government, Revolution and Slavery)

اکائی کی اجزاء

3.0 مقاصد

3.1 تمہید

3.2 ارسطو کی زندگی اور عہد

3.3 ارسطو کی زمرہ بندی حکومت

3.4 ارسطو: سیاسی تبدیلی کی گردش

3.5 ارسطو کے حکومت زمرہ بندی کی تنقید

3.6 ارسطو کا نظریہ انقلاب

7.7 ارسطو کے نظریہ انقلاب کی وجوہات

3.8 انقلاب کو روکنے کی تدابیر

3.9 ارسطو کے نظریہ انقلاب کی تنقید

3.10 ارسطو کا نظریہ غلامی

3.11 اکتسابی نتائج

3.12 کلیدی الفاظ

3.13 نمونہ امتحانی سوالات

3.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.13.2 معروضی جوابات مختصر حامل سوالات

3.13.3 معروضی جوابات کے طویل جوابات

3.0 تمہید (Introduction)

ارسطو قدیم یونان کا ایک عظیم مفکر تھا۔ ویسے تو انھوں نے مملکت اور سماج کے کئی پہلوں پر روشنی ڈالی۔ لیکن اس اکائی کے لحاظ سے ان کی حکومت کی زمرہ بندی، انقلاب اور غلامی کے اہم تصورات ہیں۔ انھوں نے انقلاب اور غلامی کا نظریہ پیش کیا وہ قدیم یونان کے لیے خاص تو تھا ہی لیکن جدید دور کے اعتبار سے بھی یہ نظریہ مختلف ہے۔ پھر بھی آج کے مفکرین اس نظریے سے استفادہ کرتے ہوئے، سیاسی فلسفہ کو فروغ دیتے رہے ہیں۔

3.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کا مقصد ہے طالب علم کو،

- ارسطو کی زندگی اور عہد سے تعارف کرائیں گے۔
- ارسطو کے خاص نظریہ حکومت زمرہ بندی اور ان کے نظریہ انقلاب اور غلامی سے تعارف کرائیں گے۔
- نظریہ انقلاب کے وجوہات سے بھی طلبا معلومات حاصل کریں گے۔
- اس میں طالب علم یہ بھی جان پاسکے کہ کیسے یہ نظریہ موجودہ دور کی نظریہ کے برعکس ہے۔
- طلبا نظریہ انقلاب کے تدابیر اور اس کی تنقید سے بھی روبرو ہو جائیں گے۔

3.2 ارسطو کی زندگی اور عہد(Aristotle Life and Times)

ارسطو (Aristotle) کی پیدائش 382 ق۔م میں مقدونیہ کی سرحد کے قریب شمالی یونان میں اسٹیگرا (Stagira) مقام پر ہوئی۔ اس کے والد کا نام نکواس (Nicomachus) تھا اور وہ مقدونیہ (Macedonia) کے بادشاہ ایٹاس کا طبیب حکیم تھا۔ ارسطو کو حیاتیات اور اس سے منسلک مضامین اور پودوں، جانوروں کے مشاہدے اور اس کے زمرہ بندی (Classification) میں دلچسپی اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی۔

ارسطو ایک عظیم فلسفی اور سائنسی خیالات کا شخص تھا۔ وہ قدیم یونان کا عظیم مفکر اور فلسفی افلاطون کا شاگرد تھا۔ اس لئے ارسطو کے زندگی اور تحریروں پر افلاطون کے اثرات کے نقوش دیکھنے کو ملتے ہیں۔ افلاطون کے بعد ارسطو دوسرا عظیم فلسفی اور مفکر سمجھا جاتا ہے۔ ارسطو صرف سیاسی ماہر ہی نہیں تھا بلکہ وہ حیاتیات، معاشیات، علم نفسیات، دینیات اور اخلاقیات کا بھی ماہر تھا۔ موجودہ سائنسی خیالات کے روایت کا بانی بھی ارسطو کو ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ ارسطو کو عقلمندوں کا استاد اور یونان کا سورج بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے انسان کو افضل مخلوق بننے کے لیے قانون اور انصاف کے اُپر قائم رہنے پر زور دیا۔ اُن کا داخلہ 17 برس کی عمر میں قریب 367 ق۔م ایتھنس میں افلاطون کی درس گاہ

(Academy)میں ہوا۔اس وقت ارسطو کی عمر 20 برس تھی۔افلاطون کی وفات تک ارسطو بیس برس اس کی درس گاہ درس وتدریس و تحقیق میں مشغول رہا۔

اپنے استاد افلاطون کی وفات کے بعد ارسطو ایتھنس سے واپس لوٹ آیا۔ حالانکہ ارسطو کی اہلیت سے افلاطون اس قدر متاثر تھا کے اسے درس گاہ کا معجز کہتا تھا اس کے باوجود افلاطون کی وفات کے بعد ارسطو کو وہاں کا پرنسپل نہیں بنایا گیا اور اس کی جگہ پر افلاطون کا بھتیجے کو اکیڈمی کا سربراہ منتخب کیا گیا تھا۔اس کو ارسطو برداشت نہیں کر سکا اور اس سے مایوس ہو کر اس نے افلاطون کی اکیڈمی کو چھوڑ دیا۔ایتھنس چھوڑنے کے بعد بارہ برس تک اس نے مختلف مختلف موضوعات پر تحقیق کا کام کیا۔ 346 ق۔م کو مقدونیہ کے بادشاہ کی طرف سے اس کے شہزادہ سکندر (Alexander)کا استاد مقرر کرنے کے لیے پیغام موصول ہوا اس پیغام کو تسلیم کرتے ہوئے ارسطو سکندر کو استاد مقرر کیا گیا اور چھ برس تک سکندر کو درس دینے کا کام انجام دیا۔ سکندر اپنے استاد کا بہت ہی عزت واحترام کرتا تھا اور اُس نے اپنے استاد کے اجڑے ہوئے شہر کی تعمیر نو کی۔آگے چل کر جب سکندر مقدونیہ کا بادشاہ بنا تو سکندر کے دنیا کو فتح کرنے کے مہم سے ارسطو بھی منسلک رہا۔ حالانکہ سکندر کے یہاں رہنے کے بعد سکندر نے کبھی بھی اپنے استاد ارسطو کے قرض کو بھلا نہیں پایا اور وہ ہمیشہ سائنسی تعلیم اور تحقیق کے لے میں اپنے استاد کے ساتھ تعاون کرتا رہا کیونکہ سکند کے عالمی فتح مسن سے واپس لوٹنے کے بعد ارسطو ایتھنس میں ایک درس گاہ کی بنیاد ڈالی جسے Lyceums کہا جاتا تھا جس میں اس نے علم و فضل کا مشغلہ جاری رکھا۔ارسطو اکثر درس دیتے وقت ٹہلتے رہتے تھے۔اس لیے کچھ وقت کے بعد اس کے پیروکار (Followers)میری پنیکٹس کہلانے لگے ۔ سکندر کے تعاون سے انھوں نے قریب 12 برس تک اسی درس گاہ کو قائم رکھا۔ 322ع۔ق سکندر کی وفات کے بعد ارسطو اپنے بے باک اور بے خوف، انقلابی خیالات کی وجہ سے اپنے دور کے عالموں کا دشمن بن گیا جس کی وجہ سے وہ کیلس شہر منتقل ہو گیا۔

ارسطو نے قریب 400 اہم موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اس کی صرف چند تحریریں ہی دستیاب ہیں۔ اس میں بھی بیشتر سیاسیات (Politics)اور ایتھنس کے دستور پر مبنی ہے۔سیاسیات (Politics) علم سیاسیات پر لکھی گئی ایک سائنٹفک کتاب ہے۔ جس میں موجودہ سیاسی نظام کا حقیقی تصور ملتا ہے۔ارسطو نے اپنی مملکت کے متعلق خیال میں کہا ہے کہ مملکت کا تعلق لوگوں کا بنایا ہو نظام نہیں ہے اور نہ ہی انسان نے سوچ سمجھ کر کیا ہے بلکہ مملکت تو ایک فطری تنظیم (Natural Institution) ہے۔انسان ایک سیاسی جانور ہے (Man is a Political Animal)جو اپنی فطرت کے باعث سیاسی زندگی کے لیے بنا ہے۔ مملکت کا جنم انسان کی مادی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مملکت کی ترقی میں خاندان، گاؤں، شہر، ریاست اور پولیس نظام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مملکت کا وجود انسان سے پہلے کا ہے۔ وہیں دستور کسی نظام کی بنیاد ہے۔ جو سب سے زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ارسطو مختلف دستور کا تفصیل سے مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نظریہ کو منظر عام پر لایا اور اور ان کا تقابلی جائزہ کر کے اہم نتیجہ نکالے۔ مملکت کے عروج اور ترقی، دستور کا تخلیق قانون کی اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) اور انقلاب کے مختلف پہلوؤں پر ترتیب وار طریقے سے اہم نظریات کا اظہار کیا جو آج بھی قابل قبول ہے

۔اس نے مملکت میں انقلاب کے سب سے ٹھوس وجہ معاشی غیر برابری کو بتایا۔ایک مستحکم حکومت کا انحصار،اس کی معاشی ترقی پر ہی ہوتا ہے، ایسا ارسطو کا تجزیہ تھا۔

ارسطو نے علم سیاسیات میں استدلالی طریقہ (Inductive Method) کو اپنایا ہے۔وسعی راستہ کو اپناتے ہوئے اس نے کہا کہ مملکت میں نہ زیادہ لوبخشی (Capitalist) اور نہ ہی قریب ہو بلکہ وسطی گروہ کو زائد نمبر ہو۔سیاسی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ غیر توازن ہے۔اور وہ غیر توازن معاشی، سماجی اور سیاسی ہو سکتا ہے۔اس نے یکجہتی میں وحدانیت (Unity in Diversity) کے نظریہ کی وکالت کی۔آزادی اور اختیارات کے درمیان مشتکل مزاجی قائم کرنے کی کوشش پر زور دیا۔

ارسطو نے مخلوط حکمرانی نظام میں بادشاہت اور اشرافی حکمرانی کے خوبصورت امتزاج کو اہم مانا ہے۔اس نے فلاحی مملکت کے تصورات پر بھی روشنی ڈالی۔وہ کہتے ہیں کہ مملکت کا عروج ترقی کے لیے ہوا ہے۔اچھی اور پُر سکون زندگی کے لئے مملکت قائم ہوتی ہے اور فلاحی مملکت (Welfare State) کا خاص مقاصد عوام کو سبھی طرح کا سہولتیں مہیا کرانا ہوتا ہے۔

3.3 ارسطو کا حکومت زمرہ بندی (Aristotle Classification of Government)

مفکرین نے، حکومت اور مملکت کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہیں کیا ہے۔وہ سب مملکت کی درجہ بندی کرتے وقت حکومت اور مملکت کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔حالانکہ جدید دور کے مفکرین اس طرح کی درجہ بندی سے متفق نہیں ہیں۔ان کے مطابق مملکت کو کسی طرح کی درجہ بندی نہیں کیا جا سکتا اور سبھی مملکت برابر ہیں۔اس کے چار عناصر آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ ہر مملکت کے لیے لازمی ہے۔

امریکی مفکرین ولوبی (Willoughby) کے خیال میں مملکت کی درجہ بندی نہیں ہو سکتی، صرف مملکت کو انتظامی امور Affairs کے لئے ہی درجہ بند کیا جا سکتا ہے۔درحقیقت حکومت کی درجہ بندی کا مطلب ہے مملکت کی درجہ بندی۔مملکت اپنی خواہش (Will) کو حکومت کے ذریعہ ہی ظاہر کرتی ہے۔ارسطو کا مملکت کی زمرہ بندی دو اصولوں پر پر مبنی ہے۔

1. لوگوں کے تعداد جو اپنے طاقت کا استعمال کرتی ہے۔

(The Number of Person who exercise the power)

2. اس کے مقاصد کے فوائد کو معاشرہ کے مفاد کے لئے ان تک پہونچانا۔

(The ends they seek to serve self-interest or benefit of the community)

ارسطو کہتے ہیں کہ جب حکمران عوام کے لیے اچھے ہوتے ہیں تب مملکت کی شکل غیر مخلوط (Pure form of State) ہوتی ہے۔اسی طرح جب حکمران، مملکت میں خود غرض ہو جاتے ہیں تب مملکت کو راہِ راست (Perverted) سے ہٹ کر چلنے والا کہا جاتا ہے۔ارسطو کے مطابق اگر اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) کسی ایک فرد میں پایا جاتا ہو تو اس کو بادشاہت (Monarchy) کہا جاتا ہے اور اس کا Perverted شکل جابرانہ حکومت (Tyranny) ۔اس طرح اگر اقتدار اعلیٰ جب کچھ لوگوں کے پاس ہے اور وہ اس کا استعمال کرتے ہیں تو ایسے حکومت کو اشرافیہ (Aristocracy) کہتے ہیں اور اس کا Perverted شکل امراشاہی (Oligarchy) ہے اور اس میں چند لوگ اپنے فائدے کے لیے اقتدار اعلیٰ کا استعمال کرتے ہیں۔اگر اقتدار کا استعمال آمادی کا بڑا حصہ استعمال کرتا ہے تو اسے سیاست (Polity) کہا جاتا ہے۔اور اس کا(Perverted شکل جمہوریت ہے۔

3.4 ارسطو کا سیاسی تبدیلی کا چکر(Aristotle's Cycle of Political Change)

ارسطو نے نہ صرف مملکت کی زمرہ بندی یا حکومت بلکہ اس نے ترقی اور تبدیلی کے چکر سے متعلق بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ارسطو کے مطابق، تبدلیاں نظم و نسق کے سبھی روپ میں فطری طریقے سے پائی جاتی ہیں۔کیوں کہ مملکت کی شکل سائیکل کے پہیے کی طرح چاروں طرف گھومتی ہے۔آگے بتاتے ہیں، پہلی حکومت شاید راجہ شاہی ہوا کرتی تھی۔اسی کی وجہ سے قدیم زمانے میں شہر چھوٹے تھے۔اعلیٰ اخلاقی امتیاز کے چند لوگ ہی ہوا کرتے تھے۔یہی لوگ راجہ بناتے تھے کیونکہ مددگار اور دان کرنا اور خیرات کرنا ہی اعلیٰ اخلاقی لوگوں کی صفت تھی۔ لیکن جب بہت سے لوگ چند اعلیٰ اخلاق کے برعکس برابری صفت کے ابھرے تب ان لوگوں نے کامن ویلتھ (Commonwealth) قائم کیا اور دستور کو عمل میں لائے۔اس کے بعد حکمرانی طبقہ کے حالات جلد ہی خستہ ہوتے گئے۔ویسے لوگ عوامی خزانہ کے دائرہ سے باہر، اپنے کو خُود اٹھایا اور کرایلیروں کی عزت بڑھتی گئی جس سے آگے چل کر چند خود غرض لوگوں کی حکمرانی (Oligarchy) کو بڑھاوا ملتا گیا۔اس کے بعد وہ جابرانہ حکومت کی طرف بڑھے اور اس جابرانہ حکومت کے بعد جمہوریت آگئی۔

ارسطو لکھتے ہیں کہ سبھی حکمران شاہی جنگ نے سماج کو بنایا اور اس میں جو سب سے اعلیٰ (Superior) تھے وہ بادشاہ چنے گئے کچھ دنوں کے بعد جب بادشاہ نے اپنی خود غرضی کی وجہ سے عوام کا استحصال کیا جس کے نتیجتاً جابرانہ حکومت قائم ہوئی اور عوام جابرانہ نظم و نسق کو لمبے وقت کے لیے برداشت نہیں کر سکے اور اس کے عوض میں عوام نے کچھ دانشمندوں کو اعلیٰ اقتدار سونپ دیا اور اس طرح سے اشرافیہ نظام قائم ہوا۔وقت گزرنے کے بعد اشرافیہ صفت میں بھی زوال آیا اور پھر Oligarchy قائم ہوا۔پھر اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد عوام نے یہ محسوس کیا کہ اس نے ایک ایسے نظام کی تشکیل دی جس کا کام ہے صرف حکمران طبقہ کو فائدہ پہنچانا۔آخر عوام نے اس نظام کے خلاف بغاوت کی اور اب نظام مملکت مدتی معاشرہ منظر عام پر آیا۔اس نظام کی خاصیت تھی کہ اعلیٰ اقتدار اب عوام کے ایک بڑے حصہ میں موجود تھا۔اس کا مقصد تھا عوام کو فائدہ پہنچانا۔ لیکن جب اس طرز حکومت کا زوال ہونے لگا تو جمہوریت کو فروغ حاصل ہوا، جو ارسطو کے خیال میں، ایک بگڑی ہوئی طرز حکومت تھی۔

جمہوریت میں بھی کمیاں آگئی اور عوام نے پھر یکجا ہو کر جمہوریت کے خلاف مورچہ کھولا اور جمہوریت کی جنگ پر پھر عوام نے بادشاہت کو ترجیح دی اور اس طرح ارسطو کے سیاسی تبدیلی کا چکر (Cycle) چلتا رہتا ہے۔

3.5 ارسطو کے حکومت زمرہ بندی کی تنقید (Criticism of Aristotle Classification of Government)

ارسطو کی حکومت کی زمرہ بندی کا نظریہ پورے طور پر تاریخی قدم یونانی شہری۔ مملکت کی تصدیق کرتا ہے۔ بے شمار مثالیں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ جدید جمہوریت میں بدامنی (Anarchy) کا فوجی مطلق العنانیت نے خاتمہ کیا۔ مثال کے طور پر، جنرل ایوب خان (پاکستان)، کرنل ناصر، (مصر)، گرسبل ترقی اورنی۔ ویں برکہ جمہوریت سے بدنظامی (Anarchy) کا خاتمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسے بنیاد یں ہیں جس کی بناپر، نقادوں نے ارسطو کے حکومت کے زمرہ بندی کے نظریہ کی تنقید کی، جو مندرجہ ذیل ہے۔

i. گارنر کا کہنا ہے کہ ارسطو نے حکومت اور مملکت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے کیونکہ جدید دور میں حکومت اور مملکت میں آسانی سے فرق کیا جاسکتا ہے۔

ii. سیاسی مفکرین سیلے اور لی کاک (Seeley and Leacock) کے مطابق، ارسطو جدید ملک اور مملکت (Country-State) کا تصور نہیں کر سکتے اور ان کا زمرہ بندی چھوٹے شہری مملکت کے لیے تھا نہ کہ بڑی مملکت کے لیے۔

iii. ارسطو جمہوریت کو حکومت کی خراب شکل تصور کرتے ہیں۔ ان کو لگتا ہے یہ اس کا نظام ہجوم (Crowd) کے ذریعہ چلایا جاتا ہے۔ اس طرح کے حالات ارسطو کے وقت یونان میں موجود تھے۔ حالانکہ جدید دور میں لفظ جمہوریت کا استعمال مثبت نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے او جمہوریت کو افضل حکومت سمجھا جاتا ہے۔

iv. سیاسی تبدیلی کا چکر صرف قدیم یونان اور رومن معاشرہ کے لیے ہی مناسب تھا یہ جدید مملکت کے لیے نہیں ہے۔

v. جدید دور میں حکومت کی مخلوط شکل (Mixed Forms) بھی ہے جب کی ارسطو کے زمرہ بندی میں مخلوط شکل کی حکومت کا کوئی نظام نہیں تھا۔ مثال کے طور پر، جدید دور میں حکومت مخلوط شکل میں انگلستان میں بادشاہی اور حکومت کا نظام وحدانیت اور پارلیمانی بھارت میں۔ وفاقی اور پالیمانی جمہوریت اس طرح نظام ارسطو کے حکومت زمرہ بندی میں نہیں تھا۔

3.6 ارسطو کا نظریہ انقلاب (Aristotle's Theory of Revolution)

انقلاب کے معنی (Meaning of Revolution)

ارسطو کا نظریہ انقلاب اور آج کے نظریہ انقلاب میں کافی فرق ہے۔ کسی مملکت میں عوام یا ایک گروہ کے ذریعہ ہاتھیار بغاوت کا نام ہی انقلاب نہیں۔ ارسطو کے مطابق، انقلاب کے معنی ہیں دستور میں تبدیلی۔ دستور میں ہونے والی چھوٹی بڑی تبدیلی، دستور میں کسی طرح کی ترمیم ہونا، جمہوریت کا لبرل شکل اختیار کرنا، جمہوریت کے اقدام سے اشرافیہ نظام (Aristocracy) کا خاتمہ یا اشرافیہ کے ذریعہ جمہوریت کا خاتمہ ، حکومت میں کسی طرح کی تبدیلی ہوئے بغیر ظالم حکمران کو اس کے اقتدار سے ہٹانا یہ سبھی باتیں ارسطو کی نگاہ میں انقلاب ہیں۔

دستور میں مکمل تبدیلی کے بعد مملکت کا معاشرتی، معاشی، سیاسی اور انقلابی شکل پورے طور سے بدل جاتا ہے تو اسے مکمل انقلاب کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ اس طرح کے بدلاؤ سے خوں ریزی کو انجام دیا جائے۔ ارسطو دستور میں ہوئی تبدیلی کو ہی انقلاب کہتے ہیں اور دستور میں تبدیلی انتخابی دھوکے سے یا پھر بغیر خون ریزی سے بھی ہو سکتی ہے۔

انقلاب کی قسمیں (Types of Revolutions)

i. جذوی یا مکمل انقلاب (Partially Total Revolution)

جب دستور کے مکمل حصہ کو بدل دیا جائے تو اسے ہی مکمل انقلاب کہا جاتا ہے یا جب اس کے کچھ اہم حصے کو تبدیل کر دے تو اسے ہی جزوی انقلاب کہتے ہیں، مکمل انقلاب میں مملکت کا سماجی، معاشی، سیاسی اور انتظامی شکل میں مکمل طور پر تبدیلیاں آجاتی ہے۔

ii. خوں ریزی یا بغیر خون ریزی (Blood bath or Blood less revolution)

جب دستور میں تبدیلی ہاتھیار بغاوت کی وجہ سے ہو یا یوں کہا جائے کہ یہ تبدیلی خون ریزی کی وجہ سے ہوئی ہو تو ایسے ہی انقلاب کو خون ریز انقلاب کہتے ہیں اور جب دستور میں یہ تبدیلیاں بغیر خون ریزی کے ساتھ ہوں تو ارسطو نے اسے ہی بغیر خون ریزی انقلاب کہا ہے۔

iii. انفرادی اور غیر انفرادی انقلاب (Individual or Non individual revolution)

ارسطو کے مطابق، دستور میں تبدیلی کا مقصد کسی خاص شخص کو اس کے عہدے سے ہٹانا انفرادی انقلاب ہے وہی جب دستور میں تبدیلی کا مقصد غیر انفرادیت ہوتا ہے تو ارسطو نے اس کو غیر انفرادی انقلاب کا نام دیا ہے۔

iv. خاص طبقہ کے بر خلاف انقلاب (Revolution Against a Particular Class)

اس طرح کے انقلاب میں، مملکت کا غریب طبقہ، بادشاہت یا اشرافیہ نظام کے خلاف بغاوت کرتا ہے یا پھر اشرافیہ گروہ، بادشاہت یا جمہوریت کے خلاف انقلاب کرتے ہیں۔ آگے ارسطو کہتے ہیں کہ اگر غریب طبقہ، بادشاہ یا اشرافیہ کے خلاف بغاوت کو انجام دے کر مملکت میں جمہوریت کی داغ بیل ڈال دیتا ہے۔ تو اسے جمہوری انقلاب کہا جاتا ہے۔

v. عوامی لیڈر کا انقلاب (Revolutions of Demagogue)

جب کسی مملکت میں چند کرشمائی لیڈر یا (Demagogue) کے ذریعہ اپنی جادوئی الفاظ اور نعرہ سے عوام کو متاثر کر اپنی خواہشات کو حاصل کرنے کے لیے مملکت میں انقلاب برپا کر دے تو اسے ہی عوامی لیڈروں کا انقلاب کہا جاتا ہے۔

انقلاب کے مقاصد (Aims of Revolutions)

ارسطو کے مطابق، کوئی بھی انقلاب مندرجہ ذیل مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے انجام دے ے جاتے ہیں جو مختلف ہیں۔

i. موجودہ دستور کی جگہ دیگر دستور کے قیام، جیسے بادشاہت کو ہٹا کر اشرافیہ نظام کو قائم کرنے کی کوشش کرنا۔

ii. موجودہ دستور کے رہتے ہوئے حکمران طبقہ کے لوگوں کو تبدیل کر دینا، مثال کے طور پر پڑانی مملکت کی جگہ، نئی مملکت کا انتخاب کرنا

iii. موجودہ (Popular) دستور کی صفت میں تبدیلی کر دینا، جمہوریت کو لبرل جمہوریت میں منتقل کرنا وغیرہ۔

iv. موجودہ دستور کے عمل میں رہتے ہوئے کسی نئی عہدہ کو قائم کرنا یا پرانے عہدہ کو برطرف کر دینا وغیرہ۔

3.7 ارسطو کے انقلاب کی وجوہات (Aristotles'Causes of Revolutions)

ارسطو نے انقلاب کے وجوہات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

i. عام وجوہات (General Causes)

ii. خاص وجوہات (Particular Causes)

i. عام وجوہات (General Causes)

a) سماجی غیر برابری۔ ارسطو کے مطابق، انقلاب کی خاص وجوہات برابری اور انصاف کی خواہشات ہیں۔ جب سماجی غیر برابری پیدا ہوتی ہے تو ساتھ میں انقلاب کی لو بھی سلگنے لگتی ہے۔۔ ارسطو کے مطابق، ہر ایک فرد دوسرے فرد کی جگہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور عام انسان

بھی خصوصی حقوق، اختیار اور مواقع کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مالدار طبقہ اقلیتی طبقہ سے نفرت کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے انقلاب کا ماحول تیار ہونے لگتا ہے۔ ایسی مملکت جہاں غیر برابری بڑے پیمانے پر پائی جاتی ہے، وہاں انقلاب بار۔ بار ہوتا ہے۔

b) ارسطو کہتے ہیں کہ فائدہ اور عزت واحترام کو حاصل کرنے کے لیے بھی انقلاب یا بغاوت کو انجام دیا جاتا ہے۔ کئی دفعہ بے عزتی و نقصانات سے بچنے کے لیے بھی لوگ بغاوت پر اُتر آتے ہیں۔

c) کئی دفعہ لوگ ڈر اور خوف کی وجہ سے بھی انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔

d) کبھی مملکت کے کسی اعضا کا بے ترتیب ڈھنگ سے بڑھنے کی وجہ سے بھی انقلاب ہوتا ہے۔

e) کئی بار لوگ اپنی بڑائی (Superiority) کے خیال سے بھی بغاوت یا انقلاب کو انجام دیتے ہیں۔

ii. خاص وجوہات (Particular Causes)

a) حکمران کا لالچ: جب حکمران طبقہ عوام کی ضرورتوں سے بے فکر ہو کر دستور کی نافرمانی کرنے لگے تو ایسی صورت میں مملکت کا وجود اور عوام کی زندگی دونوں خطرے میں پڑ جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں عوام ایسے حکمران کے خلاف بغاوت کر دیتی ہے۔

b) گورننس اقتدار کا غلط استعمال: جب حکمرانی طبقہ بدعنوانی میں مبتلا ہو جائے اس میں رشوت خوری کا بول بالا ہو اور بھائی۔ بھتیجہ واد (Nepotism) عام ہو جائے تب بھی لوگ انقلاب کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔

c) نااہل کی حکمرانی: جب حکمران نااہل ہو اور حکومت میں اہل لوگوں کو حصہ داری نہ ملے تو ایسی صورت میں بھی انقلاب کا پس منظر بننے لگتا ہے۔

d) درمیانی طبقہ کی کمی: ارسطو نے درمیانی طبقہ کو مملکت کی حفاظت اور امن کے لیے لازمی مانا ہے۔ جس مملکت میں یہ گروہ نہیں ہوتا وہاں امیر اور غریب کے درمیان کا فرق سخت مقابلہ کو جنم دیتا ہے اور یہی آگے چل کر بغاوت کی بنیاد ڈالتا ہے۔

e) معاشی عدم توازن :(Economic imbalance) ارسطو اس بات پر بھی زور ڈالتے ہیں کہ جس سماج میں لوگوں کے درمیان معاشی عدم توازن ہوگا وہاں انقلاب کے امکانات ضرور ہوں گے۔

f) غیر ملکی شہری کی تعداد میں اضافہ :(Increase in Foreigners) جس سماج یا مملکت میں مقامی لوگوں کے مقابلے غیر ملکی افراد زیادہ تعداد میں آجائیں تو وہاں کے شہریوں کو چیلنجیز محسوس ہونے لگتا ہے، ایسی صورت میں دو تمدن کے درمیان ٹکراؤ جیسی صورت پنپنے لگتی ہے اور یہی ٹکراؤ انقلاب کو جنم دیتا ہے۔

g) عزت کی چاہت :(Desire for Respect)عزت کی چاہت فطری طور پر سبھی انسانوں میں پائی جاتی ہے لیکن جب حکمران کسی کو غلط طریقے سے بغیر اہلیت یا وجوہات اعجاز عطا کرتے ہیں یا بے عزت کرتے ہیں تو عوام ناراض ہو کر بغاوت کر دیتی ہے۔

h) خوف کا خدشہ(Fear of Danger):ارسطو کے مطابق خوف بھی انقلاب کو جنم دیتا ہے۔ جرم کرنے والا شخص بھی خوف کی وجہ سے بغاوت کرتا ہے یا پھر کوئی ایسا شخص جسے ناانصافی کا خدشہ ہو وہ شخص بھی بغاوت کرتے ہیں اس طرح بھروسہ کی کمی سے خوف اور خوف سے انقلاب پیدا ہوتا ہے۔

i) قوم میں تفریق(Division within Nation):اگر کسی مملکت میں ضرورت سے زیادہ قوم آباد ہو تو اس کی وجہ سے نفرت، ٹکراؤ اور یکجہتی کی کمی سے مملکت کے اندر بغاوت کے امکانات پیدا ہونے لگتے ہیں۔

j) حکمران طبقہ کی غیر چوکسی(Lack of Vigilance among Ruling Class) :انقلاب کی اہم وجوہات میں سے ایک وجہ حکمران طبقہ کا غیر چوکسی ہونا بھی ہے۔ حکمران طبقہ کبھی کبھی لاعلمی اور لاپرواہی کی وجہ سے ملک کے غدار کو اہم عہدہ پر فائز کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں کبھی بھی وہ موقع ملتے ہی مملکت کے تختہ کو پلٹ سکتا ہے۔

k) اختیارات کا بے جا استعمال(Misuse of Power): حکمران جب ظلم کئے جاتا ہے اور عوام اور اپنے سیاسی مخالف پر ظلم و ستم برپا کرنے لگتے ہیں تو ان میں حکمران کے خلاف غصہ پھوٹنے لگتا ہے اور اقتدار کے خلاف اس غصہ سے انقلاب ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

اوپر بتائے گئے سبھی عام اور خاص وجوہات میں جو ارسطو کے مطابق کسی بھی مملکت میں بغاوت اور انقلاب آنے کے اہم سبب ہیں۔ انقلاب سے بچنے کے لیے کچھ اہم حل بھی بتائے گئے ہیں۔ جس راستے پر چل کر مملکت میں کافی حد تک انقلاب کے امکانات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

3.8 انقلاب کو روکنے کی تدابیر(Measures to Control Revolutions)

ارسطو نے کی کوشش کی ہے جو دستور کو برباد کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ ارسطو انقلاب کو روکنے کی جو تدبیر بتاتے ہیں اس کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر نہیں ہو سکتی ہیں۔ ارسطو نے انقلاب کو روکنے کے تدبیروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1. عام تدبیر(General Measures)
2. خاص انتظامی نظام میں انقلاب کو روکنے کی تدبیر(Particular Measures)

1.عام تدبیریں:

a) دستور کے مطابق تعلیم :(Education according to the constitution) دستور کو مستحکم بنانے کے لیے یہ لازمی ہے کہ بچوں اور شہریوں کو دستور کے مطابق تعلیم کی فراہمی ہو۔ ارسطو کا قول ہے کہ اگر بچوں کو تعلیمی ادارے میں ہی دستور کی اہمیت

کو سمجھا دیا جائے تو دستور کی حفاظت اور اس کی کامیابی کے لیے خود کو فروغ دے سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں دستوری نظام کے مطابق ہی تعلیم نظام ہے۔

b) اچھی حکمرانی :(Good rule) جس مملکت کی حکمرانی نظام خراب ہوتا ہے وہ جلد ہی زوال کی طرف چلا جاتا ہے۔اس لیے اچھی حکمرانی کے لیے لازمی ہے کہ عاملہ کے افسران اہل، ایماندار، محنتی اور انصاف پسند ہوں۔ایسی صورت میں مملکت کے اندر انقلاب ہونے کے امکان کم ہو جاتے ہیں۔

c) خالص کردار :(Good character) جس حکمرانی نظام میں حکمران کا کردار خالص ہوتا ہے اور اس میں دھوکا، بے ایمانی نہیں ہوتی ہے تو ایسی مملکت میں انقلاب کے امکان نہیں ہوتے ہیں۔اس لیے حکمران طبقہ کو چاہئے کہ وہ اپنے عوام کو دھوکا نہ دے۔

d) قانون کی اطاعت :(Obey the rule) حکومت کے سبھی اعضاء کے عمل واختیار کی وضاحت دستور میں ہوتی ہے اور دستور میں شہریوں کے حقوق اور فرائض کی بھی وضاحت کی جاتی ہے۔ ہر ایک شہری اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ دستور کے قانون کا اطاعت کرے۔ کیونکہ جہاں پر قانون کی حکمرانی ہوتا ہے وہاں امن وچین ہوتا ہے اور ایسا کر کے انقلاب کے خطرات کو کم کیا جاسکتا ہے۔

e) اختیار کی مرکزیت نہ ہو :(Avoid centralization of powers) اختیار سے انسان بدعنوانی کی طرف جاسکتا ہے۔اس لیے اختیارات اگر صرف ایک شخص کے پاس آجائے تو وہ ظالم اور مطلق العنان بن سکتا ہے۔اس لیے مملکت میں امن قائم کرنے کے لیے اختیارات کا مساوی طور پر تقسیم ہونا لازمی ہے اور کسی شخص کو طاقت ور ہونے سے روکا جائے۔

f) انصاف :(Justice) انصاف کو کسی بھی ملکت کا ایک مضبوط ستون مانا جاتا ہے۔ کسی مملکت میں اگر انصاف نہ ہو تو قانون کی اطاعت نہیں کی جاتی ہے اور مملکت میں عوام بغاوت کر دیتی ہے۔اس لیے عوام کی بغاوت سے محفوظ رہنے کے لیے اس کی نظام انصاف کو مضبوط ہونا چاہئے۔انصاف پر مشتمل نظام مستحکم ہوتا ہے اور انقلاب پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

g) اعلیٰ عہدے کی اہلیت :(Eligibility of Higher Post) ارسطو کے مطابق، اعلیٰ عہدے پر منتخب ہونے والے افسران میں دستور کو لے کر عزت واحترام، انتظامی صلاحیت اور صفت، اس کے علاوہ انصاف کی اہلیت کو لازمی ہونا چاہے۔ افسران کا انتخاب عہدہ اور اہلیت کے مطابق ہونا چاہے۔

3.9 ارسطو کے نظریہ انقلاب کی تنقید(Criticism of Aristotle's Theory of Revolution)

ارسطو کے نظریہ انقلاب سے متعلق کچھ تنقید بھی سامنے آئی جس کو بیان کرنا لازمی ہے:۔

i. ارسطوانقلاب کو بُرائی کی نظر سے دیکھتا ہے، اچھائی کی نظر سے نہیں۔ تنقید نگار کے مطابق انقلاب کے ذریعہ اصلاح ولازمی تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔اور کسی بھی نظام کو صحیح سمت میں مستحکم کیا جاسکتا ہے۔

ii. ارسطو نے لفظ انقلاب کا استعمال صرف دستور اور حکمران نظام کے تبدیلی کے معنی میں کیا ہے۔جب کہ تنقید نگاروں کا خیال ہے کہ انقلاب لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس کا استعمال کسی بھی میدان میں کیا جاسکتا ہے۔

iii. ارسطو نے اپنے نظریہ سے حکمران کو بے لگام اقتدار دے کر مطلق العنان بنادیا ہے جس کی وجہ سے عوام کے سارے حقوق، عزت و احترام اور اس کی ملکیت کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔

iv. ارسطو ایک طرف تو مطلق العنانی نظام کو سب سے خراب سمجھتا ہے تو دوسرے طرف وہ اس کو مستحکم بنانے کے تدبیر بھی بتاتا ہے جو ایک دوسرے متضاد ہیں۔

3.10 ارسطو کے غلامی کی نظریہ (Aristotle's Theory of Slavery)

قدیم یونان میں غلامی کا رواج عام تھا اور غلام دو طرح کے تھے۔پہلا فطری طور پر غلام (Natural slaves) اور دوسرا غلام قانون کے ذریعہ (Slaves by law)۔فطری غلام وہ ہوتے تھے جو جسمانی طور پر کافی مضبوط ہوا کرتے تھے جب کہ دماغی طور پر کمزور اور ان میں مناظرہ (Arguments) کرنے کی صلاحیت ہیں کمی پائی جاتی تھی۔جب کہ دوسرے طرف قانون کے ذریعہ بنے غلام وہ لوگ تھے جو جنگ میں ہارے ہوئے قیدی تھے (Prisoners of war) جب جنگ کی تھی اور ہارے ہوئے گروہ کے لوگ قیدی بنالیے جاتے تھے۔لیکن قیدی بنائے ہوئے غلام، فطری غلام سے مختلف تھے کیوں اس میں ایسے بھی ہوتے تھے جو دماغی اور عقلی طور پر مضبوط ہوتے تھے اور جن میں بحث کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی تھی۔

یہاں ارسطو کا نظریہ غلامی کچھ الگ ہے۔انھوں نے فطری غلام کی بات کی۔ایسے لوگ جو پیدائشی طور پر غلام تھے اور دماغی اور عقلی دونوں طور پر کمزور تھے۔ارسطو کا کہنا تھا کہ قدرت نے انسانوں میں دو قسم کے لوگ بنائے ایک وہ جو جسمانی طور پر بہت مضبوط ہوا کرتے تھے اور وہ زیادہ محنت، لمبے وقت تک کر سکتے تھے۔دوسری طرف ایسے لوگ جو دماغی طور پر مضبوط بنائے گئے جو منطقی ہوتے تھے۔اور اسے ماسٹر (Master) کہا جاتا تھا۔اس نظریہ کو پیش کرنے کے پیچھے ارسطو کا خیال تھا۔کہ غلامی فطری ہے اور وہ سماج کے لیے مفید بھی ہے۔

(Slavery is Natural and its useful)

فطری غلامی سے مراد وہ لوگ جو کمزور ہیں اور کمزور کے اوپر ہمیشہ جو مضبوط ہیں وہ اس کو غلام بنا کر رکھتے ہیں یہ عمل فطری ہے۔جو مضبوط ہوگا وہ کمزوروں پر حکمرانی کرے گا ہی اور مفید اس لیے ہے کہ :

i. معاشی نظام کے لیے مفید :(Useful for Economic System) اس سے مراد ہے کہ جو لوگ جسمانی طور پر اگر مضبوط ہیں تو وہ لمبے وقت تک اپنے کام کو انجام دیتے اور اس سے سماج اور ملک کی معیشت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ii. مملکت کے لیے مفید :(Useful for State) اگر غلام اپنے مالک (Master) کے کام کو انجام دیتے ہیں تو حکمراں اپنے دماغ کا استعمال مملکت کی ترقی میں کر سکتی ہے جس کی وجہ سے مملکت کی ترقی میں اضافہ ہو گا۔

iii. مالک کے لیے مفید :(Useful for Master) غلامی مالک کے لیے بھی مفید ہوتا ہے کیونکہ جب غلام ماسٹر کے روزمرہ کے کام کر دیں گے تو ماسٹر اس سے پری جائے گا اور وہ اپنا پورا دھیان اپنی صفت (Virtue) کو فروغ دینے میں لگائے گا۔

vi. غلاموں کے لیے مفید :(Useful for Slaves) غلامی خود غلاموں کے لیے بھی مفید ہوتی ہے کیوں کہ غلام اکیلا گزر بسر نہیں کر سکتا جب وہ اپنے مالک کے ساتھ رہتا ہے تب اس دوران وہ اپنے مالک کی خوبیوں کو بھی سیکھتا ہے اور اس سے وہ اپنی تقدیر بھی بدل سکتا ہے۔ کیوں کہ ارسطو کے مطابق اگر غلام مالک کے ساتھ رہ کر اپنے اندر مالک کے سارے خوبیاں (Virtue) سیکھ لیتا ہے اور وہ دماغی طور سے بھی مضبوط ہو جاتا ہے تو مالک کو چاہیے کہ اس کو آزاد کر دے اور وہ بھی کسی کا مالک بن سکتا ہے۔ اور مملکت کی ترقی میں حصہ لے سکتا ہے ۔ دوسری اہم بات ارسطو نے بتائی کہ مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلاموں کا خیال اچھی طرح رکھے۔ اسے اپنا وہ مددگار سمجھے نہ کہ نوکر۔

نظریہ غلامی کی تنقید(Criticism Theory of Slavery)

i. غلامی، فطری دور میں ممکن ہوتی تھی۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں۔ جو انسان اب مملکت میں رہتا ہے اور یہاں سبھی کو برابری کا حق ہے اگر کوئی ایسا ہے بھی تو وہ محنت کر اپنے حالات کو بدل سکتا ہے۔

ii. موجودہ دور میں سبھی انسان ایک باعزت طریقے سے زندگی گزارتے ہیں اور ان کی عزت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا ہے۔ ہر ایک انسان کی عزت برابر ہے کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔

iii. اس غلامی کی نظریہ نے بہت سے لوگوں کو استحصال کرنے کا موقع فراہم کیا۔

3.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے سیکھا کہ

- ارسطو کی زندگی اور عہد سے تعارف کرایا گیا۔
- ارسطو کے خاص نظریہ حکومت زمرہ بندی اور ان کے نظریہ انقلاب اور غلامی سے متعلق معلومات حاصل کیا۔
- نظریہ انقلاب کے وجوہات سے بھی طلبار و برہوئے۔

- اس میں طالب علم یہ بھی جان پائے کہ کیسے یہ نظریہ موجودہ دور کی نظریہ کے برعکس ہے؟۔
- طلبا نظریہ انقلاب کے تدابیر اور اس کی تنقید سے بھی واقف ہوئے۔

3.12 کلیدی الفاظ (Key Words)

1 Nepotism : اپنے اختیار یا اس کے اثرات سے خاندان کے ممبران کو فائدہ پہنچانا۔

2 Anarchy : ایک ایسی حالت جہاں حکومت اور قانون کے اثرات نہ کے برابر ہو۔

3 Oligarchy : حکومت کا ایک ایسا نظام جس میں چند طاقتور لوگوں کی حکمرانی ہو۔

4 Demagogue : ایک ایسا لیڈر جو اپنے ہنر کا استعمال کرتے ہوئے لوگوں کے جذبات اور احساسات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر استحصال کے ذریعہ اختیار حاصل کرتا ہے۔

3.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. سکندر (Alexander) کے استاد مندرجہ ذیل میں کون تھے؟

(a) افلاطون (b) ارسطو (c) نکواس (d) ان میں سے کوئی نہیں

2. انسان ایک سیاسی جانور ہے، یہ قول کس مفکر کا ہے؟

(a) روسو (b) افلاطون (c) ارسطو (d) سکندر

3. 'Lyceum' سے کیا مراد ہے؟

(a) یہ ایک اکیڈمی ہے (b) اشرافیہ گروہ کا نام (c) ایک غلام (d) بادشاہ

4. ارسطو کی پیدائش مندرجہ ذیل میں سے کس مقام پر ہوئی تھی؟

(a) اسٹیگرا (b) مقدونیہ (c) اسپارٹہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

5. Slavery is Natural Institution یہ کس کا قول ہے؟

(a) سکندر (b) افلاطون (c) ارسطو (d) روسو

6.ارسطو کے مشہور کتاب مندرجہ ذیل میں سے کون سی ہے؟

(a)دا پرنس (b)پولیٹیکس (c)ریپبلک (d) ان میں سے کوئی نہیں

7. مملکت کے کتنے اہم عناصر ہوتے ہیں۔

(a)چار (b)پانچ (c)تین (d) چھ

8.ارسطو نے مملکت کی امن و حفاظت کے لیے کس گروہ کو لازمی سمجھا ہے۔

(a)اشرافیہ طبقہ (b)درمیانی طبقہ (c)سیاسی طبقہ (d) ذیلی طبقہ

9.قدیم یونان میں موٹے طور پر غلام کے کتنی قسمیں تھیں؟

(a) دو (b)تین (c)چار (d) پانچ

10. سکندر کس ملک کا حکمران تھا؟

(a)مقدونیہ (b) روم (c)ایتھنس (d) ان میں سے کوئی نہیں

3.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1.ارسطو کی زندگی و عہد پر مختصر روشنی ڈالیے۔

2.ارسطو کے تبدیلی کا چکر بتایئے۔

3.ارسطو کے مطابق،انقلاب کے معنی کیا ہیں؟ تحریر کیجئے۔

4.ارسطو کے حکومت زمرہ بندی کو مختصراً بیان کیجیے۔

5.ارسطو نے انقلاب کو روکنے کے لیے کون کون سی تدابیر بتائے ہیں، مختصر طور پر لکھئے۔

3.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1.ارسطو کا نظریہ انقلاب کیا ہے؟انقلاب کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔

2.ارسطو کے مطابق" Slavery is Essential and Useful "کیسے،اس پر ایک مضمون لکھئے۔

3. ارسطو کے حکومت زمرہ بندی لکھئے اور اس کا تنقیدی جائزہ بھی لیجیے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(c)	3۔	(a)	4۔	(a)	5۔	(c)
6۔	(b)	7۔	(c)	8۔	(b)	9۔	(b)	10۔	(a)

اکائی4۔ تھامس ہابز

(Thomas Hobbes)

اکائی کے اجزاء

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 تھامس ہابز کی مختصر سوانح حیات

4.3 اہم تصانیف

4.4 حالت فطری اور انسانی فطرت

4.5 سماجی معاہدہ کا نظریہ

4.6 سماجی معاہدے کی اہمیت وافادیت

4.7 سماجی معاہدے کا تنقیدی جائزہ

4.8 تھامس ہابز کے نظریات کی اہمیت وافادیت

4.9 ہابز کے نظریات کا تنقیدی جائزہ

4.10 تھامس ہابز اور اقتدار اعلیٰ

4.11 تھامس ہابز اور جمہوریت

4.12 تھامس ہابز کی شخصیت اور نظریات کو اثرانداز کرنے والے عناصر

4.13 اکتسابی نتائج

4.14 کلیدی الفاظ

4.14 نمونہ امتحانی سوالات

4.14.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

4.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.0 تمہید(Introduction)

اس اکائی سے مملکت کے آغاز کے تعلق سے معلومات فراہم ہو گی۔ تھامس ہابز نے سماجی معاہدے کے تعلق سے جو نظریات پیش کئے اس سے قاری روشناس ہوں گے۔اُس وقت مملکت کے آغاز کے تعلق سے قدرتی نظریہ رائج تھا۔ مذہبی کتابوں کو حوالے کے طور پر لیا جاتا تھا۔ بادشاہ وقت خدا کا مقرر کردہ سمجھا جاتا تھا۔ ہابز نے ان تمام خیالات کی نفی کی ہے اور عقل و فہم کی بنیاد پر نظریات پیش کئے ہیں۔ جن سے یورپ میں لوگوں کے خیالات میں تبدیلی رونما ہوئی۔اس اکائی سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملے گی۔

4.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی میں طلبا،

- تھامس ہابز کی مختصر سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے۔
- حالت فطری اور انسانی حالات کو جانیں گے۔
- سماجی معاہدہ کے نظریہ کو پیش کریں گے۔
- سماجی معاہدہ کی اہمیت اور افادیت کو سمجھیں گے۔
- سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔
- ہابز کے نظریات کی اہمیت وافادیت کو جانیں گے۔

4.2 تھامس ہابز کی مختصر سوانح حیات (A Brief Biography of Thomas Hobbes)

سیاسی مفکر اور فلسفی تھامس ہابز کا جنم 5اپریل1588 میں انگلستان کے والٹر شائر کے مامس بری میں ہوا تھا۔ والدین نے پیدائش کے فوراً بعد ہابز کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔ چچا نے اُس کی پرورش کی۔ ہابز نے خود کے تعلق سے کہا تھا: '' تھامس ہابز اور ڈر جڑواں بچوں کی طرح پیدا ہوئے۔''

وہ باصلاحیت بچہ تھا جس نے 6 سال کی عمر میں لاطینی اور یونانی زبان سیکھ لی تھی۔ 1608ء میں 20 سال کی عمر میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی تھی۔ انگلینڈ کے ایک معزز شاہی گھرانے میں ولیم کیونڈش کو ٹیوشن دیا کرتا تھا۔ اپنے شاگرد کے ہمراہ ہابز کو یورپ کے سفر کا موقع ملا۔ اُس دوران اُس کی ملاقات بیکن، بین جان من، اٹلی کے گیلیلو اور فرانس میں ڈے کارڈو جیسے دانشوروں سے ہوئی تھی۔ 1637ء میں جب وہ انگلینڈ پہنچا تو وہاں خانہ جنگی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ اُس نے 1642ء سے 1649ء تک چلی انگلینڈ کی خانہ جنگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ تھامس ہابز کا زمانہ انگلینڈ میں خانہ جنگی اور سیاسی انتشار کا زمانہ تھا۔ ایک طرف بادشاہ اور دوسری طرف پارلیمنٹ یا

دستوری حکومت کے حامیوں کے درمیان زبردست مقابلہ آرائی تھی۔اس خانہ جنگی نے بادشاہِ وقت چارلس اول کو موت کی نیند سلادیا تھا۔ برطانوی پارلیمنٹ کے حامیوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور دستوری بادشاہت کے اصولوں کو تسلیم کیا گیا۔ہابز نے خانہ جنگی کے دوران خونریزی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔اِن مناظر کا اُس کے نظریات پر گہرا اثر پڑا تھا۔ہابز، چارلس دوم کا استاد تھا اور اُس کے شاہی گھرانے سے مراسم تھے۔خانہ جنگی اور بدامنی کا حل اُسے مطلق العنان اور طاقتور بادشاہت میں نظر آیا،اس لیے وہ بادشاہت کا حامی ہو گیا تھا اور بادشاہت کے حق میں لکھنا شروع کیا۔

دستوری حکومت نے مطلق العنان بادشاہت کے نظریے اور بادشاہ کے خداداد حق کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔اُس کی تحریروں میں بادشاہت پسندی صاف نظر آتی تھی۔ جس کی وجہ سے اُسے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔اُس نے گیارہ سال فرانس میں جلاوطنی کی زندگی گذاری تھی۔جلاوطنی کے دور میں وہ نفسیاتی طور پر سیاسی سوچ میں گم رہا۔اس دوران اُس نے اپنی مشہور تصنیف ''لے وی ایتھان'' تحریر کی تھی جو 1651ء میں منظر عام پر آئی۔ خانہ جنگی کے بعد اس کا شاگرد چارلس دوم جب انگلینڈ کا بادشاہ بنا تو ہابز کو پوری عزت و وقار کے ساتھ شاہی گھرانے میں شرف قبولیت حاصل ہوئی اور اُس کا وظیفہ بھی مقرر ہوا۔ مگر اُس کی سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی تھی کیونکہ وہ مذہب بیزار تھا۔مذہبی رہنما اس سے خفا تھے۔اُس کی غیر مذہبی سوچ اُس پر پابندی کی اصل وجہ تھی۔ بادشاہ کی وجہ سے اسے کسی قسم کی سزا نہیں دی گئی مگر بادشاہ نے اُس سے عہد لیا کہ وہ سکون سے زندگی گذارے گا۔ وہ انگلینڈ چھوڑ کر کیٹ سوار تھا میں رہنے لگا۔آخری وقت میں وہ بالکل تنہائی کی زندگی گذار رہا تھا۔1679ء میں 91 سال کی عمر میں اُس نے اس دارِفانی کو الوداع کہا۔

4.3 اہم تصانیف(Important Writings)

ڈی کائو	De Cive	1642
لے وی ایتھان	Leviathan	1651
ڈی کارپورے	De Corpore	1655
ڈی ہومائن	De Homine	1658

ان تصانیف میں Leviathan اُس کی غیر معمولی اہمیت کی حامل تصنیف ہے جس میں اس نے ملک کے آغاز کے تعلق سے سماجی معاہدہ کا نظریہ پیش کیا تھا۔اس کے ساتھ اُس نے مطلق العنان بادشاہت کی حمایت کی تھی اور مملکت کے آغاز کے تعلق سے قدرتی نظریہ کو مسترد کر دیا تھا۔48 سال کی عمر میں اُس نے اپنی سوانح حیات لاطینی زبان میں لکھی تھی۔78 سال کی عمر میں یونان کے مشہور شاعر ہومر کی کتابیں الیاڈ اور اوڈیسی کا انگریزی میں ترجمہ کیا جس سے اُس کی صلاحیتوں اور زبان پر عبور کا پتہ چلتا ہے۔

4.4 حالت فطری اور انسانی فطرت (The State of Nature and Human Nature)

تھامس ہابز نے اپنی تصنیف 'The Leviathan' میں سماجی معاہدہ سے قبل اور مملکت کے آغاز سے پہلے حالت فطری میں انسانی فطرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتا ہے حالت فطری میں انسان خود غرض، ظالم اور انا پسند تھا۔ وہ صرف اپنے مفادات کو اولیت دیتا تھا۔ اُسے دوسروں کے مفاد کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی۔ وہ حملہ آور، ہوشیار، لالچی، انا پسند، خوفزدہ اور لڑاکو تھا۔ اُس وقت انصاف اور ناانصافی کا کوئی علم انسان کو نہیں تھا۔ وہ صرف اپنی بھوک مٹانا چاہتا تھا۔ اس حالت میں انسان کی خواہشوں اور جذبوں کو گناہ قرار نہیں دیا جاسکتا تھا، نہ اُن کاموں کو جو انسان اپنی خواہشوں اور جذبوں کی تکمیل کے لیے کرتے تھے۔ کیونکہ انسان مسلسل حالت جنگ میں رہتے تھے اور جنگ میں سب کچھ جائز تصور کیا جاتا ہے۔ تھامس ہابز لکھتا ہے:

''سبھی ایک دوسرے سے لڑتے تھے اس حالت میں صحیح یا غلط، انصاف یا ناانصافی کو کوئی جگہ نہیں تھی۔ دھوکہ اور طاقت ہی انسان کی خوبیاں تھیں۔ انسانی زندگی ہمیشہ خطرے میں رہتی تھی۔'' ہابز نے اس جھگڑے کی تین وجوہات بتائی ہے:

(1) مقابلہ آرائی

(2) آپسی عدم اعتماد

(3) انانیت/عظمت

تھامس ہابز کہتا ہے:

''انسان ہر وقت دوسروں سے بدگمان رہتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی بڑائی دوسروں سے منوائے۔ ایک انسان دوسرے انسان پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اس اندیشے میں مبتلاء رہتا ہے کہ کوئی اس کی ملکیت پر قبضہ نہ کرلے اور اُس کی جان خطرے میں نہ پڑ جائے۔ لوگ اس لیے اپنے مکانوں اور صندوقوں میں قفل لگاتے ہیں کیونکہ انھیں دوسروں پر اعتماد نہیں ہوتا۔''

آگے وہ لکھتا ہے:

''حالت فطری میں ہر شخص دوسروں سے برسرپیکار تھا۔ اس لیے تہذیب، تعمیرات، آمدورفت کے ذرائع، علم، کاروبار کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ انسانی زندگی تن تنہا تھی۔''

4.5 تھامس ہابز کا سماجی معاہدہ (Thomas Hobbe's Social Contract)

ملک کے آغاز کے تعلق سے تھامس ہابز، جان لاک اور روسو نے سماجی معاہدے کا نظریہ پیش کیا تھا۔ جس کے مطابق مملکت کی تخلیق خدا نے نہیں بلکہ انسانوں نے ایک سماجی معاہدے کے تحت کی تھی۔ تھامس ہابز کے مطابق حالت فطری میں مملکت یا حکومت نام کی کوئی شئے نہیں تھی۔ لوگ فطری قانون کے مطابق چلتے تھے۔ امن و قانون نہیں تھا انسانی زندگی بہت تکلیف دہ اور مشکلات سے گھری ہوئی تھی۔ ان تکالیف اور مشکلات کے ازالے کے لیے لوگوں نے آپس میں سماجی معاہدہ کیا تھا جس کے بعد حالت فطری کا خاتمہ ہوا اور منظم سماجی نظام کا آغاز ہوا۔ مملکت کا قیام عمل میں آیا اور حکومت کی شروعات ہوئی تھی۔ تھامس ہابز کے مطابق سماجی معاہدے کے ذریعہ لوگوں نے اپنے تمام اختیارات مملکت کو سونپ دیئے۔ اس لیے اُس نے مطلق العنان بادشاہت کی پُرزور حمایت کی تھی۔

تھامس ہابز لکھتا ہے:

''سماجی معاہدہ امن و قانون کے لیے ہوا تھا اس لیے معاہدے کی پابندی انصاف ہے اور خلاف ورزی ناانصافی ہے۔'' تھامس ہابز نے مندرجہ وجوہات کی بنیاد پر سماجی معاہدے کو ضروری تصور کیا ہے: اُس کے اجزا حسب ذیل ہیں۔

(1) حالت فطری کا خاتمہ اور مملکت کا قیام

(2) ایسی اجتماعی شخصیت کی تشکیل جو مختار کل اور اقتدار کا حامل ہو۔

(3) دائمی جنگ کا خاتمہ

(4) منظم سیاسی سماج

(5) مقتدر اعلیٰ کو فیصلے کا اختیار

(6) سماج میں امن وامان قائم کرنا

(7) لوگوں کی جان ومال کی حفاظت

(8) ایسی قوت وجود میں لانا جو لوگوں کی آزادی اور اختیارات کی حفاظت کرے

(9) قانون سازی اور محفوظ زندگی کو یقینی بنانا

4.6 ہابز کے سماجی معاہدے کی اہمیت وافادیت

(Utility and Importance of Social Contract of Hobbes)

(1) سماجی معاہدے سے یہ ثابت ہو گیا کے بادشاہت انسانی عطیہ ہے جو انسانی کاوشوں اور کوششوں کے نتیجے میں قائم ہوئی۔

(2) بادشاہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ نہیں اس لیے لوگوں کو اُس کے خلاف آواز اٹھانے کا حق حاصل ہے۔

(3) اس سے لوگوں کو جابرانہ حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کا حق ملا۔

(4) یہ خیال پروان چڑھا کہ حاکموں کو اختیارات عوام سے ملے ہیں اس لیے وہ عوام کے حقوق کی خلاف ورزی کرے تو انھیں معزول بھی کیا جاسکتا ہے۔

(5) پادریوں کی غیر معمولی اہمیت کا خاتمہ ہوا جن کے اصول وضوابط اور نظریات مذہبی کتابوں سے ماخوذ تھے اور خدا کے احکام سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا، بادشاہ خدا کی دُہائی دے کر لوگوں پر حکومت نہیں کر سکتا۔ یہ خیال پروان چڑھا۔

(6) آزادی کے متوالوں نے اس نظریہ کو خوب پسند کیا ہے کیونکہ معاہدے پر نظرثانی کی جاسکتی ہے اس پر بحث ہو سکتی ہے، تنقید کی جاسکتی ہے اُس میں ترمیم ہو سکتی ہے۔

(7) تھامس ہابز کا نظریہ غیر جمہوری ہے لیکن اُس نے قانونی اقتدار اعلیٰ کا جو نظریہ پیش کیا آسٹن نے اُسے تقویت دی جو آج کل عملی طور پر نظر نہیں آتا مگر نظریاتی طور پر ضروری مانا جاتا ہے۔

(8) اس نظریے سے عوام کو بادشاہ کے مطلق العنان اقتدار کو روکنے کے لیے ٹھوس مدد ملی، انگریزوں نے ۱۶۸۹ء میں عوام کے انقلاب کو جائز ٹھہرایا۔

4.7 ہابز کے سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of Hobbes's Social contract)

سماجی معاہدے کے نظریہ کا سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں خاص اثر تھا۔ مگر انیسویں صدی میں اس پر کڑی تنقید ہوئی۔ ہینری مین لکھتا ہے : ''تھامس ہابز نے سماج اور حکومت کی جو ساخت بیان کی ہے اُس سے بڑھ کر بے معنی اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔''

مندرجہ ذیل بنیادوں پر ہابز کے نظریات پر تنقید ہوئی۔

(1) تاریخ میں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا جس سے ثابت ہو کہ سماج کی تشکیل، معاہدے کی رو سے ہوئی ہے۔

(2) یہ نظریہ منطق کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ تھامس ہابز فطرت انسانی کو غلط طریقے سے پیش کرتا ہے۔

(3) یہ نظریہ قانونی نقطۂ نظر سے غلط ہے کیونکہ اس کے مطابق پہلے معاہدہ ہوا بعد میں مملکت کا قیام عمل میں آیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلے مملکت بنی اور بعد میں معاہدے طے ہوئے۔ مملکت کی غیر موجودگی میں معاہدہ ہو ہی نہیں سکتا۔

(4) مملکت اور اُس کے اداروں نے بتدریج ترقی کی ہے اُس کے بعد وہ یہاں تک پہنچے جبکہ مملکت کا قیام سماجی معاہدہ کی رو سے یکلخت ہوا، جو بناوٹی لگتا ہے۔

(5) معاہدہ مستقبل کی نسل کو ہمیشہ کے لیے نہیں باندھ سکتا۔ معاہدہ ہمیشہ دو فریق کے درمیان ہوتا ہے۔ معاہدہ صرف ایک فریق نہیں کر سکتا۔ معاہدے کے فریق کی موت کے ساتھ معاہدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اُن کی آنے والی نسلوں کو لازم نہیں ہے کہ وہ معاہدے پر عمل کریں۔

تھامس پین (Thomas Paine) نے لکھا ہے:

''یہ سماجی معاہدے کا نظریہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے مستقبل کی نسل (آنے والی نسلیں) اپنے کام کے لیے اتنی ہی آزاد ہونی چاہئے جتنی پہلی والی نسل کو آزادی حاصل تھی۔''

(6) سماجی معاہدہ انفرادی تحفظ اور ملکیت کی حفاظت کی خاطر کیا گیا جبکہ تاریخ کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں ابتدائی قدیم قانون انفرادی نہیں بلکہ سماجی تھے اور سماج کی اکائی انسان نہیں خاندان ہوتا تھا اُس زمانے میں رسم و رواج کو قانونی شکل دی جاتی تھی۔ سر ہنری مین نے لکھا ہے :''معاہدہ سماج کا آغاز نہیں مقصد ہے۔''

4.8 تھامس ہابز کے نظریات کی اہمیت وافادیت

(Utility and Importance of Thomas Hobbes Theory)

کچھ سیاسی مفکرین نے تھامس ہابز کے نظریات پر تنقید کی ہے۔ مگر پھر بھی اُس کے نظریات کی اہمیت اور افادیت حسب ذیل ہیں:

(1) ہابز یورپ کا پہلا سیاسی مفکر ہے جس نے دلیلوں کی بنیاد پر ایسے نظریات، عقل و فہم اور شعور کی روشنی میں رکھے تھے جبکہ اُس وقت مذہبی رہنما یا پادری دلیل کو نہیں بلکہ عقیدے کی بنیاد پر مذہب کو اولیت دے کر مملکت کو خدا کی قائم کردہ تنظیم قرار دیتے تھے۔ تھامس ہابز نے عقیدہ کی جگہ دلیل کو سیاست میں شامل کیا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کو علم ہوا بادشاہ خدا نے نہیں بنایا اس لیے اُس کے غلط فیصلوں کے خلاف عوام کھڑی ہو سکتی ہے اور اُسے معزول کر سکتی ہے۔

(2) پادری مذہب کی بنیاد پر لوگوں کو یہ یقین دہانی کرواتے تھے کہ مملکت ایک قدرتی تنظیم ہے اور خدا کے احکامات کے مطابق ہے۔ اس لیے کوئی خدا کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ تھامس ہابز کے نظریات نے لوگوں کو مذکورہ بالا خیال سے آزادی دلائی اور لوگ خود عقل و فہم کی روشنی میں فیصلے کرنے لگے۔

(3)تھامس ہابز نے مطلق العنان بادشاہت کی بھرپور حمایت کی تھی،اُس نے مقتدر اعلیٰ کو بے پناہ اختیارات کا مالک بنایا جو اُسے عامر بنا دیتا ہے۔پھر بھی موجودہ دور میں تسلیم کیا گیا کہ حکومت پر قابض شخص کو خود مختار ہونا چاہئے اور اُس پر زیادہ پابندیاں نہیں ہونی چاہئے۔

(4)آئی ور براون لکھتا ہے:

تھامس ہابز نظم وضبط کا فلسفی تھا۔اُس نے یہ ثابت کیا کہ قانون اور نظم وضبط سب سے زیادہ ضروری ہے جس کے بغیر تہذیب و ثقافت کا عروج نہیں ہو سکتا۔ نظم ونسق بلا آخر طاقت کی بنیاد پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔

(5)تھامس ہابز نے قانونی اقتدار اعلیٰ کا جو نظریہ پیش کیا اُس میں کچھ خامی ضرور ہے جس کی وجہ سے حکمراں مطلق العنان بن جاتے ہیں مگر پھر بھی موجودہ دور میں حکمرانوں کو برتر تسلیم کیا جاتا ہے۔

(6)ولوبی نے لکھا ہے ہابز نے فطری قانون اور شہری قانون میں جو فرق کیا ہے اُس نے ہی تجرباتی فلسفہ قانون (Analytical Jurisprudence) کی بنیاد ڈالی جیسے بعد میں آسٹن اور بینتھم نے آگے بڑھایا۔

(7)تھامس ہابز نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بدامنی کو دبانے کے لیے طاقتور حکومت کی ضرورت ہوتی ہے جو صحیح ہے۔

(8)لے وی ایتھان تصنیف نے مطلق العنان مقتدر اعلیٰ کا ذکر کیا ہے پھر بھی اس خیال کو تقویت دی گئی کہ مملکت لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہے اور حکومت اپنی طاقت عوام سے ہی حاصل کرتی ہے۔

(9)ہابز نے سیاسیات کو پیچیدگیوں سے صاف کیا،اُس نے مقتدر اعلیٰ کو قانون فطرت کی خیالی پابندیوں سے آزادی دلائی،ایک جدید مرکزی برتر قوت قرار دیا، جسے نہ تو تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ محدود کیا جا سکتا۔اُس نے اقتدار اعلیٰ کو اتنے واضح انداز میں پیش کیا جس کی ماہیت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہا۔

4.9 تھامس ہابز کے نظریات کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of Hobbes Political Ideas's)

تھامس ہابز کے نظریات اور لے وی ایتھان تصنیف کی انگلینڈ میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر مخالفت ہوئی اور اُسے تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ جیسے:

(1)مطلق العنان بادشاہت کی تھامس ہابز حمایت کرتا ہے جو جمہوریت کے خلاف ہے۔ بادشاہ کو بے انتہا اختیارات عامر بنا دیتے ہیں اور اس سے عوام کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔

(2)اُس نے انسان کو خود غرض، لالچی، جھگڑالو، ظالم تک کہا ہے حالت فطری میں انسان کی فطرت کی غلط ترجمانی کی ہے جبکہ علم سیاسیات کا عظیم مفکر ارسطوانسان کو سیاسی حیوان تصور کرتا ہے۔ اگر انسان لڑاکو ہوتا تو لڑ کر ہی ختم ہو جاتا۔ ہابز کا یہ نظر بھی غلط ہے، انسان کا سلوک ٹھیک ہی تھا۔

(3)تھامس ہابز نے مملکت کی بنیاد خوف کو تسلیم کیا ہے جبکہ مملکت کی بنیاد خوف نہیں احترام ہے۔

(4)ہابز نے حالت فطری کی غلط تصویر کشی کی ہے۔ اس کا تاریخ میں کوئی حوالہ نہیں ملتا کہ انسان ہمیشہ حالت جنگ میں تھا۔ انسان کبھی بھی الگ تھلگ نہیں رہا۔ ارسطو نے لکھا ہے:

''انسان تن تنہا نہیں رہ سکتا، اُس کو اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے دوسروں پر منحصر رہنا پڑتا ہے۔''

اس لیے لوگ مختلف خاندانوں میں رہتے تھے آپس میں نہیں بلکہ خاندانوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ہابز نے حالت فطری کا نقشہ کھینچا ہے وہ خیالی ہے۔

(5)اشرافیہ (Royalist) مملکت کو خدائی تنظیم تسلیم کرتے تھے ہابز نے سماجی معاہدے کو مملکت کی بنیاد بنا کر مذہبی نظریات اور پادریوں کے خیالات کو غلط ثابت کیا ہے۔ عقیدہ کی جگہ دلیل کو فوقیت دی۔ انسانی عقل و فہم کو اصول و ضوابط کے لیے لازم سمجھا، جس کی وجہ سے خدائی احکامات کی خلاف ورزی کا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا اور اشرافیہ کو یہ پسند نہیں آیا۔

(6)پادری اُس کے نظریات کے مخالف تھے کیونکہ وہ مملکت کو خدائی تنظیم تسلیم کرتے تھے اور ہابز کا نظریہ انھیں مذہب کے خلاف لگتا تھا۔

(7)ہابز کے مطابق لوگ خود غرض اور مفاد پرست تھے اور دوسری طرف وہ کہتا ہے معاہدے کے ذریعہ لوگوں نے اپنے اختیارات مملکت کو سونپ دیئے، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ خود غرض لوگ اپنے اختیارات مملکت کو سونپ دیں اور خود کے لیے کچھ اختیارات نہ رکھے۔

(8)عوام اس کے نظریہ سے اس لیے متفق نہیں تھی کیون کہ اس میں عوام کے اختیارات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

(9)تھامس ہابز نے اپنے نظریات میں مملکت اور حکومت میں کوئی فرق نہیں کیا۔ جبکہ مملکت مستقل ہوتی ہے اور حکومت عارضی ہوتی ہے۔

(10)وہ لوگوں کو اپنی جان بچانے کے لیے مقتدر اعلیٰ کے خلاف بغاوت کرنے کا حق عطا کرتا ہے لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ غیر منظم شہری مملکت کی مسلح پولس اور منظم فوج کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہے۔

(11)تھامس ہابز کے مطابق مقتدر اعلیٰ خود قانون بناتا ہے، اس لیے اس کی ذات خود قانون سے بالاتر ہے۔ وہ نہیں بلکہ قانون اُس کے تابع ہے۔ اُس کی ظلم و زیادتی کے خلاف قانونی کارروائی ناممکن ہے۔ اس طرح وہ وسیع اختیارات کے ساتھ عامر بن جاتا ہے۔

(12) تھامس ہابز آزادی کی خواہش کو غلط تعلیم کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور جمہوریت کے حامی یا جمہوریت پسند مصنفوں اور مفکروں کی تصنیفوں اور نظریوں کو جن میں جمہوریت کی حمایت کی گئی یکسر فریب قرار دیتا ہے۔ اس طرح وہ جمہوریت مخالف ہے۔

4.10 تھامس ہابز اور اقتدار اعلیٰ (Thomas Hobbes and Sovereignty)

تھامس ہابز نے اقتدار اعلیٰ کے مفہوم کو اتنے جامع اور واضح انداز میں پیش کیا کہ اُس کی ماہیت کے تعلق سے کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ اُس نے مقتدر اعلیٰ کو قانون فطرت کی خیالی پابندیوں سے آزاد کیا اور اسے جدید مرکزی برتر قوت قرار دیا۔ وہ خود قانون سازی کرتا ہے اس لیے قانون سے بالاتر ہے۔ اسے بے پناہ اختیارات اور لامحدود حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ مقتدر اعلیٰ قانون کا نہیں بلکہ قانون اُس کے تابع ہے۔ اقتدار اعلیٰ کو نہ تقسیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی محدود کیا جاسکتا ہے۔ مقتدر اعلیٰ کو انصاف کرنے اور لوگوں کی داد وفریاد سننے کا پورا حق ہے۔ وہ جنگ کر سکتا ہے اور صلح کر سکتا ہے۔ مملکت کے لیے معاہدے کرنا، اُس کی ذمہ داری ہے۔ ہابز نے قانون اور مقتدر اعلیٰ کی جو تعریفیں کیں انھیں آسٹن اور دوسرے مفکروں نے تسلیم کیا ہے اور درست مانا ہے۔

تھامس ہابز لوگوں کو اپنی جان بچانے کے لیے مقتدر اعلیٰ کے خلاف بغاوت کرنے کا حق دیتا ہے۔ اگر مقتدر اعلیٰ کسی مجرم کو یہ حکم دے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک یا زخمی کرلے تو وہ ایسے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ اگر مقتدر اعلیٰ کسی کو اسی مہم جوئی کا حکم دے، جس میں اُس کی جان کو خطرہ ہو تو وہ بھی حکم کی تعمیل سے انکار کر سکتا ہے۔ لوگوں پر مقتدر اعلیٰ کی اطاعت اسی وقت تک فرض ہے جب تک وہ رعایا کی حفاظت کرے اور اُس میں یہ قوت وطاقت برقرار ہو، اگر مقتدر اعلیٰ میں یہ قوت اور طاقت نہ ہو تو لوگوں پر اُس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ لوگوں نے اپنی جان کی حفاظت کے لیے مقتدر اعلیٰ کو اپنے اختیارات سونپے ہیں اور بیرونی حملہ یا اندرونی انتشار کی وجہ سے مقتدر اعلیٰ اپنے فرائض پورا کرنے سے قاصر ہو تو اُس کی اطاعت سے عوام بری الذمہ ہے۔ مقتدر اعلیٰ مغلوب و مفتوح ہو جائے، اُسے دشمن قید کرلے یا جلاوطن کردے تو اُس کی اطاعت لوگوں پر واجب نہیں رہتی۔

4.11 تھامس ہابز اور جمہوریت (Thomas Hobbes and Democracy)

تھامس ہابز کے نظریات میں جمہوریت اور عوامی اختیارات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ وہ مطلق العنان بادشاہت کا حامی تھا اس لیے جمہوریت مخالف تھا۔ اُس نے بادشاہ کو بے پناہ اختیارات عطا کرنے کا ذکر کیا ہے تاکہ نظم اور ضبط اور نظم ونسق برقرار رہے۔ اُس نے بادشاہ کو بے پناہ اختیارات کا مالک بنادیا جو اُسے آمر بنادیتا ہے۔

4.12 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم نے:

- تھامس ہابز کی مختصر سوانح حیات کا مطالعہ کیا۔
- حالت فطری اور انسانی حالات کو جانا۔
- سماجی معاہدہ کے نظریہ کو پیش کیا۔
- سماجی معاہدہ کی اہمیت اور افادیت کو سمجھا۔
- سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیا۔
- ہابز کے نظریات کی اہمیت وافادیت کو جانا۔

4.13 کلیدی الفاظ (Key words)

1۔اشرافیہ(Royalist) : مملکت کو خدائی تنظیم تسلیم کرتے تھے

2۔حالت فطری : میں ہر شخص دوسروں سے برسرپیکار تھا۔اس لیے تہذیب، تعمیرات، آمدورفت کے ذرائع، علم، کاروبار کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔انسانی زندگی تن تنہا تھی

3۔ لیواتھن : اُس کی غیر معمولی اہمیت کی حامل تصنیف ہے جس تھامس ہابز نے ملک کے آغاز کے تعلق سے سماجی معاہدہ نظریہ پیش کیا تھا۔اس کے ساتھ اُس نے مطلق العنان بادشاہت کی حمایت کی تھی اور مملکت کے آغاز کے تعلق سے قدرتی نظریہ کو مسترد کردیا تھا

4.14 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.14.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type of Questions)

1 تھامس ہابز کی مشہور تصنیف.....ہے۔

(a)داس کیپٹل (b)لے وی ایتھان (c)الیاڈ (d)آن لبرٹی

2 ہابز.....کا زبردست حامی تھا۔

(a)مطلق العنان بادشاہت (b)جمہوریت (c)آمریت (d)پارلیمانی طرز حکومت

3 تھامس ہابز نے جلاوطنی کی زندگی.....میں گذاری تھی۔

(a)روس (b)یونان (c)فرانس (d)اسپین

4 تھامس ہابز کے مطابق فطری طور پر انسان.....ہے۔

(a)امن پسند (b)لڑاکو (c)انصاف پسند (d)ظلم کے خلاف

5 ہابز کی تصانیف میں.....کے حقوق کا ذکر نہیں ملتا۔

(a)بادشاہ (b)عوام (c)وزیر (d)فلسفی

6 انگریز مفکر تھامس ہابز کا جنم انگلستان کے.....مقام پر ہوا تھا۔

(a)رنگ ٹن (b)مامس بری (c)برطانیہ (d)مانچیسٹر

7 تھامس ہابز.....کا استاد تھا۔

(a)جنیفر (b)بین جان من (c)ولیم کیونڈش (d)رابرٹ لاٹیمر

8 .....تصنیف تھامس ہابز کی ہے۔

(a)ریپبلک (b)ڈی کارپورے (c)پولیٹکس (d)داس کیپٹل

9 الیاڈاور اوڈیسی کتابیں.....نے لکھی تھی۔

(a)ہومر (b)مل (c)مارکس (d)جان لاک

10 .....نے کہا تھا لوگ اس لیے اپنے مکانوں اور صندوقوں میں قفل لگاتے ہیں کیونکہ انھیں دوسروں پر اعتماد نہیں ہوتا۔

(a)روسو (b)جان لاک (c)تھامس ہابز (d)جان اسٹوریٹ مل

4.14.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات (Short Answer Type of Questions)

1 تھامس ہابز کی حالت زندگی پر روشنی ڈالیئے

2 ہابز کے سماجی معاہدے کا تنقیدی جائزہ پیش کیجئے۔

3 ہابز کے نظریات کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالیئے

4 اقتدار اعلیٰ کے تعلق سے ہابز نے کیا لکھا ہے؟ تحریر کیجئے۔

5 تھامس ہابز کے حالت فطری پر روشنی ڈالیے۔

4.14.3 مختصر سوالات کے حامل جوابات (Long Answer Type of Questions)

1 تھامس ہابز نے حالت فطری میں انسانی فطرت پر کیا لکھا ہے؟

2 سماجی معاہدہ کے ذریعہ اُس وقت مملکت کے آغاز کے تعلق سے کس نظریہ کو مسترد کیا تحریر کیجئے؟

3 سماجی معاہدہ کے تعلق سے مذہبی رہنماوں نے کون موقف اختیار کیا تھا؟

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(a)	3۔	(c)	4۔	(b)	5۔	(b)
6۔	(b)	7۔	(c)	8۔	(b)	9۔	(a)	10۔	(c)

اکائی 5۔ جان لاک

(John Locke)

اکائی کے اجزاء

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 جان لاک کی مختصر سوانح حیات

5.3 اہم تصانیف

5.4 حالت فطری اور انسانی فطرت

5.5 جان لاک کے مطابق سماجی معاہدے کی وجوہات

5.6 جان لاک کا سماجی معاہدے کا نظریہ

5.7 جان لاک کا سرکاری معاہدہ اور حکومت کی تشکیل

5.8 جان لاک کے سماجی معاہدے کا تنقیدی جائزہ

5.9 اقتدارِ اعلیٰ اور جان لاک

5.10 انفرادیت پسندی اور جان لاک

5.11 جمہوریت اور جان لاک

5.12 جان لاک کے نظریات کی اہمیت وافادیت

5.13 جان لاک کے نظریات کا تنقیدی جائزہ

5.14 جان لاک اور تھامس ہابز کے نظریات میں فرق

5.15 اکتسابی نتائج

5.16 کلیدی الفاظ

5.17 نمونہ امتحانی سوالات

5.17.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

5.17.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.17.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.0 تمہید(Introduction)

جان لاک ایک انگریز سیاسی مفکر تھا۔ جس کے خیالات نے مطلق العنان بادشاہت پر روک لگائی۔ یورپ کے لوگوں کے خیالات میں تبدیلی لائی۔ اُس کے خیالات کی وجہ سے یورپ میں بادشاہت کے خلاف انقلاب کو پسند کیا گیا اور جمہوریت کی راہ ہموار ہوئی۔ امریکہ کے دستور سازوں پر اُس کے نظریات کا گہرا اثر تھا۔ زندگی، آزادی اور جائیداد کا حق اُسی کے نظریات کی دین ہے۔ وہ جمہوریت کا دلدادہ نہیں تھا مگر حریت پسند تھا آزاد خیالی (Liberalism) کی ابتداء کرنے والا خیال کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے نظریات کا اس اکائی میں ہم مطالعہ کریں گے۔

5.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی میں طلبا،

- جان لاک کی مختصر سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے۔
- جان لاک کی تصانیف کو جانیں گے۔
- حالات فطری اور انسانی فطری کو جانیں گے۔
- سماجی معاہدہ کی وضاحت کو سمجھیں گے۔
- جان لاک کے سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔
- جان لاک کے نظریات کی اہمیت اور افادیت کی معلومات حاصل کریں گے۔
- جان لاک اور تھامس ہابز کے نظریات میں فرق کو جانیں گے۔

جان لاک ایک انگریز سیاسی مفکر تھا۔ جس کے خیالات نے مطلق العنان بادشاہت پر روک لگائی۔ یورپ کے لوگوں کے خیالات میں تبدیلی لائی۔ اُس کے خیالات کی وجہ سے یورپ میں بادشاہت کے خلاف انقلاب کو پسند کیا گیا اور جمہوریت کی راہ ہموار ہوئی۔ امریکہ کے دستور سازوں پر اُس کے نظریات کا گہرا اثر تھا۔ زندگی، آزادی اور جائیداد کا حق اُسی کے نظریات کی دین ہے۔ وہ جمہوریت کا دلدادہ نہیں تھا مگر حریت پسند تھا آزاد خیالی (Liberalism) کی ابتداء کرنے والا خیال کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے نظریات کا اس اکائی میں ہم مطالعہ کریں گے۔

5.2 جان لاک کی مختصر سوانح حیات (A Brief Biography of John Locke)

جان لاک 29 اگست 1632 میں انگلستان رنگ ٹن مقام پر پیدا ہوا تھا۔ 1704ء میں وفات پائی۔ وہ متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کی شروعاتی تعلیم گھر پر ہوئی۔ لاک ویسٹ منسٹر اسکول میں داخلہ لیا۔ 1685 میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور اسی یونیورسٹی میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ وہ فلسفہ پڑھاتا تھا مگر سیاسی وجوہات کی بناء پر اُسے یونیورسٹی سے نکال دیا گیا تھا۔ بعد میں کرائسٹ چرچ کالج میں یونانی زبان میں فلسفہ کی تعلیم دینے لگا مگر اسے معلم کا پیشہ راس نہ آیا۔ اُس نے علم طب کی پڑھائی کی اور طبیب بن گیا۔ 1666ء میں اُس کی ملاقات لبرل پارٹی کے لیڈر لارڈ اشلے سے ہوئی۔ جب لارڈ اشلے کابینہ میں لارڈ ہائی چانسلر بنا تو اُس نے جان لاک کو حکومت میں شامل کر لیا۔ اس طرح وہ سیاست میں عملی طور پر شامل ہوا اور کئی عہدوں پر فائز ہوا۔

جان لاک کا دورہ انگلینڈ میں خانہ جنگی کا دور تھا۔ بادشاہ کے مخالف پارلیمنٹ کی حمایت میں لڑنے والوں میں جان لاک کے والد بھی شامل تھے۔ لاک نے اُس انقلاب کو ہر اعتبار سے جائز قرار دیا۔ اس خانہ جنگی میں بادشاہ جیمس دوم کو تخت سے معزول کر دیا گیا اور اُس کی جگہ شہنشاہ ولیم اور مہارانی میری کو تخت نشین کیا گیا تھا۔ اس طرح جیت دستوری پارلیمنٹ کی سوچ رکھنے والوں کی ہوئی۔ جان لاک بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا اُس نے مطلق العنان بادشاہت کی سخت مخالفت کی اور دستوری بادشاہت اور جمہوریت کی وکالت کی تھی۔ اُس نے اپنی تصنیف حکومت پر دو مقالات 'Two treaties on Government' میں انگلستان کے عظیم انقلاب کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

جان لاک نے لکھا ہے:

''پارلیمنٹ کو بادشاہ کو معزول کرنے کا پورا حق ہے، اگر وہ عوام کی خواہشات کا مخالف ہو گا۔''

اس انقلاب نے پارلیمنٹ کو بے پناہ اختیارات کا مالک بنا دیا۔ اس کی تصنیف حکومت پر دو مقالات میں سماجی معاہدہ اور مملکت کے قیام سے قبل حالت فطری کے متعلق تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔ جان لاک کا فلسفہ فہم وفراست پر مبنی ہے۔ اُس کے مطابق تجربہ تعلیم کا منبع ہے۔

جان لاک لکھتا ہے:

''انسانی دماغ میں پیدائشی کوئی خیال نہیں ہوتا۔ پیدائش کے وقت انسان کا دماغ کورا کاغذ ہوتا ہے جو بھی خیال پیدا ہوتا ہے وہ تجربہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔''

اُس کے خیالات تھامس ہابز سے مختلف ہیں۔ کہیں پر تو ہابز کے بالکل مخالف ہیں۔ ہابز ایک سماجی معاہدہ کا ذکر کرتا ہے۔ جان لاک دو معاہدوں کا ذکر کرتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے تعلق سے بھی اُس کا خیال الگ ہے۔ ہابز حالت فطری میں انسان کی فطرت کی الگ تعبیر کرتا ہے۔

انسان کو غیر مہذب ثابت کرتا ہے جبکہ جان لاک انسان کو امن پسند اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر زندگی گذارنے والا مہذب تسلیم کرتا ہے۔

جان لاک کے فلسفے کا اثر 1789ء کے فرانس کے انقلاب پر نظر آتا ہے۔ امریکہ کے دستور پر بھی جان لاک کا اثر صاف دکھائی دیتا ہے کیونکہ دستور ساز لوگوں میں لاک کے نظریات کا اثر صاف جھلکتا ہے۔

5.3 جان لاک کی تصانیف (Important Writings)

جان لاک کی مختلف اہم تصانیف ذیل اس طرح ہیں

Two Treaties of Government	1689
Essay concerning Human understanding	1689
A Letter concerning toleration	1654
Three Letters for Toleration	1690, 1692
Some thoughts concerning education	1693

5.4 جان لاک حالت فطری اور انسانی فطرت (State of Nature and Human Nature)

جان لاک کے مطابق قدیم زمانے میں حالت فطری میں لوگ ہمیشہ لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے بلکہ امن پسند تھے۔ لوگوں کو اُس وقت زندگی، ملکیت اور آزادی کا حق تھا۔ لاک کے مطابق اگرچہ یہ فطری حالت آزادی ہے مگر یہ من مانی کرنے کی حالت نہیں تھی، چاہے اس حالت میں انسان کو اپنی شخصیت یا جائیداد بنا دخل اندازی کے استعمال کی آزادی تھی مگر اُسے خود کو برباد کرنے کی آزادی نہیں تھی، جب تک کہ ایسا کرنے کی ضرورت زندگی بنائے رکھنے کے علاوہ کسی دوسرے اچھے مقصد کے لیے نہ ہو۔

جان لاک کہتا ہے:

''فطری حالت میں لوگوں میں عقل و فہم تھی۔ یہ بات لوگوں کو درس دیتی ہے کہ سب لوگ مساوی اور آزاد ہیں۔ اس لیے کسی کی زندگی، صحت اور جائیداد کو نقصان نہ پہنچاؤ۔''

اس طرح سے لوگ اپنی مرضی سے فطری قانون کو مانتے تھے اور صحیح یا غلط کی سوچ کے مطابق محبت سے رہتے تھے۔

جان لاک لکھتا ہے: ''فطری قانون میں سب سے اہم یہ تھا کہ تم دوسروں سے ویسا ہی برتاؤ کرو جیسے برتاؤ کی تم دوسروں سے امید کرتے ہو۔''

اس طرح لاک کے مطابق انسان فطری زندگی میں دشمنی، اونچ نیچ، عصمت دری، آپسی بربادی کی زندگی نہ چھوڑ کر سکھ، امن، آپسی مدد اور تحفظ کے ساتھ گذارتے تھے۔ جان کے مطابق ہر شخص کا ضمیر اسے قانون فطرت کی پابندی کرواتا ہے۔ مگر انسان خود کا طرفدار ہوتا ہے اس لیے کوئی کتنا ہی باضمیر کیوں نہ ہو، خود کے تعلق سے جانبدار ہوتا ہے اور یہی مفاد پرستی اُسے برا اور فسادی بناتی ہے۔ اس لیے انصاف تب ہی قائم کیا جاسکتا ہے جب کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے جو سماج میں امن قائم کرے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔

5.5 سماجی معاہدہ کی وجوہات (Reason for Social Contract)

(1) اس کے مطابق بعد میں انسان کی فطری حالت میں مشکلات پیدا ہوئیں کیونکہ فطری قانون واضح نہیں تھے، ہر انسان اُس کا مطلب اپنی مرضی کے مطابق نکالتا تھا۔

(2) اُس وقت کوئی بھی ایسا منصف یا جج نہیں تھا جو ان قانون اور قاعدوں کی تشریح یا وضاحت کرے۔

(3) ان قاعدوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی حکومت نہیں تھی۔

ان مشکلات کی وجہ سے انسان کی فطری حالت میں امن و استحکام نہ رہا۔ بدامنی اور نراج کا ماحول پیدا ہو گیا اس سے چھٹکارا پانے کے لیے سماجی معاہدہ کیا گیا۔

5.6 جان لاک کا سماجی معاہدہ کا نظریہ (John Locke's Social Contract Theory)

جان لاک نے دو معاہدوں کا ذکر کیا ہے:

(1) سماجی معاہدہ (Social Contract)

(2) سرکاری معاہدہ (Government Contract)

سماجی معاہدے کے سبب شہری یا منظم سماج کی تخلیق ہوئی اور سرکاری معاہدے کے تحت حکومت کا آغاز ہوا۔ سماجی معاہدے کے ذریعہ لوگ فطری حالت کا اختتام کرتے ہیں اور منظم سماج کا آغاز ہوتا ہے۔

لاک کے مطابق انسان کی زندگی، ملکیت اور آزادی کی حفاظت کے لیے سماج کو تخلیق کیا گیا۔ انسان نے اپنے تمام اختیارات یا حقوق سماج کو نہیں دیئے بلکہ زندگی، جائیداد اور آزادی کا تحفظ ہی سماج کو سونپا ہے جو کوئی ان حقوق کی خلاف ورزی کرے گا سماج اُس کو سزا دے گا۔ اس مقصد کے لیے سماج اپنی طاقت چند لوگوں کو دیتا ہے جسے حکومت کا نام دیا گیا ہے۔ اس حکومت کا قیام سرکاری معاہدے کے تحت عمل میں آتا ہے۔ یہ معاہدہ حاکم اور محکوموں کے درمیان ہوا تھا۔

5.7 جان لاک کا سرکاری معاہدہ اور حکومت کی تشکیل

(John Locke's Social Contract and Government Formation)

لاک کے مطابق سرکاری معاہدہ سماجی معاہدہ کے رو سے ہوا تھا۔ لوگوں نے اپنے حقوق حکومت کو نہیں سونپے، صرف زندگی، جائیداد اور آزادی کا تحفظ کی ذمہ داری حکومت کو دی گئی۔ لوگوں نے یا سماج نے حکومت کو مختصر اختیارات عطا کئے ہیں۔ عوام کا اعتماد ہی حکومت کا سہارا ہے۔ لاک لکھتا ہے:

''سماج کو ہمیشہ ایک ایسی طاقت حاصل رہتی ہے جو اُسے کسی بھی غلط سلوک یا غلط سوچ سے بچا سکے۔ جب کبھی بھی کوئی انھیں غلامی کی طرف لے جانے کی کوشش کرے انھیں ہمیشہ یہ حق ہوگا کہ وہ خود کو اُس سے محفوظ رکھے۔''

لاک حکومت کو ٹرسٹی تسلیم کرتا ہے اُس کے مطابق اگر حکومت لوگوں کی زندگی، ملکیت اور آزادی کی حفاظت نہ کرے تو لوگوں کو اُس حکومت کے خلاف بغاوت کر کے ہٹانے کا حق ہے۔ لاک آگے لکھتا ہے:

''عوام نے مقتدر اعلیٰ کو قانون بنانے کا حق عطا کیا ہے جو سب سے افضل ہے مگر یہ مطلق نہیں ہے۔ اس کا استعمال عوام کے مفاد میں کیا جانا چاہئے۔''

لاک دستوری بادشاہت کے حق میں تھا۔ وہ جیمس دوم کی بادشاہت ختم کرنے اور اُس کی جگہ ولیم اور میری کو انگلینڈ کے تخت نشین ہونے کے حق میں تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ انگلینڈ کے شاندار انقلاب کو جائز تسلیم کرتا ہے۔

5.8 جان لاک کے سماجی معاہدے کا تنقیدی جائزہ

(Critically evaluation of John Locke Social Contract)

جان لاک نے دو سماجی معاہدوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک معاہدے کے تحت منظم سماج کا قیام عمل میں آیا اور مملکت کا آغاز ہوا اور دوسرے معاہدے کے تحت حکومت کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس طرح ایک سماجی معاہدہ اور دوسرا سرکاری معاہدہ تھا۔ ۱۶ویں صدی سے ۱۸ویں صدی کے نصف تک سماجی معاہدے کے نظریہ کو فلسفیوں، قانون داں، شاعروں اور سیاسی مفکرین میں مقبولیت رہی مگر 18ویں صدی کے نصف دور کے بعد اور 19ویں صدی کے آغاز میں ہیوم، بینتھم، برک، آسٹن، لیبر، گرین، بلنٹ شیلی، فریڈرک پولک نے سماجی معاہدے کے نظریہ پر سخت تنقید کی۔ جان لاک کے سماجی معاہدے پر مندرجہ ذیل بنیاد پر تنقید کی گئی۔

(1) لاک لکھتا ہے:

''اگر بادشاہ اپنے اختیارات کا صحیح استعمال نہ کرے تو اُسے تخت سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ اس طرح عوام خود سے معاہدہ توڑ سکتی ہے۔''

یہ بات مملکت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گی۔ سماج میں بغیر حکمراں کے نراج پھیل جائے گا۔ قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہو گی، جنگل راج ہو گا۔

(2) سماجی معاہدہ بناوٹی نظر آتا ہے کیونکہ اس سے ایک دم مملکت قائم ہوتی ہے جو غلط نظریہ ہے۔ مملکت کا عروج بتدریج عمل میں آیا ہے۔ کئی سالوں میں اس نے فروغ پایا ہے۔ اس کے اداروں کو عروج حاصل ہوا۔

(3) سماجی معاہدہ کا نظریہ منطق کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔

جان لاک لکھتا ہے: ''حالت فطری میں لوگوں کو فطری قانون کے مطابق زندگی، جائیداد اور آزادی کا حق حاصل تھا۔''

یہ سب باتیں منطقی اعتبار سے غلط ہیں کیونکہ حقوق مملکت عطا کرتی ہے۔ جس کی غیر موجودگی میں حقوق کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حالت فطری میں جب کوئی مملکت تھی ہی نہیں تو حقوق کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔

(4) سماجی معاہدہ انسانوں نے کیا ہے۔ ہر انسان نے اپنے اختیارات مملکت کو سونپ دیئے تاکہ اُن کی زندگی، آزادی اور جائیداد کے حق کی حفاظت مملکت کرے جبکہ قدیم زمانے میں فرد واحد نہیں بلکہ خاندان، سماج کی اکائی تھے خاندان آپس میں لڑتے تھے۔ انفرادی طور پر نہیں۔ قدیم زمانے میں رسم و رواج ہی قانون تھے جس کی نفی سماجی معاہدے میں نظر آتی ہے۔

سر ہنری مین نے لکھا ہے: ''معاہدہ سماج کا آغاز نہیں بلکہ مقصد ہے۔''

(5) گارنر کا خیال ہے:

''مملکت کے لیے انسان کا فرض کسی معاہدے یا جائیداد کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ سماج کے مفادات اور ضروریات پر مبنی ہے، مملکت کے لیے لوگوں کی خدمات مفاد عامہ ہے نہ کہ کوئی معاہدہ پر عمل آوری سے۔''

(6) یہ نظریہ بتاتا ہے پہلے معاہدہ ہوا اور بعد میں مملکت کا قیام عمل میں آیا مگر حقیقت اس سے مختلف ہے۔ پہلے مملکت اور اُس کے ادارے بتدریج ترقی کرتے گئے اور بعد میں معاہدے ہوئے، مملکت کی عدم موجودگی میں معاہدہ

کیسا ہو سکتا ہے اور اُس پر کس طرح سے عمل درآمد کیا جاسکتا ہے۔

(7) لاک کے مطابق مملکت کے قیام سے قبل قانون فطرت کے مطابق لوگ اپنی زندگی، جائیداد اور آزادی کا حق رکھتے تھے پھر سماجی معاہدے اور حکومت کی کیوں ضرورت پڑی جبکہ لوگ امن پسند تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مملکت یا حکومت کے بغیر لوگ حقوق استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

(8) لاک نے سماجی معاہدے کو تاریخی دلیل کے لیے امریکہ اور افریقہ کے وحشی قبیلوں کی مثالیں پیش کیں۔ان قبیلوں کا یورو پین قوموں سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا،اس طرح لاک نے خود اپنے دعویٰ کو کمزور کر دیا تھا۔

(9) لاک کے نزدیک مملکت افراد کی خدمت کا ذریعہ ہے۔ مملکت کا مقصد عوام کی فلاح و بہبودی ہے۔اُس کے فلسفے میں حکومت اور مملکت سے افراد کا کوئی روحانی یا اخلاقی تعلق نظر نہیں آتا۔

5.9 اقتدار اعلیٰ اور جان لاک (Sovereignty and John Locke)

اقتدار اعلیٰ کے متعلق اُس کا نظریہ بہت کمزور ہے۔ وہ اقتدار اعلیٰ کے تصور کی شدید مخالفت کرتا ہے۔ وہ اقتدار اعلیٰ کو نہ مملکت کی اعلیٰ ترین قوت تسلیم کرتا ہے، نہ برتر یا بالادست طاقت مانتا ہے۔ وہ اسے عام شہریوں میں تقسیم کرتا ہے۔ عوام کی جانب سے یہ قوت بادشاہ اور پارلیمنٹ استعمال کرتے ہیں مگر وہ عوام کے مفادات کے خلاف کام کرے تو عوام اس طاقت کو استعمال کر کے بادشاہ کو معزول کر سکتی ہے۔ لاک قانونی اقتدار اعلیٰ کی جگہ سیاسی اقتدار اعلیٰ کا نظریہ پیش کرتا ہے، وہ حکومت کو متولی سمجھتا ہے۔ مجلس قانون ساز اور مجلس انتظامیہ کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔

5.10 انفرادیت پسندی اور جان لاک (Individualism and John Locke)

انفرادیت پسندی کا جان لاک سب سے بڑا علمبردار تھا۔ لاک کے نزدیک فرد ہی سب کچھ ہے۔ آزادی، جائیداد اور زندگی فرد کے فطری حقوق ہیں جن کا تحفظ مملکت اور حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ اگر حکومت فطری حقوق کی حفاظت سے قاصر ہو تو عوام ایسی حکومت کو معزول کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ اُس کے مطابق حکمراں یا بادشاہ کو لوگوں کا اعلیٰ ترین خادم کہا جا سکتا ہے۔ جو کچھ اقتدار یا اختیار اُس کو حاصل ہیں وہ عوام کے مرہون منت ہیں۔ اس لیے بادشاہ کو عوام کا مشکور و ممنون ہونا چاہیئے۔ بادشاہ ہر طرح سے پابند ہے جبکہ شہری یا عوام کسی طرح سے پابند نہیں ہیں۔ اس لیے وہ بادشاہ کو معزول کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں۔

بادشاہ کی تبدیلی سے مملکت کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک کی جگہ دوسرا بادشاہ آجاتا ہے۔ مملکت جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ اس خیال کو ثابت کرنے کے لیے وہ انگلستان کے اسٹوارٹ بادشاہ جیمس دوم کی معزولی کی مثال پیش کرتا ہے جس کے معزول ہونے کے بعد دوسرا شخص بادشاہ بنا اور مملکت پر اس تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ حکومت کی بقاء کے لیے شہریوں کی قربانی کے مطالبے کو وہ غلط تسلیم کرتا ہے۔ عوام کے احساسات، جذبات اور خواہشات کا حکومت کو ہمیشہ لحاظ کرنا چاہیئے۔

5.12 جان لاک کے نظریات کی اہمیت وافادیت

(Utility and Importance of John Locke Theory)

جان لاک نے دو سماجی معاہدے پیش کئے ہیں۔ایک معاہدے کے تحت منظم سماج کی تخلیق ہوئی اور دوسرے معاہدے کے تحت حکومت قائم ہوئی۔لاک کے سماجی معاہدے کی حسب ذیل اہمیت وافادیت سامنے آتی ہیں۔

(1) اس نظریہ سے یہ ثابت ہوا کہ مملکت کوئی خدا کا عطیہ نہیں ہے بلکہ انسانوں نے سماجی معاہدے کے تحت اس کو قائم کیا ہے اس لیے بادشاہ کے خلاف لوگوں کو بغاوت کا پورا حق ہے۔اگر وہ لوگوں کے مفاد کے خلاف ہو۔

(2) بادشاہ خدا کا مقرر کردہ نہیں ہے اس لیے خدا کا واسطہ دے کر لوگوں پر حکمرانی نہیں کر سکتا۔

(3) لاک کے نظریے نے لوگوں کو جمہوریت کی راہ دکھائی جبکہ وہ جمہوریت کا دلدادہ نہیں تھا مگر انتخابی نمائندگی کے حق میں تھا۔

(4) فطری حالت میں اُس نے انسان کی عکاسی شریف النفس اور امن پسند انسان کے طور پر کی ہے۔

(5) زندگی، آزادی اور جائیداد کی حفاظت کی خاطر حکومت قائم کی گئی اس لیے حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر حال میں انسان کے ان حقوق کی حفاظت کرے۔اس طرح یہ بنیادی حقوق لوگوں کو حاصل ہوئے جن کو نہ صرف امریکہ بلکہ یورپ کے کئی ممالک میں دستور میں جگہ دی گئی۔

(6) جاان لاک نے مجلس انتظامیہ کو مجلس قانون ساز سے الگ کر کے آزادی کی حفاظت کا ایک اہم پہلو قرار دیا۔اس سے علم سیاسیات میں طاقت کی تقسیم کا نظریہ (Separation of Power) سامنے آیا جس پر آج بھی دنیا کے ممالک عمل کرتے ہیں۔

(7) جان لاک نے حکومت اور مملکت میں بھی فرق کیا ہے۔حکومت عارضی اور مملکت مستقل ہوتی ہے۔یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے۔

(8) جان لاک نے اپنے نظریہ میں حکومت کے لیے عوام کی حمایت کا نظریہ (The Theory of the consent of the People) پیش کیا۔اس طرح اُس نے حکومت کو ٹرسٹی تسلیم کیا ہے۔اگر وہ عوام کے حقوق کی حفاظت سے قاصر ہو تو عوام اُسے بے دخل کرنے کا پورا حق رکھتی ہے۔وہ عوام کو انقلاب کی ترغیب دیتا ہے اس لیے اُس نے انگلینڈ کے شاندار انقلاب کو جائز قرار دیا ہے۔

(9) اُس کے نظریات حریت پسند لوگوں کے مزاج کے مطابق تھے۔اُن کے عقیدوں کو اُس نے فلسفے کے طور پر پیش کیا، اس لیے انگریز قوم میں اُسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔

(10) جان لاک کے نظریات کی جھلک مل کے انفرادیت پسندی بینتھم کی افادہ پسندی اور مان تسکیو کی اختیارات کی تقسیم میں صاف نظر آتے ہیں۔

(11) امریکہ کے دستور سازوں پر جان لاک کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ امریکہ کے دستور میں آزادی، جائیداد اور زندگی کے حق کو بنیادی حقوق میں شامل کیا گیا۔

(12) فرانس کے انقلابی رہنما جان لاک کے زندگی، جائیداد اور آزادی کے خیالات سے بہت متاثر تھے جنھیں دستور میں جگہ دی گئی تھی۔

(13) لاک کے فلسفے کا اثر انگلینڈ کی وگ پارٹی کے لوگوں پر پڑا۔ ان لوگوں نے اُس کی تصانیف کو پسند کیا۔ برطانیہ کے وہ لوگ جو اپنی مذہبی آزادی کی حفاظت کی خاطر امریکہ ہجرت کر رہے تھے لاک کے نظریات سے متاثر تھے کیونکہ اُس کا فلسفہ اور نظریات انگریزوں کی طبیعت اور مزاج کے مطابق تھا۔

5.13 لاک کے نظریات کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of Loke Ideas)

مندرجہ ذیل بنیادوں پر لاک کے نظریات پر تنقید ہوئی ہے۔

(1) لاک نے فطرت پر غلط روشنی ڈالی ہے، اُس نے غیر حقیقی اور عدم تاریخ پر ایسے نظریات تحریر کئے ہیں۔ تاریخ میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ حالت فطری میں انسان اس قدر امن پسند تھا۔

(2) لاک کے مطابق حالت فطری میں انسان کو زندگی، ملکیت اور آزادی کا حق حاصل تھا جو غلط ہے کیونکہ حقوق صرف مملکت کے اندر ہی حاصل ہوتے ہیں جب مملکت کا قیام ہی عمل میں نہیں آیا تھا تو حقوق کیسے حاصل ہو گئے تھے۔

(3) لاک نے اپنے نظریات طبعی بنیاد پر قائم کئے ہیں۔ اخلاقی بنیاد کو وہ نظر انداز کرتا ہے۔

(4) جان لاک نے لکھا ہے کہ حکومت اگر عوام کے مفاد کے لیے کام نہ کرے تو عوام کو ایسی حکومت کے خلاف بغاوت کا حق ہے۔ عوام کو یہ تحقیق کرنے کا حق ہے حکومت صحیح ہے یا غلط۔ اگر وہ غلط ہو تو لوگوں کو انقلاب کا بھی حق ہے اس سے بغاوت کا خطرہ بڑھ جائے گا۔

(5) لاک نے حکومت کے ظلم کے خلاف بغاوت کا حق عوام کو دیا ہے مگر باغیوں کے غلط کام کے لیے کوئی سزا تجویز نہیں کی ہے۔

(6) لاک نے افراد کے حقوق کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ مملکت کے لیے عوام کے فرائض کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے فلسفہ میں مقتدر اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ کے تعلق سے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اگر مملکت میں برتر اور اعلیٰ قوت نہ ہو تو انصاف کا تقاضا کیسا پورا ہو سکتا ہے۔

(7) لاک کے سیاسی فلسفہ میں مملکت کے مقاصد کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے۔

لاک لکھتا ہے:

''سماجی زندگی کا واحد مقصد لوگوں کی جان و مال کا تحفظ ہے۔ ہر شخص کو پوری آزادی استعمال کرنے کا حق ہے جب تک دوسرے کی آزادی میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ ہو۔ اس طرح اُس خیال نے مملکت کو یکسر انداز کر دیا۔

(8) اس کے نظریات میں حکومت یا مملکت کے لیے افراد کا کوئی روحانی یا اخلاقی تعلق نظر نہیں آتا۔

(9) لاک کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ نہ تو مملکت کی اعلیٰ ترین قوت ہے نہ بالادست اور نہ ناقابل تقسیم برتر قوت ہے۔ وہ اسے عام شہریوں میں تقسیم کرتا ہے جو اسے مخصوص اوقات میں استعمال کے حقدار ہیں۔ یہ تصور اقتدار اعلیٰ کو بہت کمزور بناتا ہے۔

(10) لاک نے انگلینڈ کے شاندار انقلاب کو جائز قرار دیا ہے اور وہ عوام کے ذریعہ انقلاب برپا کئے جانے کا پُرزور حامی نظر آتا ہے۔ اس سے انقلابات کو غیر ضروری بڑھاوا ملے گا اور ملک میں لاقانونیت اور جنگل راج قائم ہو سکتا ہے۔

5.14 تھامس ہابز اور جان لاک کے نظریات میں فرق

(Differences between Political Ideas of John Locke and Thomas Hobbes)

تھامس ہابز اور جان لاک کے نظریات میں حسب ذیل فرق ہیں۔

(1) ہابز مطلق العنان بادشاہت کا حامی تھا۔

(2) جان لاک مطلق العنان بادشاہت کا مخالف تھا۔ انتخابی نمائندوں کا حامی تھا۔ اس خیال نے جمہوریت کے لیے راستہ ہموار کیا۔

(3) اقتدارِ اعلیٰ کا نظریہ پیش کیا۔

(4) سیاسی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتا ہے۔

(5) ایک سماجی معاہدے کا ذکر کرتا ہے۔

(6) دو سماجی معاہدے کا ذکر کرتا ہے۔

(7) جمہوریت مخالف نظریات ملتے ہیں۔

(8) عوامی نمائندوں کے انتخاب کو پسند کرتا ہے، جمہوریت پسند نہیں تھا مگر اُس کے نظریات نے یورپ میں جمہوریت کے لیے راہ ہموار کی تھی۔

(9)ہابز کے مطابق انسان فطری طور پر لڑاکو، مدمزاج اور مفاد پرست ہے۔

(10)لاک کے مطابق انسان فطری طور پر امن پسند، شریف ہوتا ہے۔

(11)بادشاہ کے اختیارات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

(12)افراد کے حقوق کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

(13)مملکت کے لیے اقتدار اعلیٰ کو برتر قوت تسلیم کرتا ہے۔

(14)مملکت کے لیے مقتدر اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ کو برتر قوت تسیم نہیں کرتا۔

(15)ہابز نے حکومت اور مملکت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

(16)لاک نے حکومت اور مملکت میں فرق کیا ہے۔

(17)عوام کے حقوق کا کوئی ذکر اُس کے نظریات میں نہیں ہے۔

(18)عوام کے حقوق جیسے زندگی، جائیداد اور آزادی کا ذکر لاک کے نظریات میں ملتا ہے۔

(19)ہابز کا مقصد مطلق العنان بادشاہت کو قائم کرنا تھا اس لیے اُس نے انگلینڈ کی خانہ جنگی کی سخت مخالفت کی ہے۔

(20)جان لاک انگلینڈ کے شاندار انقلاب کو صحیح قرار دیتا ہے اور محدود بادشاہت کے حق میں ہے۔

5.15 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبا اس لائق ہو جائیں گے کہ ؛

- جان لاک کی مختصر سوانح حیات کا مطالعہ کیا
- جان لاک کی تصانیف کو جانا پائے۔
- حالات فطری اور انسانی فطری کو جانا
- سماجی معاہدہ کی وضاحت کو سمجھا۔
- جان لاک کے سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیا۔
- جان لاک کے نظریات کی اہمیت اور افادیت کی معلومات حاصل کیا۔
- جان لاک اور تھامس ہابز کے نظریات میں فرق کو جانا۔

5.16 کلیدی الفاظ (Key words)

1۔انفرادیت پسندی : ایسی نظریہ جس میں فرد کی عمل اور آزادی کو جماعت پر ترجیح دی جاتی ہے۔

2۔حالت فطری : ایک ایسی دور جہاں انسان آزاد تھا اس پر بندش لگانے کے لیے کوئی اتھارٹی نہیں تھی۔

3۔اقتدار آعلی : اقتدار آعلی سے مراد مملکت یا حکومت بیرونی اور اندرونی مداخلت سے محفوظ رہے۔

5.17 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.17.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type of Questions)

1 جان لاک.....کا سخت مخالف تھا۔

(a)مطلق العنان بادشاہت (b)آمریت (c)جمہوریت (d)دستور

2 جان لاک کی مشہور تصنیف.....ہے۔

(a)لے وی ایتھان (b)حکومت پر دو مقالات (c)دی ریپبلک (d)دی پولیٹکس

3 جان لاک کے مطابق انسان فطری طور پر.....ہے۔

(a)امن پسند (b)شر پسند (c)تشدد پسند (d)غیر سماجی

4 جان لاک جدید دور کا..... مفکر ہے۔

(a)انگریز (b)امریکی (c)افریقی (d)مشرقی

5 جان لاک کے مطابق..... سماجی معاہدے کئے گئے۔

(a)تین (b)دو (c)ایک (d)چار

6 جان لاک 29 اگست.....میں رنگ ٹن میں پیدا ہوا۔

1632(a) 1633(b) 1634(c) 1635(d)

7 جان لاک نے درس وتدریس کا پیشہ چھوڑ کے.....کا پیشہ اختیار کیا تھا۔

(a)بزنس مین (b)طبیب (c)ملازمت (d)وزارت

8 جان لاک نے..... کی ابتداء کی تھی۔

(a)آزاد خیالی (b)اشتراکیت (c)سرمایہ داری (d)افادہ پسندی

9 جان لاک کا کہنا تھا پارلیمنٹ..... کو معزول کر سکتی ہے۔

(a)وزیر اعظم (b)بادشاہ (c)صدر (d)وزیر

10 امریکہ کے دستور سازوں پر.....کا اثر تھا۔

(a)جان لاک (b)بلنٹشیلی (c)مارکس (d)ہیگل

5.17.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات (Short Answer Type of Questions)

1 مملکت کے آغاز کے تعلق سے جان لاک کیا کہتا ہے؟ واضح کیجئے۔

2 کیا جان لاک نے انقلاب کی حمایت کی ہے تبصرہ کیجئے؟

3 جان لاک مطلق العنان بادشاہت کا سخت مخالف تھا۔ روشنی ڈالیے؟

4 جان لاک انفرادیت پسند تھا۔ اپنے خیالات سے واضح کیجئے؟

5 تھامس ہابز اور جان لاک کے نظریات میں فرق واضح کیجئے؟

5.17.3 مختصر سوالات کے حامل جوابات (Long Answer Type of Questions)

1 جان لاک کی حالت زندگی پر روشنی ڈالیے؟

2 جان لاک کے سماجی معاہدے کی اہمیت وافادیت تحریر کیجئے؟

3 جان لاک کے حالت فطری میں انسانی فطرت کی عکاسی کس طرح کرتا ہے؟ لکھئے؟

معروضی سوالات کے جوابات:

(b)	5۔	(a)	4۔	(a)	3۔	(b)	2۔	(a)	1۔
(a)	10۔	(b)	9۔	(a)	8۔	(a)	7۔	(a)	6۔

اکائی 6۔زین ژاک روسو: نظریہ سماجی معاہدہ

(Jean Jacques Rousseau: Social Contract Theory)

اکائی کی اجزاء

6.0 مقاصد

6.1 تمہید

6.2 روسو کی عہد زندگی

6.3 انسانی فطرت

6.4 تعارف: نظریہ سماجی معاہدہ

6.5 حالتِ فطری

6.6 روسو کا سماجی معاہدہ

6.7 سماجی معاہدہ کا پس منظر

6.8 ہابز، لاک اور روسو کے نظریہ سماجی معاہدہ کا تجزیہ

6.9 نظریہ سماجی معاہدہ کی تنقید

6.10 روسو کے سماجی معاہدہ کی اہمیت

6.11 اکتسابی نتائج

6.12 کلیدی الفاظ

6.13 نمونہ امتحانی سوالات

6.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.13.2 مختصر سوالات کے حامل جوابات

6.13.3 طویل سوالات کے حامل جوابات

6.0 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کا مقصد،

- طلبا کو روسو کے سماجی معاہدہ سے تعارف کرانا ہے، ساتھ ہی اس کے حالت فطری کو سمجھنا۔
- اس نظریہ کی تنقید، اس کی اہمیت اور اس کے وجوہات کی معلومات فراہم کرانا۔
- مزید یہ کہ ہابس اور لاک کے نظریہ سماجی معاہدہ کو بھی مختصر طور پر طلبا کے روبرو کرانا۔

6.1 تمہید(Introduction)

سماجی معاہدہ کے نظریہ کا نظریہ سیاسی فلسفہ میں ایک خاص مقام ہے۔اس نظریہ کے کئی مفکر تھے۔ ہابس، لاک اور روسو لیکن یہاں یہ اکائی خاص کر روسو کے نظریہ پر مبنی ہے۔ پھر بھی یہاں مختصر طور پر واضح کیا جائے گا۔ روسو نے بتایا کہ حالتِ فطری میں سبھی خوشحال، معصوم ایک دوسرے کے ہمدری تھے۔ لیکن سماج کے عروج نے انسان کی اچھائیوں کو ختم کر دیا ان کی جگہ بہت سی برائیوں نے معاشرہ میں جگہ بنائی جیسے ذاتی ملکیت کی خواہش، حسد، جلن، ایک دوسرے پر ظلم و ستم وغیرہ کا غلبہ ہو گیا۔ جس کے باعث اب حالتِ فطری میں بغیر کوئی اقتدار یا حکومت کے سماجی نظام کا چلنا مشکل ہو گیا۔ان سب باتوں کے مدِ نظر لوگوں نے آپس میں مل کر ایک سماجی معاہدہ کیا اور سماجی و حکومت کا عمل سامنے آیا حالانکہ کئی مفکرین نے روسوں کے اس نظریہ کی تنقید بھی کی ہے لیکن اس کے باوجود سماجی نظریہ ایک اہم نظریہ ہے۔ روسو کے وقت سے آج تک یہ قابل قبول نظریہ ہے۔

6.2 روسو کی عہد زندگی (Rousseau Life and his Period)

زین زاک روسو 28 جون 1712ء کو سویزرلینڈ کے جینوا (Geneva) میں پیدا ہوئے تھے۔اس کے والد ایزاک ایک گھڑی ساز تھے وہ ایک لاپرواہ اور غیر ذمہ دار شخص تھے۔ اس لیے روسو کی پرورش میں وہ ناقابل ثابت ہوئے۔ کیوں کہ روسو کے پیدائش کے وقت ہی اس کی ماں دنیا سے رخصت ہو چکی تھی، اس کے بعد روسو کی پرورش اس کی چاچی نے کی لیکن وہ روسو کو پیار نہیں کرتی تھی۔ باپ کے پیار سے محروم روسو نے 19 برس کی عمر میں ہی سنگ تراش کا کام کیا۔ جہاں وہ کام کرتا تھا اس کا مالک بہت ہی ظالم انسان تھا جس کے ڈر سے جھوٹ بولنا اور حیوانیت جیسی خصلت اس کے اندر پیدا ہو گئی۔ اس کے علاوہ روسو نے چوری کرنے ہنر بھی سیکھ لیا تھا۔

وہاں سے بھاگ کر روسو نے کچھ برس فرانس میں آوارہ گردی کرتے ہوئے بتائے۔ وہ ہمیشہ حال (Present) میں زندگی گزر بسر کرنے والا انسان بن گیا۔ جس کو مستقبل سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ اس کے کئی عورتوں کے ساتھ غیر اخلاقی رشتے بھی رہے۔ مزدوروں کی گندی بستی میں رہ کر اور ظلم برداشت کر زندگی کے ہر ایک پہلو کو باریکی سے مشاہدہ کیا۔

روسو نے حسب معمول (Regular) تعلیم حاصل نہیں کی، حالانکہ اس میں پیدائشی طور پر قابلیت موجود تھی۔ 1749ء کو اس نے ایک مضمون نگاری (Essay Writings) مقابلہ میں حصہ لیا۔ اس بنیادی اور سنسنی خیز خیال کی وجہ سے اس مقابلہ میں روسو کو اوّل انعام حاصل ہوا تھا۔ اس مضمون نگاری کے مقابلہ میں اس نے لکھا کہ سائنس اور آرٹس کی نام نہاد ترقی کی ہی وجہ سے تہذیب (Civilization) اور انسانی کردار میں زوال آیا ہے۔ اگر سادہ خوش حال اور زندگی گزارنا ہے تو فطری زندگی کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اس مضمون میں اس نے یہ بھی لکھا کہ ہمیں پھر سے لاعلمی، غریبی اور معصومیت دے دو کیوں کے وہی ہمیں خوش حال بنا سکتے ہیں۔

1754ء میں اس نے ایک بار پھر ایک مقابلہ میں حصہ لیا جس کا موضوع تھا غیر مساوی کا عروج اور بنیادی ڈھانچہ، اس موضوع پر اس نے اپنے خیالات میں لکھا کہ غیر برابری کی بنیادی وجہ ہے ذاتی ملکیت جو غیر فطری اور ٹھیک نہیں ہے۔ روسو نے لکھا کہ وہ پہلا شخص جس نے ایک علاقہ پر قبضہ کر یہ کہنا شروع کیا کہ 'یہ میری زمین' ہے اور اس کی اس بات کو دیگر بے وقوفوں نے تسلیم کر لیا وہی مملکت کا بانی بنا۔ اس کے تحریر نے فرانس کی بادشاہت اور اشرافیہ طبقہ کو پسند نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ فرانس چھوڑ کر پھر جینوا چلے گئے اور وہیں کی شہریت لے کر ٹھہر گئے لیکن کچھ وقت کے بعد ماونٹ میر سینی چلا گیا جہاں اس کی اہم تصانیف منظر عام پر آئیں جو مختلف تھے۔ Discourse all the sciences & arts، The social contract، The origin of inequality among men connection اور ان تصانیف نے فرانس میں ایک انقلاب برپا کر دیا جس کی وجہ سے وہاں کے حکمراں اور چرچ کے پادری ناراض ہو کر روسو کے خلاف ہو گئے اور اس کی گرفتاری کے حکم جاری کر دے گئے۔ وہ وہاں سے فرار ہو گئے اور 16 برس تک بھٹکتے رہے اور آخر میں فرانس کے ارمینو پلے میں 2 جولائی 1778 کو روسو کی وفات ہو گئی۔

6.3 انسانی فطرت (Human Nature)

روسو اپنی کتاب 'سماجی معاہدہ' (Social Contract) میں لکھتا ہے کہ ''انسان آزادانہ طور پر پیدا ہوتا ہے لیکن وہ ہر طرف زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے''۔ اس قول سے روسو یہ بتانا چاہتا ہے کہ انسان بنیادی طور پر اچھا ہے لیکن سماجی برائیاں انسان کی اچھائیوں میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ روسو آگے کہتے ہیں کہ حالت فطری میں انسان فطری طور پر اچھا، خوش حال، امن پسند، معصوم، بے فکر، صحت مند اور علحدگی پسند تھا۔ اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے علاوہ وہ دوسروں کے خیال اور اس کا درد اور اس کے حالات اور دوسروں کے کے اوپر بھی رحم کرتے تھے۔ وہاں 'یہ تیرا یہ میرا' جیسے جذبات نہیں تھے اور نہ ہی انسان میں مستقبل کے لیے دولت اکٹھا کرنے کی کوئی خواہش تھیں۔ اس کی ضروریات بھی محدود تھی اور نہ ہی اسے گناہ اور ثواب سے کوئی لینا دینا تھا۔ وہ اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن رہتا تھا۔

6.4 تعارف: نظریہ سماجی معاہدہ (Introduction: The Social Contract Theory)

مملکت کے عروج سے متعلق نظریہ سماجی معاہدہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ 17ویں و18ویں صدی کے فکر وخیال (Ideology) میں تو اس نظریہ کا مکمل طور پر غلبہ تھا۔ اس سیاسی نظریہ کے مطابق مملکت خدائی نہ ہو کر ایک انسانی تنظیم ہے جس کی تخلیق انسانوں کے ذریعہ آپسی معاہدہ کے بنیاد پر کی گئی ہے۔ اس نظریہ کا بانی انسانی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اوّل دورِ حالت فطری (Period of State of Nature)، دوم نجی زندگی کے شروعات کے بعد کا دور۔ اس نظریہ کے سبھی بانی (ہابز، لاک اور روسو) نہایت ہی قدیم زمانے میں ایک ایسی حالت فطری کو تسلیم کرتے ہیں جہاں زندگی کو ترتیب میں رکھنے کے لیے مملکت یا مملکت کے جیسی کوئی تنظیم کا وجود نہیں تھا۔ ہر طرح افرا تفری کا ماحول تھا، نہ کوئی حکومت، نہ کوئی قانون اور نہ کوئی دیگر تنظیم جو لوگوں پر پابندی عائد کر سکے۔ ایسی حالت کو ہی اس نظریہ کے بانی نے حالت فطری کا نام دیا ہے۔ حالانکہ اس حالت فطری کو لے کر سماجی معاہدہ کے بانیان کے درمیان اختلاف رائے ہے، اسے قبل سماجی (Pre-Social)، دیگر اسے قبل سیاسی (Pre-Political) کہتے ہیں۔ حالت فطری کے تحت ہر ایک شخص اپنے خواہش کے مطابق یا فطری قانون کے رسم ورواج کے بنیاد پر ہی زندگی گزر بسر کرتے ہیں۔ اس حالت فطری اختلاف کے باوجود وہ سب سبھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی وجہ سے ہی انسان حالت فطری سے باہر آنے پر مجبور ہوئے اور انسانوں نے آپس میں معاہدہ کر سیاسی سماج قائم کیا۔ اس معاہدہ کے مطابق ہر شخص کو اپنے فطری حقوق کو چھوڑنا پڑا اور اس کے عوض میں اسے مملکت یا قانون کی جانب سے تحفظ کی یقین دہائی ہوئی۔

6.5 حالت فطری (State of Nature)

سماجی معاہدہ کے سبھی بانیان حالت فطری کو اپنے اپنے نظریہ سے بیان کیا ہے۔ جب کہ روسو کے حالت فطری میں رہنے والے انسان کے لیے شریف وحشی (Noble Savage) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ خود میں ہی اتنا مطمئن تھا نہ کہ تو اسے کسی ساتھی کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچانے کی اس کی خواہش تھا۔ اس طرح حالت فطری میں انسان ایک معصوم اور بے فکر بچہ کی طرح سادگی سے بہت خوش حال زندگی گزارتا تھا۔ یہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ حالت فطری مکمل آزادی اور مساوی و متبرک (Sacred) زندگی گزر بسر کرتے تھے۔ جہاں کسی کے لیے کوئی کینہ یا بغض نہیں تھا۔

آگے روسو لکھتے ہیں کہ اس حالت فطری میں لوگوں کے اندر معقولیت (Rationality) کی نہایت ہی کمی تھی۔ اس حالت فطری میں انسان نہ تو کوئی قانون، نہ ہی کوئی اتھارٹی تھی جس سے لوگوں کی رہنمائی ہو سکے۔ صرف لوگ فطری رسم ورواج سے چلتے تھے۔ دوسروں کا نقصان نہ ہو اور اپنا بھی مقصد پورا ہوتا رہے۔ روسو اپنی کتاب 'سماجی معاہدہ (Social Contract)' لکھتا ہے کہ ''انسان آزادانہ طور پر پیدا ہوتا ہے لیکن ہر طرف وہ زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے (Man is born free and everywhere he is in chains)''۔ روسو کا یہ قول اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ بنیادی طور پر انسان اچھا ہے لیکن سماج میں موجود برائیاں ہی انسان کی اچھائیوں میں رکاوٹ کا کام کرتی ہیں۔ روسو کہتے ہیں کہ اگر ان سب برائیوں سے نجات پانا ہے تو پھر سے ہمیں حالت فطری میں لوٹ جانا ہوگا۔

6.6 روسو کا سماجی معاہدہ (Social Contract of Rousseau)

حالت فطری میں قدیم ابتدائی دور جیسے حالت نہیں رہے اب ذاتی ملکیت کا تصور بد حالی، بد انتظامی جب ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی تو لوگوں کے جان و مال کا خطرہ پیدا ہو گیا تب ان حالات سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے سبھی انسان ایک جگہ اکٹھا ہوئے اور ان کے ذریعہ اپنے سارے حقوق کو قربان کر دیا گیا اور یہ قربانی کسی خاص شخص کے لیے نہ ہو کر پورے سماج کے لیے کیا گیا۔ معاہدہ کے عوض میں سماج کے سبھی رکن کی ایک عام خواہش (General will) عروج پاتی ہے اور سبھی رکن اس عام خواہش کے تحت رہتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ ''بقول روسو، معاہدہ کے تحت ہر ایک اپنی شخصیت اور اپنی مکمل اختیار کا عام تجزیہ (Experiment) کے لیے عام خواہش کے اعلیٰ منتظم کے تحت قربان کر دیتا ہے اور ایک جماعت کے طور پر اپنی شخصیت اور مکمل اختیار حاصل کر لیتا ہے''۔ اس طرح کے معاہدہ اور قائم کردہ نظام سے سے پوری جماعت کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح روسو کے معاہدہ کے ذریعہ اس جمہوری سماج کی داغ بیل ڈالی جاتی ہے جس کے ماتحت اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) تمام سماج میں موجود ہوتا ہے۔ اگر حکومت اس خواہش کے برعکس کوئی عمل کرتی ہے تو عوام کو ایسی حکومت کو عہدہ سے بے دخل کرنے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ معاہدہ کے مطابق ''ہر ایک شخص ذاتی طور پر اپنی مکمل آزادی، حقوق اور اختیار سماج کے سپرد کرتا ہے اور معاہدہ کے بعد تخلیق سماج کے لاینفک (Inseparable) اعضا ہونے کے ناطے پھر سے مجموعی طور پر حاصل کر لیتا ہے''۔
سماجی معاہدہ دو جماعت کے درمیان عمل میں لایا جاتا ہے۔ پہلی جماعت ذاتی زندگی اور دوسری مجموعی زندگی۔ اس طرح ذاتی طور پر وہ جو کچھ مانگتے تھے اسے دوبارہ معاہدہ کی شکل میں حاصل ہو جاتا تھا۔ روسو نے اعلانیہ طور پر یہ کہا کہ معاہدے کے دوران انسان اپنے مکمل حقوق کسی خاص شخص کو نہیں بلکہ تمام سماج کو سپرد کرتا ہے اور ذاتی طور پر مفید ہوتا ہے۔ روسو کے مطابق سماجی معاہدہ مکمل طور پر یکجہتی کی جذبہ پر مشتمل تھا اور اس میں سب کی جگہ برابر تھی کیونکہ روسو کہتا ہے ''ہر ایک شخص سب کے ہاتھوں میں خود کو سپرد کرتے ہوئے کسی کے بھی ہاتھوں میں بھی وقف نہیں کرتا۔ معاہدے کے نتیجہ میں کسی حکومت کا قیام نہیں ہوتا اس لیے روسو نے سماجی معاہدہ کو تسلیم کیا، سیاسی معاہدہ کو نہیں۔

روسو کے مطابق اس معاہدہ سے موجود بد نظامی (Anarchy) اور غیر تحفظ انتظامیہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور پھر مملکت عروج میں آتی ہے جو 'عام خواہش' کا نمائندگی کرتی ہے۔ معاہدہ سے انسان کی آزادی محدود نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس عام خواہش (General will) کے حکم کے مطابق کام کر حقیقی طور سے آزادی کا استعمال کرتا ہے۔

6.7 سماجی معاہدہ کی وجوہات (Causes of Social Contract)

روسو کے مطابق حالت فطری ایک مثالی حالت (Ideal State) تھی جہاں سبھی طرح کا امن و خوش حالی تھی، کہیں کوئی تنازع، مقابلہ و حسد جلن ناکہ برابر تھا۔ لیکن کچھ وقت کے بعد ایسی وجوہات پیدا ہوئے جس نے اس حالت فطری کو آلودہ (Polluted) کر دیا۔ زراعت

کی کھوج کی وجہ سے زمین پر مقرر حق اور اس کے عوض میں ذاتی ملکیت حاصل کرنے کا عام انسان میں ایک دور شروع ہو گیا اور اب یہ تیرا میرا کی شروعات ہو گئی اور اب ہر ایک انسان زیادہ سے زیادہ زمین پر قبضہ کرنے کی خواہش کرنے لگا جس کی وجہ سے حالت فطری کا امن و خوش حال زندگی پر برعکس اثرات ڈالے اور اب سماج میں وہی حالت پیدا ہوئے جو ہابز (Hobbes) کے ذریعہ بیان کردہ حالت فطری کا تھا۔ ملکیت کو سماج قائم کرنے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے روسو لکھتا ہے کہ وہ اوّل انسان اور سماج کا حقیقی طور پر پیدا کرنے والا تھا جس نے ایک علاقہ کی گھیرا بندی کر کہا کہ ''یہ میری زمین ہے اور اس کے قول پر لوگ یقین بھی کرنے لگے''۔

اس طرح حالت فطری کی مثالی شکل کا خاتمہ ہو کر بربادی اور جنگ کے حالات پیدا ہوئے اور اس بربادی، تنازع جیسے حالات کو درست کرنے کے لیے لوگوں نے آپس میں مل کر معاہدہ کیا جس کے ذریعہ ہی سماج کا وجود سامنے آیا۔

6.8 ہابز لاک اور روسو کے نظریہ سماجی معاہدہ کا تجزیہ An Analysis of Social Contract Theory of Hobbes, Locke and Rousseau

تھامس ہابز:(Thomas Hobbes)

تھامس ہابز سماجی معاہدہ کا نظریہ پہلی بار اس کی کتاب 'لیوا تھن(Leviathan) جو 1651ء میں شائع ہوئی تھی اس میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ باقی سماجی معاہدہ کے بانی کی طرح وہ بھی حالت فطری (State of Nature) کی بات کرتے ہیں۔ ہابز کے مطابق حالت فطری میں انسان خوف اور خود غرض زندگی گزارتا تھا اور اس حالت فطری میں انسان بہت ہی افراتفری اور لگاتار خوف زدہ رہتا تھا۔ حالت فطری میں اس کی زندگی الگ تھلگ، بدتر، ناگوار، درندگی اور بہت ہی جھوٹی اور پُر فریب تھی۔

انسان فطری خواہش، حفاظت اور سب کچھ ترتیب میں ہو خود اور بدحالی اور تکالیف سے محفوظ رہے۔ ان سب وجوہات سے انسان معاہدہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خود کی حفاظت اور خود کو محفوظ رکھنا انسان کا یہ فطری عمل ہے اور اس کو بنائے رکھنے کے لیے وہ اپنے مرضی سے اپنے سبھی حقوق اور آزادی کو کسی اتھارٹی کو سونپ دیتے ہیں اور اس اعلیٰ اتھارٹی کے حکم کی فرمابرداری کرتے ہیں۔ اس کے عوض وہ طاقتور اعلیٰ اتھارٹی اس انسان کی زندگی و اس کی ملکیت کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ آگے چل کر یہ ایک تنظیم جو حکمرانی یا بادشاہت کا عروج ہوتا ہے اس طاقتور بادشاہ یا حکمرانی کے پاس مکمل اختیارات ہوں گے اور عوام کو اس کے خلاف کسی طرح کے کوئی بھی حقوق نہیں ہوگا۔ اور ہمیشہ ہر حال میں چاہے وہ بڑا کیوں نہ ہو رعیت اس کے حکم کی تعمل کرتے رہیں گے۔ کیونکہ ہابز کے مطابق مملکت یا اعلیٰ اتھارٹی کو بااختیار ہونا چاہئے کیونکہ اگر وہ طاقتور نہیں ہوں گے تو پھر وہ سماج میں ترتیب اور کنٹرول کرنے میں ناکامیاب ہوں گے۔ انسان الگ لالچی اور خود غرض مخلوق ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ لاک اور روسو دونوں کا نظریہ کافی ملتا جلتا ہے۔

جان لاک: سماجی معاہدہ کا نظریہ (John Locke : Social Contract Theory)

لاک کا نظریہ سماجی معاہدہ ہابز سے تھوڑا مختلف ہے، لاک کے مطابق، حالت فطری انسان کے حالات بد حالی جیسے نہیں تھے جیسا کے ہابز کے نظریہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لاک کہتے ہیں کہ لوگوں کے حالات اچھے اور پر لطف تھے لیکن ملکیت غیر محفوظ تھی۔ لاک یہ بھی کہتے ہیں کے حالت فطری ایک سنہرا دور تھا (State of Nature as a Golden age) یہ ایک پُر امن، آپسی امداد اور نیک نیتی کی حالت تھی۔ اس حالت فطری میں سبھی خوشحال، آزاد اور سبھی کو برابری حاصل تھا۔ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے انسان آزاد تھے۔ اس میں کسی طرح کا کوئی دخل اندازی نہیں تھی۔ یہ سب فطری قانون کی وجہ سے ممکن تھا۔

لاک کے مطابق ملکیت (Property) سول حکومت و معاہدہ میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ ذاتی ملکیت تب سامنے آئی جب لوگوں نے اپنے کام کو فطرت کے خام وسائل کے ساتھ مخلوط کیا اور پھر ذاتی ملکیت کا تصور اب ختم ہونے لگا۔ لاک کے مطابق ملکیت کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو سماجی معاہدہ کرنے پر مجبور کیا۔ کیوں کہ حالت فطری میں ملکیت کے غیر محفوظ ہونے کی وجوہات تین باتیں ہیں۔

1. منظم قانون کا نہ ہونا
2. انصاف پسند جج کی غیر موجودگی
3. فطری اختیارات کی غیر موجودگی جو فطری قانون کو نافذ کر سکے۔

لاک لکھتے ہیں کہ انسان کو اپنے سارے حقوق اور آزادی کو سول حکومت کو سونپنے پڑے تاکہ سماج میں قانون و نظم وضبط کا خیال رکھے اور انسان کے تین اہم حقوق ہیں، زندگی، آزادی اور ملکیت (Life, Liberty and Property) ۔ جس کو فطرت نے انسان کو عطا کیا۔ اس کو کسی بھی اقتدار کے حکومت کو یہ حق دینے کے لیے انسان نے معاہدہ کیا۔ اگر حکومت، انسان کے خواہش اور اس کی حفاظت کرنے میں ناکام ہوتی ہے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ حکومت کو اس کے عہدہ سے بے دخل کر دے خواہ اُسے تسدد سے ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

6.9 سماجی معاہدہ کے نظریہ کی تنقید (Criticism of the Social Contract Theory)

17 ویں صدی سے لے کر 18 ویں صدی تک یہ نظریہ کافی مقبول رہا۔ لیکن 18 ویں صدی کے آخر اور 19 ویں صدی کے مفکرین نے اس نظریہ کی سخت تنقید پیش کی، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

i. غیر تاریخی معاہدہ۔ تاریخی اعتبار سے سماجی معاہدہ کھڑے نہیں اترتا کیوں کہ تاریخ میں اس بات کی کہیں بھی کوئی مثال نہیں ملتی کہ قدیم انسان نے آپسی معاہدہ کے بنیاد پر مملکت قائم کی ہو۔ سماجی معاہدہ کے پیروکار اپنے دلیل میں 11 نومبر 1620 کے میفلائیور پیکٹ (Mayflower Pact) کی مثال دیتے ہیں۔ جن میفلاور نام کے جہاز پر بیٹھے ہوئے انگلینڈ سے امریکہ جانے والے انگریزوں نے معاہدہ

کیا تھا کہ ''ہم لوگ امن وخوشحال زندگی گزر بسر کرنے کے مقصد سے ایک سیاسی سماج کی تخلیق کریں گے''۔ کیوں کہ یہ مثال سماجی معاہدہ کے نظریہ کی تصدیق نہیں کرتی کیوں کہ حالت فطری کے لوگوں اور میغلاور پیکٹ سے متعلق لوگوں کی سیاسی شعور میں ایک بڑا فرق ہے۔

ii . حالت فطری کا اخذ غلط :(Wrong assumption of State of Nature) سماجی معاہدہ کا نظریہ انسانی تاریخ کو دو حصوں، حالت فطری اور سماجی فطری میں تقسیم کرتا ہے اور ایک ایسی حالت کا تصور کرتا ہے، جس کے تحت کسی بھی طرح کا سماج اور مملکت نہیں تھی۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ وقت کی تقسیم نہایت ہی غلط ہے۔ تاریخ میں کہیں بھی ہمیں ایسی حالت کا ثبوت نہیں ملتا۔ جب انسان نا تنظیمی حالت میں رہتا ہو۔

iii . مملکت ترقی کا نتیجہ ہے تخلیق کا نہیں: تاریخ کے مطابق مملکت اور اسی طرح کی دیگر انسانی تنظیموں کی ترقی رفتہ رفتہ ہوئی ہے۔ تخلیق نہیں بلکہ فطری طور پر انسان سماجی جانور ہونے کے ناطے شروعات سے ہی خاندان، میں نسلوں، قبیلہ اور غیر ریاست آخر میں مملکت کے طور پر منظم ہوا ہے اس طرح سماجی معاہدہ کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ مملکت کسی ایک وقت پر تخلیق ہوئی ہو۔

iv . مملکت کی رکنیت مرضی پر موقوف نہیں ہے: اس نظریہ کے مطابق مملکت کو ایک ایسی تنظیم کے طور پر تصویر کشی کیا گیا ہے۔ جس کی رکنیت مرضی پر موقوف ہو، جب کہ مملکت کی رکنیت لازمی ہوتی ہے اور انسان اسی طرح مملکت کے رکن ہوتے ہیں جس طرح خاندان کے ۔ اگر مملکت ایک کلب یا تجارتی تنظیم کی طرح مرضی سے بنائی گئی ہے تنظیم ہوتی تو فرد کو یہ آزادی ہوتی کہ وہ جب چاہے اس میں شامل ہوتا اور جب چاہے اس الگ ہو جاتا۔ چونکہ اس نظریہ کے تحت مملکت کو شراکت پر مبنی معاشی برادری (Community) کی شکل میں تصویر کشی کیا گیا ہے۔ اس طرح اس نظریہ کے تحت مملکت کی شکل کو پیش کرے گی، غلط ہے۔

v . حالت فطری میں حقوق کا وجود غیر ممکن ہے: اس نظریہ کے پیروکار خاص کر لاک کا خیال ہے کہ انسان حالت فطری میں فطری حقوق کا استعمال کرتے تھے لیکن فطری حقوق اور فطری آزادی کا تصور ایک داستان کی طرح ہے۔ حقوق کا عروج، سماج میں بھی ہوتا ہے اور ایک مملکت کے اندر رہ کر ہی حقوق کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

vi. حالت فطری میں معاہدہ ممکن نہیں ہے: اگر دلیل کے طور پر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قدیمی انسان (Primitive Men) اپنی سماجی شعور میں اتنا ترقی کر چکا تھا کہ وہ معاہدہ کر سکے، تو حالت فطری میں کئے گئے کسی بھی معاہدہ کا سائنٹفک تنازل میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیوں کہ کسی بھی معاہدہ کو جائز (Valid) کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس کو مملکت کے اقتدار کو تسلیم کیا جائے۔ لیکن حالت فطری میں مملکت کا وجود نہ ہونے کی وجہ سے سماجی معاہدہ کے پیچھے اس طرح کی کوئی بھی طاقت نہیں تھی۔

vii . مطلق العنان حکمرانی: روسو کے معاہدہ میں انسان اپنی تمام آزادی اور حقوق سماج کو سونپ دیتا ہے۔ اس طرح انسان کے حقوق اور آزادی باقی نہیں رہتی اور معاہدہ کے نتیجہ میں بنی عام خواہش (General will) سب سے طاقتور ہو جاتی ہے اور اس طرح سے مطلق العنان حکمرانی عروج میں آتی ہے۔

viii . پیچیدہ اور غیر واضح: روسو کا نظریہ نہایت ہی پیچیدہ اور غیر واضح ہے جو عام انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ روسو نے انسان کو رعیت اور سنہری دونوں کی شکل عطا کی ہے۔ مملکت کے اقتدار کے ماتحت ہونے کی وجہ سے وہ رعیت اور مملکت کے اختیار کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے ایک شہری ہے۔

اسی طرح روسو کے نظریہ کے مطابق جب کسی انسان کو سزا دی جاتی ہے تو اس کی سزا اس کی خواہش کے مطابق ملتی ہے۔ یہ باتیں عام انسان کی سمجھ سے پڑے تو ہے ہی، ساتھ ہی عقلمند انسان کے لیے بھی بے وقوفانہ لگتی ہے۔

6.10 روسو کے سماجی معاہدہ کی اہمیت (Significance of Rousseau Social Contract)

مختلف تنقیدوں کے باوجود بھی روسو کے سیاسی فلسفہ کو زندگی ملی ہے۔ اس کے فلسفہ کا عوام کی حکمرانی، حقوق اور اختیار سب پر اثر ملتا ہے۔ فرانس کا انقلاب بہت حد تک روسو کے نظریہ کا نتیجہ تھا۔ اتنا ہی نہیں، امریکی دستور کے بانی نے بھی روسو سے ہی فیض (Inspiration) حاصل کیا۔ روسو نے 'مقبول اقتدار اعلیٰ (Popular Sovereignty) ' کے نظریہ کو پیش کیا۔ روسو نے اعلیٰ خواہش (جمہوریت) اور مطلق العنیات (Totalitarianism) کو مخلوط کر ابتری (Confusion) پیدا کر دی۔

اس طرح جہاں جمہوریت کے حامی روسو کے مقبول حکمرانی کو اتنا اہمیت دیتے ہیں وہیں دوسری طرف Totalitarianism کے حامی بھی اس کے لا محدود اقتدار اعلیٰ کے نظریہ کو اپنا اشعال کا ذریعہ (Source of inspiration) مانتے ہیں۔ روسو نے سماجی معاہدہ کے نظریہ کے دیگر حامی کے طرح، مملکت کو ایک بناوٹی تنظیم ثابت کرنے کے بجائے ایک فطری تنظیم ثابت کیا۔

6.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

روسو اپنے دور کے ایک مشہور اور مقبول سیاسی مفکر تھے حالانکہ انھوں نے زندگی کے کئی پہلو پر روشنی ڈالی۔ لیکن سماجی معاہدہ کا نظریہ ایک مقبول نظریہ تھا۔ اس نظریہ کی بدولت اسے لوگ جمہوریت کا بانی بھی مانتے ہیں۔ سماجی معاہدہ کا نظریہ ہابز اور لاک سے کچھ مختلف تھا پھر بھی سماجی معاہدہ کے نظریہ کو لے کر کئی سیاسی مفکرین نے استفادہ کیا اور بتایا کہ حالت فطری کسی حالت کا وجود بھی نہیں تھا۔ اور چونکہ روسو کہتے تھے کہ حالت فطری انسان کے لیے ایک بہتر حالت تھی۔ لیکن سماج کی ترقی نے اس حالت فطری پر بڑا اثر ڈالا۔ اگر روسو کے عہد زندگی پر غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ذاتی زندگی میں وہ کئی سارے عیب تھے ہو سکتا ہے ان پر دہ ڈالنے کے لیے بھی وہ بتاتے ہیں کہ انسان میں برائی سماج میں ترقی آنے کی وجہ سے پھیلی ہے ورنہ حالت فطری میں انسان اچھائیوں اور ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ اور ان کے ساتھ ہمدردی بھی رکھتا تھا۔ ساری تنقیدوں کے باوجود، روسو کی اہمت یہ ہے کہ اس نے فرانس کے انقلاب سے لے کر امریکی دستور بنانے والوں پر اپنی تصانیف کے ذریعہ زبردشت اثر ڈالا۔

6.12 کلیدی الفاظ (Key Words)

1. Liberty : اس سے مراد آزادانہ طور پر زندگی گزارنا جس میں کسی طرح کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔
2. Sovereignty : کسی ملک کے پاس اقتدار چلانے کا ایک ایسا اختیار جو اندرونی اور بیرونی مداخلت سے آزاد ہو۔
3. Civilization : انسانی سماج کی اعلیٰ درجہ کی حالت، جہاں اعلیٰ سطح پر تمدن، سائنس، کارخانہ اور حکومت کا نظام پہونچ چکا ہو۔
4. General will : یہ لوگوں کی ایک مجموعی خواہش ہے جس کا مقصد عام انسان کی خواہش کا خیال رکھنا ہے۔
5. Totalitarianism حکومت کی ایک ایسی شکل جو انفرادی آزادی پر پابندی عائد کرتی ہے اور جو انسانی زندگی کے سبھی پہلوؤں کو اپنے ماتحت رکھتی ہے۔
6. Popular Sovereignty ایک ایسا سیاسی نظریہ جس میں حکومت عوام کے ذریعہ بنائی جاتی ہے اور حکومت کا اقتدار رعیت کی خواہش پر منحصر ہوتا ہے۔

6.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Question Examination)

6.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. Men is born free everywhere he is in chains یہ قول کس سے متعلق ہے؟

(a) ہابز (b) لاک (c) روسو (d) افلاطون

2. حالت فطری میں رہنے والے انسان کے لیے لفظ Noble Savage کا استعمال کس مفکر نے کیا؟

(a) لاک (b) روسو (c) ہابز (d) نتھم

3. لیویاتھن (Leviathan) مندرجہ ذیل میں کس کی کتاب ہے؟

(a) لاک (b) روسو (c) ہابز (d) ارسطو

4. یہ کس سیاسی مفکر کا قول ہے' State of Nature as Golden age' ۔

(a) لاک (b) ہابز (c) روسو (d) ارسطو

5. ''حکومت عوام کے اٹریسٹ کی تحفظ کے لیے عوام کے ذریعہ بنایا گیا تنظیم ہے اگر یہ عوام کے انریسٹ کو پوڑا نہیں کرتی تو اس کو اکھاڑ پھینک دینا چاہیے'' یہ قول کس کا ہے؟

(a)لاک (b)ہابز (c)روسو (d) ارسطو

6. لاک کے مطابق وہ کون سے ایسی چیزی تھی جس سے حالت فطری میں انسان سماجی معاہدہ کرنے کے لیے مجبور ہوئے۔

(a)ملکیت (b)زندگی (c)ترقی (d)ان میں سے کوئی

7. سماجی معاہدہ کے کس مفکر نے فرانسیسی انقلاب اور امریکہ کے دستور بنانے والوں کو متاثر کیا؟

(a)ہابز (b)لاک (c)روسو (d)میکاولی

8. روسو کی پیدائش کہاں ہوئی تھی؟

(a)جینیوا (b)فرانس (c)انگلینڈ (d)اٹلی

9. "The Origin of Inequality among Men" کے مصنف کون تھے؟

(a)ہابز (b)روسو (c)لاک (d)ان میں سے کوئی نہیں

10. پاپولر اقتدار اعلیٰ (Popular Sovereignty) لفظ کس مفکر نے دیا ہے؟

(a)ہابز (b)روسو (c)لاک (d)ارسطو

6.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1. حالت فطری سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. سماجی معاہدہ کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔
3. روسو کے سماجی معاہدہ کی اہمیت بتائیں۔
4. روسو اور ہابز کے سماجی معاہدہ میں کیا فرق ہے؟ مختصر طور پر بیان کیجیے۔

5. حالت فطری میں سماجی معاہدہ کیوں ہوا؟اس پر روشنی ڈلیے۔

6.13.3 طویل جواب کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. نظریہ سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔

2. ہابز،لاک اور روسو کے سماجی معاہدہ پر روشنی ڈالیئے۔

3. حالت فطری کیا ہے؟روسو کے نظریہ سماجی معاہدہ میں حالت فطری کیا تھی،اس پر روشنی ڈالیے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(a)	5۔	(c)	4۔	(c)	3۔	(b)	2۔	(c)	1۔
(b)	10۔	(b)	9۔	(a)	8۔	(b)	7۔	(a)	6۔

اکائی 7۔ کارل مارکس

(Karl Marx)

اکائی کے اجزاء

7.0	تمہید
7.1	مقاصد
7.2	مارکس اور مارکسزم
7.3	مارکس پر فکری اثرات
7.4	جدلیاتی مادیت
7.5	جدلیات کے قوانین
7.6	تاریخی مادیت
7.7	تاریخی مادیت کے عناصر
7.8	اکتسابی نتائج
7.9	کلیدی الفاظ
7.10	نمونہ امتحانی سوالات
7.10.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
7.10.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
7.10.3	طویل جوابات کے حامل سوالات

7.0 تمہید (Introduction)

کارل ہینرک مارکس ہینرک اور ہنریٹا مارکس کے فرزند تھے۔ وہ 5 مئی 1818 کو جرمن رائن لینڈ کے ٹریر میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد ہینرک مارکس قانون کی مشق کرتے تھے۔ ہینرک مارکس کا تعلق جرمنی کی چھوٹی لیکن وسیع پیمانے پر منتشر یہودی کمیونٹی سے تھا۔ کارل

مارکس ایک جرمن فلسفی تھا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر لکھا جس میں سرمایہ دارانہ طرز پیداوار، طبقاتی اور طبقاتی کشمکش، سیاسی معیشت، بیگانگی اور بہت سے دوسرے شامل ہیں جنہوں نے معاشیات، تاریخ، سیاسیات اور یقیناً سماجیات کے شعبوں میں بامعنی بصیرت فراہم کی ہے۔

مارکس نے فلسفہ، معاشیات، سیاست اور معاشرت کے مختلف مسائل پر اتنی وسعت کے ساتھ لکھا ہے کہ ان کے تمام پیچیدہ نظریات کو چند صفحات میں زیر بحث لانا مشکل ہے۔ ان مسائل کی ایک وسیع رینج کی وجہ سے جن پر انہوں نے لکھا ہے کہ کسی ایک شعبے کی سیدھی جیکٹ میں ہٹن ڈالنا اتنا ہی مشکل ہے۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں مارکس ہیگلی آئیڈیلزم کی طرف راغب ہوا لیکن اس نے جلد ہی اپنی دلچسپی ہیومنزم اور بالآخر سائنسی سوشلزم کی طرف موڑ دی۔

مارکس کی تیس سال کی تحریریں اور تقریریں بنیادی طور پر ملک کے خلاف تھیں جس نے آخر کار اس کے نظریات کا خیر مقدم کیا اور اسے جدید دور کا سب سے بڑا ہیرو بنا دیا۔ یہ ملک روس تھا۔ روسیوں نے لندن میں کارل مارکس سے ملاقات کی۔ انہوں نے ان کا استقبال کیا اور زندگی میں اپنے مشن کے بارے میں بات کی۔ اس کا مشن سرمایہ دارانہ سماج کو اکھاڑ پھینکنا تھا۔ اس نے روسی انقلابیوں کو متاثر کیا۔ خود اس نے اپنے دن لکھنے اور نوٹ بنانے میں گزارے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ،

- کارل مارکس کی حیات و خدمات کا مطالعہ کریں گے۔
- مارکس کے جدلیاتی مادیت تصور کو سمجھیں گے۔
- تاریخی مادیت کی تاریخ اور و ناصر کا جائزہ لیں گے۔
- جدلیات کے قوانین کو سمجھیں گے۔
- کارل مارکس پر مختلف فکری اثرات کا مطالعہ کریں گے۔

7.2 مارکس اور مارکسزم (Marx and Marxism)

مارکسزم سے مراد عام طور پر جرمن فلسفی کارل مارکس کے نظریات ہیں۔ لیکن مارکسزم کا مطلب صرف مارکس کے نظریات نہیں ہیں۔ اس میں مارکس، فریڈرک اینگلز اور ان کے حامیوں کے نظریات شامل ہیں، جو خود کو مارکسسٹ کہتے ہیں۔ اس طرح، مارکسزم سے مراد نظریات کا جسم ہے، جو بنیادی طور پر کارل مارکس کے نظریات پر مشتمل ہے۔ مارکسزم ایک زندہ فلسفہ ہے۔ مارکسی مفکرین مسلسل مارکسزم کے فلسفے میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ اس طرح کہا جاتا ہے کہ مارکس مر گیا لیکن مارکسزم ابھی زندہ ہے۔

مارکسزم کے بنیادی تصورات

مارکسزم کے بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

- جدلیاتی مادیت،
- تاریخی مادیت پرستی،
- سرپلس ویلیو کا نظریہ،
- طبقاتی جدوجہد،
- انقلاب،
- پرولتاریہ کی آمریت
- اشتراکیت

7.3 جدلیاتی مادیت (Dialectical Materialism)

جدلیاتی مادیت ایک سائنسی طریقہ کار ہے جسے مارکس اور اینگلز نے تاریخ کی تشریح کے لیے تیار کیا تھا۔ یہاں، مارکس نے اپنے پیشروؤں، خاص طور پر، جیمن فلسفی ہیگل سے بہت زیادہ قرض لیا ہے۔ جدلیات ایک بہت پرانا طریقہ کار ہے، جس کا استعمال متضاد خیالات کے تصادم کے ذریعے تضادات کو سامنے لا کر سچائی کو دریافت کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہیگل نے تھیسس، اینٹی تھیسس اور ترکیب کی تریی تیار کر کے اسے بہتر کیا۔ اسے جدلیاتی ٹرائیڈ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جدلیاتی عمل کے ذریعے ترقی یا نمو ہوتی ہے۔ ترقی کے ہر مرحلے میں، یہ تضادات کی طرف سے خصوصیات ہے. یہ تضادات مزید تبدیلیاں، پیشرفت اور ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ تھیسس کو اس کے اینٹی تھیسس کے ذریعہ چیلنج کیا گیا ہے۔ دونوں میں حق و باطل کے عناصر موجود ہیں۔ سچ دائمی ہے لیکن باطل عارضی ہے۔ تھیسس اور اینٹی تھیسس کے آنے والے تصادم میں، سچ باقی رہتا ہے، لیکن باطل عناصر تباہ ہو جاتے ہیں۔ یہ غلط عناصر تضادات کی تشکیل کرتے ہیں۔ تھیسس اور اینٹی تھیسس دونوں کے حقیقی عناصر ایک ترکیب میں ایک ساتھ مل جاتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ارتقائی ترکیب ایک تھیسس بن جاتی ہے اور اسی لیے اسے ایک بار پھر اس کے مخالف اینٹی تھیسس کے ذریعے چیلنج کیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ دوبارہ ایک ترکیب کی صورت میں نکلتا ہے۔ تھیسس، اینٹی تھیسس اور ترکیب کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ کمال کی منزل تک نہ پہنچ جائے۔ اس ارتقائی عمل میں، ایک مرحلہ آئے گا، جب کوئی باطل عناصر نہیں ہوں گے۔ یہ ارتقاء کے مختلف مراحل میں تباہ ہو جائیں گے۔ آخر کار، صرف سچ باقی رہتا ہے، کیونکہ یہ کبھی تباہ نہیں ہوتا۔ یہ کامل مرحلہ تشکیل دے گا اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہو گا اور اس طرح مزید ترقی نہیں ہو گی۔ جدلیاتی عمل کامل سچائی پر پہنچنے کے بعد ختم ہو جائے گا۔ یہ تضادات ہیں، جو جدلیاتی عمل کو آگے بڑھاتے ہیں اور تضادات کا مکمل خاتمہ جدلیاتی عمل کے خاتمے کی علامت ہے۔

مادیت کے لیے مارکس فرانسیسی مادیت پسندی کے مکتبہ فکر کا بہت زیادہ مقروض ہے۔ یہ معاملہ ہے، جو حتمی حقیقت ہے نہ کہ خیال۔ مؤخر الذکر سابقہ کا عکس ہے۔ ہم اپنی روٹی کیسے کماتے ہیں یہ ہمارے خیالات کا تعین کرتا ہے۔ مردوں کا شعور ان کے وجود کا تعین نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس ان کا سماجی وجود ان کے شعور کا تعین کرتا ہے۔ مارکس نے مشاہدہ کیا ہے کہ ''ہیگل کی جدلیات اپنے سر پر کھڑی تھی اور میں نے اسے پاؤں پر کھڑا کر دیا ہے''۔ ہیگل نے جدلیاتی آئیڈیلزم کو پروان چڑھایا۔ اس کے لیے، یہ خیال ہے، جو بالآخر اہمیت رکھتا ہے۔ آئیڈیا بنیاد یا ذیلی ڈھانچے میں ہوتا ہے، جو سپر اسٹرکچر میں ہر چیز کا تعین کرتا ہے۔ معاشرہ، سیاست، معیشت اس سپر اسٹرکچر میں ہے جو اس زمانے کے غالب خیالات سے تشکیل پاتا ہے۔ بالآخر یہ خیال ہے، جو اہمیت رکھتا ہے، اور باقی چیزیں صرف اس کی عکاسی ہوتی ہیں۔ مارکس نے خیال کو مادے سے بدل دیا۔ مارکس کے مطابق مادی یا معاشی قوتیں بنیادی ڈھانچے میں ہیں اور خیال سپر سٹرکچر کا ایک حصہ ہے۔ خیال مادی قوتوں کا عکس ہے۔ معاشی قوتیں خیال کا تعین کرتی ہیں نہ کہ اس کے برعکس۔ اس طرح مارکس نے خیال اور مادے کی پوزیشن کو الٹ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ ''ہیگل میں یہ الٹا تھا اور میں نے اسے درست کر دیا ہے''۔ بنیاد یا بنیادی ڈھانچہ پیداوار کی قوتوں اور پیداوار کے تعلقات پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں مل کر پیداوار کا طریقہ بناتے ہیں۔ جب ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے پیداواری قوتوں میں تبدیلی آتی ہے تو اس سے پیداواری تعلقات میں تبدیلی آتی ہے۔ اس طرح، پیداوار کے انداز میں تبدیلی سپر اسٹرکچر میں اسی طرح کی تبدیلی لاتی ہے۔ معاشرہ، سیاست، مذہب، اخلاق، اقدار، اصول وغیرہ سپر اسٹرکچر کا حصہ ہیں اور پیداوار کے طریقہ کار سے تشکیل پاتے ہیں۔

7.4 تاریخی مادیت (Historical Materialism)

تاریخی مادیت پرستی تاریخ کی تشریح پر جدلیاتی مادیت کا اطلاق ہے۔ یہ جدلیاتی مادیت کے مارکسی طریقہ کار کو لاگو کر کے عالمی تاریخ کی معاشی تشریح ہے۔ عالمی تاریخ کو چار مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے: قدیم کمیونزم، غلامی کا نظام، جاگیرداری اور سرمایہ داری۔ قدیم کمیونزم سے مراد انسانی تاریخ کا ابتدائی حصہ ہے۔ یہ بے جائیداد، استحصال سے پاک، طبقاتی اور بے ریاست معاشرہ تھا۔ پیداوار کے ذرائع پسماندہ تھے، کیونکہ ٹیکنالوجی غیر ترقی یافتہ تھی۔ کمیونٹی ذرائع پیداوار کی ملکیت تھی۔ وہ نجی ملکیت میں نہیں تھے اس لیے ان کا استحصال نہیں ہوا۔ پتھر شکار کے ہتھیار بنائے، ماہی گیری کے جال اور کانٹے پیداوار کا ذریعہ تھے۔ پوری کمیونٹی ان کی ملکیت تھی۔ پیداوار محدود تھی اور خود استعمال کے لیے تھی۔ کوئی زائد پیداوار نہیں تھی اس لیے کوئی نجی ملکیت نہیں تھی۔ چونکہ کوئی پرائیویٹ پراپرٹی نہیں تھی اس لیے استحصال نہیں تھا۔ چونکہ وہاں کوئی استحصال نہیں تھا، کوئی طبقاتی تقسیم نہیں تھی۔ چونکہ طبقاتی تقسیم نہیں تھی، اس لیے طبقاتی جدوجہد نہیں تھی۔ چونکہ طبقاتی جدوجہد نہیں تھی، ریاست نہیں تھی۔ اس طرح یہ ایک کمیونسٹ معاشرہ تھا لیکن قدیم قسم کا تھا۔ اگرچہ زندگی مشکل تھی، لیکن اس کی خصوصیت استحصال، تنازعات اور جدوجہد کی عدم موجودگی تھی۔

ٹیکنالوجی جامد نہیں ہے؛ یہ مسلسل تیار ہوتا ہے. تکنیکی ترقی کے نتیجے میں پیداوار میں بہتری آتی ہے۔ یہ فاضل پیداوار کی طرف جاتا ہے، جس کے نتیجے میں نجی ملکیت کا ظہور ہوتا ہے۔ پیداوار کے ذرائع اب کمیونٹی کے تحت نہیں بلکہ نجی ملکیت میں ہیں۔ اس طرح معاشرہ جائیداد کے مالک اور بے جائیداد طبقوں میں تقسیم ہے۔ ذرائع پیداوار کی ملکیت کی وجہ سے، جائیداد کا مالک طبقہ بے جائیداد طبقے کا استحصال کرتا ہے۔

معاشرے میں طبقاتی تقسیم اور استحصال طبقاتی جدوجہد کا باعث بنتا ہے۔ چونکہ طبقاتی کشمکش ہوتی ہے، غالب طبقہ، یعنی جائیداد کا مالک طبقہ منحصر طبقے کے اختلاف کو دبانے کے لیے ریاست کے نام سے ایک ادارہ بناتا ہے، وہ ہے بے جائیداد طبقہ۔ اس طرح ریاست ایک طبقاتی آلہ کار اور جبر کا ادارہ ہے۔ یہ اپنے خالق کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے، یعنی جائیداد کا مالک طبقہ۔

ابتدا میں یہ معاشرہ آقاؤں اور غلاموں میں بٹا ہوا ہے۔ آقا مالک ہیں اور غلام نہیں ہیں۔ غلام پیداوار کے تمام کام انجام دیتے ہیں۔ آقا غلاموں کی محنت پر جیتے ہیں۔ وہ غلاموں کا استحصال کرتے ہیں اور جب بھی غلام ناراض ہوتے ہیں تو ریاست آقاؤں کو بچانے کے لیے آتی ہے۔ اس طرح، ریاست ماسٹر کلاس کے مفادات کی خدمت کرتی ہے. یہ غلاموں کی آواز کو دبانے کے لیے اپنی زبردستی طاقتوں کا استعمال کرتا ہے۔

جاگیرداری کے ذریعے غلامانہ نظام کامیاب ہوتا ہے۔ تکنیکی ترقی ذرائع پیداوار میں تبدیلیوں کا باعث بنتی ہے اور اس سے پیداوار کے تعلقات اور سپر اسٹرکچر میں یکساں تبدیلیاں آتی ہیں۔ غلامانہ نظام کی جگہ جاگیردارانہ طرز پیداوار نے لے لی ہے اور یہ معاشرے، سیاست، اخلاقیات اور اقدار کے نظام میں جھلکتی ہے۔ جاگیرداروں اور کسانوں میں سماج کی تقسیم جاگیرداری کی خصوصیت ہے۔ جاگیردار پیداوار کے ذرائع یعنی زمین کے مالک ہیں، لیکن پیداوار کا کام کسان انجام دیتے ہیں۔ زمین کی ملکیت کی وجہ سے، جاگیردار بغیر کچھ کیے پیداوار کا بڑا حصہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس طرح جاگیردار طفیلیوں کی طرح ہیں، جو کسانوں کی محنت پر پھلتے پھولتے ہیں۔ جاگیردار کسانوں کا استحصال کرتے ہیں اور اگر کسان کبھی ان کے استحصال کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں تو ان کی مزاحمت کو ریاست بے رحمی سے کچل دیتی ہے جو جاگیرداروں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے اور ان کی خدمت کرتی ہے۔ کسان ایک منحصر اور استحصال زدہ طبقہ ہے، جب کہ آقا ایک غالب اور استحصالی طبقہ ہے۔

سرمایہ داری جاگیرداری کو کامیاب کرتی ہے۔ تکنیکی ترقی جاری رہتی ہے اور اسی طرح پیداواری قوتوں میں تبدیلی آتی ہے، جس سے پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان مماثلت پیدا ہوتی ہے، جسے بورژوا انقلاب کے ذریعے حل کیا جاتا ہے۔ اس طرح پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان تضاد دور ہو جاتا ہے۔ پیداوار کے جاگیردارانہ انداز کی جگہ سرمایہ دارانہ پیداوار نے لے لی ہے۔ بورژوا اور پرولتاریہ طبقے میں سماج کی تقسیم سرمایہ داری کی خصوصیت ہے۔ بورژوا طبقہ پیداوار کے ذرائع کا مالک ہے، لیکن پرولتاریہ طبقہ پیداوار کو چلاتا ہے۔ پرولتاریہ صنعتی مزدور ہیں۔ وہ معمولی اجرت کے عوض اپنی محنت بیچ دیتے ہیں۔ یہ عموماً اجرت ہے، جو صرف ان کی اور ان کے خاندانوں کی کفالت کے لیے کافی ہوتی ہے، تاکہ مزدور قوت کی بلا تعطل فراہمی کو برقرار رکھا جا سکے۔ پیداوار نفس کے استعمال کے لیے نہیں بلکہ منافع کے لیے ہے۔ زیادہ سے زیادہ منافع کی خواہش اجرتوں میں کمی اور کام کے اوقات میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ اس سے محنت کش طبقے کی حالت مزید بگڑ جاتی ہے، جسے بالآخر ایک ایسی صورت حال میں دھکیل دیا جاتا ہے، جہاں اس کے پاس اپنی زنجیروں کے علاوہ کھونے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ پرولتاریہ انقلاب کی راہ ہموار کرتا ہے۔

7.5 نظریہ زائد قدر (Theory of Surplus Value)

مارکس نے سرمایہ دارانہ سماج میں استحصال کی وضاحت کے لیے زائد قیمت کا نظریہ تیار کیا ہے۔ یہاں مارکس کلاسیکی ماہرین اقتصادیات کے نظریات سے متاثر تھا۔اس نے قدر کے لیبر تھیوری کو سبسکرائب کیا۔ کسی شے کی قیمت کا تعین اس کی پیداوار میں استعمال ہونے والی محنت کی مقدار سے ہوتا ہے۔ محنت بھی ایک شے ہے۔اسے دوسری اشیاء کی طرح خریدا اور بیچا جا سکتا ہے۔ پیداوار کے چار عوامل میں سے محنت سب سے اہم ہے۔اس کی غیر موجودگی میں، پیداوار کے دیگر عوامل بیکار ہیں. زمین، سرمایہ اور تنظیم پیداوار کے دوسرے عوامل ہیں۔ یہ پیداوار کے ان عوامل پر محنت کا اطلاق ہے، جو انہیں پیداواری بناتا ہے۔ مزدوری کی غیر موجودگی میں، وہ جراثیم سے پاک ہیں.

اگر مزدور کی تخلیق کردہ قدر کے تناسب سے اجرت دی جائے تو استحصال نہیں ہوتا، لیکن سرمایہ داری میں ایسا نہیں ہے۔ لیبر اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ اس کی دیکھ بھال کے لیے ضرورت سے زیادہ قدر پیدا کرتی ہے۔ مزدور کی تخلیق کردہ قدر اور مزدور کو ادا کی جانے والی قیمت کے درمیان فرق، بطور اجرت، سرمایہ دار کے منافع اور اضافی قدر کو تشکیل دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، اگر کسی کارکن نے روپے کی قیمت بنائی ہے۔ ایک ماہ میں 25,000 روپے ادا کیے گئے ہیں۔ 15,000 بطور اجرت، پھر باقی روپے۔ 10,000 سرمایہ دار کا منافع ہوگا۔ اس طرح، کارکن ہمیشہ اس سے زیادہ قیمت پیدا کرتا ہے جتنا اسے اصل میں ادا کیا جاتا ہے۔ مزدور کی طرف سے پیدا کردہ یہ اضافی قدر بورژوا کا منافع ہے، جس کا کلاسیکی ماہر معاشیات نے دفاع کیا ہے، کیونکہ یہ سرمایہ جمع کرنے کا باعث بنتا ہے، جو نئی صنعتوں اور اداروں میں مزید سرمایہ کاری کرتا ہے اور ترقی اور خوشحالی کا باعث بنتا ہے۔ مارکسسٹوں کے لیے یہ مزدوروں کا استحصال ہے، جسے ختم کرنا ہوگا۔ سرمایہ داری کی ترقی اور مسابقت میں اضافے کے ساتھ مزدوروں کی اجرتیں مسلسل گرتی چلی جاتی ہیں اور روزی کی سطح تک پہنچ جاتی ہیں۔ گزارہ اجرت کم از کم ممکنہ اجرت ہے۔اس سے آگے اجرت کم نہیں ہو سکتی۔ یہ مزدور قوت کی بقا اور اسے برقرار رکھنے کے لیے کم سے کم ممکنہ اجرت ہے۔اس طرح سرمایہ داری میں گلے کاٹنا مقابلہ پرولتاریہ کی بہتات کے بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔اس سے طبقاتی جدوجہد تیز ہوتی ہے اور آخر کار انقلاب کی طرف لے جاتی ہے۔

7.6 طبقاتی جدوجہد (Class Struggle)

مارکس کے مطابق، اب تک کے تمام معاشرے کی تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ رہی ہے۔ قدیم کمیونسٹ مرحلے کے علاوہ، تمام تاریخی دور غالب اور منحصر طبقوں یا حامل اور نہ رکھنے والوں کے درمیان دشمنی کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ یہ دشمنی طبقاتی تضادات کی وجہ سے ہے۔ یہ جائیداد سے کم طبقے کے جائیداد کے مالک طبقے کے استحصال کا نتیجہ ہے۔ پوری تاریخ میں، ہر دور میں دو متضاد طبقات رہے ہیں۔ غلامی کے نظام میں، وہ آقا اور غلام تھے، جاگیرداری میں، جاگیردار اور کسان اور سرمایہ داری میں، بورژوا اور پرولتاریہ۔ آقا، جاگیردار اور بورژوا ذرائع پیداوار کے مالک ہیں۔

تاہم، یہ غلام، کسان اور پرولتاریہ ہیں، جو پیداوار کرتے ہیں، لیکن ان کی پیداوار ان کے استحصال کرنے والے چھین لیتے ہیں اور بدلے میں، انہیں ان کی بقا کے لیے کافی دیا جاتا ہے۔ ذرائع پیداوار کی ملکیت کی وجہ سے، جائیداد کا مالک طبقہ بے جائیداد طبقے کا استحصال کرتا ہے۔ یہی طبقاتی جدوجہد کا اصل ذریعہ اور سبب ہے۔ متضاد طبقات کے مفادات ناقابل مصالحت ہیں۔ مقابلہ کرنے والے طبقوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ یا میل جول ممکن نہیں ہے۔ ہر دور کے متحارب طبقات کے موروثی تضادات کو استحصالی طبقات کے خاتمے سے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔

انقلاب (Revolution)

طبقاتی جدوجہد انقلاب کی راہ ہموار کرتی ہے۔ طبقاتی جدوجہد ناقابل فہم ہے، لیکن انقلاب قابل ادراک ہے۔ طبقاتی جدوجہد کی شدت انقلاب کے لیے زمین تیار کرتی ہے۔ طبقاتی جدوجہد ایک لمبا معاملہ ہے، لیکن انقلاب مختصر، تیز اور پر تشدد ہوتا ہے۔ مارکس کے الفاظ میں، 'انقلاب سماجی تبدیلی کی ناگزیر مڈوائف ہے'۔ ایک تاریخی مرحلے سے دوسرے مرحلے میں منتقلی انقلاب کے ذریعے ہوتی ہے۔ جاگیردارانہ انقلاب نے غلامی کے نظام کا خاتمہ کیا۔ بورژوا انقلاب نے جاگیرداری کا خاتمہ کیا اور پرولتاریہ انقلاب سرمایہ داری کا خاتمہ کرے گا۔ اس طرح، سماجی تبدیلی لانے والا کوئی بھی دور ہمیشہ انقلاب کے ذریعے لایا جاتا ہے۔ انقلاب اس وقت آتا ہے جب پیداوار کے ذرائع یا قوتوں اور پیداوار کے تعلقات کے درمیان عدم مطابقت ہو۔ اس عدم مطابقت کو دور کرنے کے لیے، انقلاب برپا ہوتا ہے، جو پیداوار کے تعلقات اور سپر اسٹرکچر میں اسی طرح کی تبدیلیاں لاتا ہے تاکہ اسے قوتوں یا ذرائع پیداوار سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔ تکنیکی ترقی ذرائع پیداوار میں تبدیلی لاتی ہے۔ ہینڈ مل آپ کو جاگیردار کے ساتھ ایک معاشرہ دیتی ہے، اور سٹیم مل، صنعتی سرمایہ دار والا معاشرہ۔

پرولتاری انقلاب تاریخ کا آخری انقلاب ہوگا۔ انقلاب تضادات کو دور کرنے کے لیے آتا ہے۔ تو انقلاب نہیں آئے گا، اگر معاشرے میں تضاد نہ ہو۔ پرولتاری انقلاب کے بعد، کوئی اور انقلاب نہیں آئے گا، کیونکہ کوئی تضاد نہیں ہوگا۔ تاہم انقلاب اسی وقت آئے گا جب پیداواری قوتیں پوری طرح پختہ ہو جائیں گی۔ انقلاب کو آگے بڑھایا ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس وقت ہوگا جب پیداواری قوتیں پختہ ہو جائیں اور پیداوار کے تعلقات سے میل نہ کھا سکیں۔ انقلاب اس عدم مطابقت کو ختم کرتا ہے۔ سماجی ارتقاء کی ترتیب اور سمت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی مرحلہ کسی دوسرے مرحلے کو اوور لیپ نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی سٹیج شارٹ سرکٹ نہیں ہو سکتا۔ قدیم کمیونزم غلامی کے نظام کی طرف لے جائے گا، غلامی کا نظام جاگیرداری کی طرف اور جاگیرداری کو سرمایہ داری کی طرف لے جائے گا۔ پرولتاریہ یا سوشلزم کی آمریت سرمایہ داری کو کامیاب کرے گی، جو سماجی ارتقا کا آخری مرحلہ ہے۔ پرولتاریہ کی آمریت بالآخر کمیونزم کے قیام کا باعث بنے گی۔ پرولتاریہ انقلاب کے ساتھ ہی انقلاب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

پرولتاریہ کی آمریت (Dictatorship of Proletariat)

پرولتاریہ انقلاب پرولتاریہ کی آمریت کے قیام کا باعث بنے گا۔ اسے سوشلسٹ ریاست کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ بورژوا نے پرولتاریہ پر جبر کرنے کے لیے جو ریاستی ساز و سامان بنایا ہے وہ خود پرولتاریہ کے قبضے میں آجائے گا۔ اب میز کا رخ موڑ دیا جائے گا اور پرولتاریہ ریاستی

آلات کو بورژوا کے خلاف استعمال کرے گا۔ بورژوا پرانے نظام کو بحال کرنے کے لیے ایک ردِ انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں گے اور اس لیے بورژوا کو روکنے کے لیے ریاست کے زبردستی اداروں کی ضرورت ہے۔

ریاست ہمیشہ سے جبر کا آلہ کار رہی ہے۔ زیرک طبقے پر جبر کرنے کے لیے غالب طبقے نے ریاست بنائی ہے۔ یہ ایک کلاس کا آلہ ہے۔ ریاست اپنے خالق کے مفادات کی حفاظت اور خدمت کرتی ہے، جو کہ جائیداد کا مالک طبقہ ہے۔ یہ طبقہ ہمیشہ اقلیت میں رہا ہے چاہے وہ آقاہوں یا جاگیردار یا سرمایہ دار۔ اس طرح ایک اقلیت ریاست کے جبر کے ذریعے اکثریت یعنی غلاموں یا کسانوں یا پرولتاریہ پر ظلم کرتی رہی ہے۔ پرولتاریہ کی آمریت میں پہلی بار ریاست اکثریت کے کنٹرول میں آتی ہے۔ اب پہلی بار ریاست کا جبر کا آلہ اکثریت اقلیت کے خلاف استعمال کر رہی ہے۔

مارکس کے مطابق، تمام ریاستیں آمریتیں رہی ہیں اور اس لیے سوشلسٹ ریاست بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ بھی ایک آمریت ہے۔ ریاست کو ہمیشہ ایک طبقے نے دوسرے طبقے کو دبانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ سوشلسٹ ریاست میں پرولتاریہ طبقہ ریاست کے جبری اعضاء جیسے فوج، پولیس، جیل، عدالتی نظام وغیرہ کو بورژوا طبقے کے خلاف استعمال کرے گا۔ مارکس کا استدلال ہے کہ اگر جمہوریت کا مطلب اکثریت کی حکمرانی ہے، تو پرولتاریہ ریاست سب سے زیادہ جمہوری ریاست ہے، کیونکہ تاریخ کی تاریخ میں پہلی بار اقتدار اکثریت کے ہاتھ میں آتا ہے۔ پرولتاریہ ریاست سے پہلے اقتدار ہمیشہ اقلیت کے ہاتھ میں رہا ہے۔ لہٰذا اگر اکثریت کی حکمرانی کا معیار ہے تو صرف پرولتاریہ ریاست ہی کو جمہوری ریاست کہا جا سکتا ہے

اشتراکیت (Socialism/Communism)

پرولتاریہ کی آمریت کی زندہ نگہداشت کے تحت، سوشلسٹ ریاست کمیونزم کی شکل میں پھولے گی۔ سوشلزم ایک عبوری مرحلہ ہے۔ یہ کمیونزم کے حتمی طور پر ابھرنے کی راہ ہموار کرے گا۔ جو مستحکم اور دائمی ہو۔ یہ سماجی ارتقا کا مرحلہ ہوگا۔ کمیونزم کے قیام کے بعد مزید کوئی سماجی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جدلیاتی عمل اپنے اختتام کو پہنچے گا۔ دشمنیوں اور تضادات سے پاک ایک کامل عقلی سماجی نظام قائم ہوگا۔ کوئی طبقاتی تضاد نہیں ہوگا اور نہ ہی طبقاتی جدوجہد ہوگی۔ درحقیقت کمیونزم ایک طبقاتی، بے ریاست، نجی جائیداد کے بغیر اور استحصال سے پاک معاشرہ ہوگا۔ کمیونسٹ معاشرے میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کی صورت میں کوئی نجی ملکیت نہیں ہوگی۔ ذرائع پیداوار کمیونٹی کی ملکیت میں ہوں گے۔ کمیونسٹ معاشرے کی بنیاد تعاون اور مقابلہ نہیں ہوگا۔ پیداوار کھپت کے لیے ہوگی منافع کمانے کے لیے نہیں۔ منافع کا مقصد سماجی ضروریات سے بدل دیا جائے گا۔ چونکہ کوئی پرائیویٹ پراپرٹی نہیں ہوگی اس لیے استحصال نہیں ہوگا۔ چونکہ کوئی استحصال نہیں ہوگا، اس لیے کوئی طبقاتی تقسیم نہیں ہوگی، کوئی جائیداد کا مالک اور بے جائیداد طبقہ نہیں ہوگا، نہ کوئی حامل ہے اور نہ ہے اور نہ ہی کوئی غالب اور منحصر طبقہ ہوگا۔ چونکہ کوئی طبقاتی تقسیم نہیں ہے، کوئی طبقاتی جدوجہد نہیں ہے اور اس لیے ریاست کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ معاشرہ ایک طبقاتی اور بے ریاست معاشرہ ہوگا۔

ریاست استحصال کا آلہ کار ہے۔ یہ ایک طبقاتی آلہ کار ہے اور معاشرے میں طبقاتی تقسیم کا نتیجہ ہے۔ چونکہ کمیونزم میں محنت کشوں کا صرف ایک طبقہ ہے اور کوئی دوسرا طبقہ دبانے یا جبر کرنے کے لیے نہیں، اس لیے ریاست کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کمیونسٹ معاشرے میں یہ بے کار ہو جائے گا۔ اسے میوزیم میں بھیج دیا جائے گا۔ تاہم، ریاست کو توڑا نہیں جائے گا؛ یہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا.

کمیونسٹ معاشرہ لوئیس بلین کے اصول کے تحت چلایا جائے گا کہ 'ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق'۔ پرجیویوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو گی۔ جو کام نہیں کرے گا وہ بھی نہیں کھائے گا۔ کارکنوں کا ایک ہی طبقہ ہو گا۔ پورا معاشرہ محنت کش طبقے میں تبدیل ہو جائے گا۔ استحصال کی کوئی جگہ نہیں ہو گی۔ یہ ایک مساوی معاشرہ ہو گا۔ لوگوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو گی۔

7.7۔ مارکس پر فکری اثرات (Ideological Influences on Marx)

مارکس کے کام کو اس فکری سیاق و سباق کی روشنی میں مناسب طور پر سمجھا جا سکتا ہے جہاں سے یہ ابھرا ہے۔ یہ ہیں:

جرمن فلسفہ اور آئیڈیلزم

- مادیت پسند نقطہ نظر
- سیاسی معیشت کا تناظر

جرمن فلسفہ اور آئیڈیلزم (German Philosophy and Idealism)

مارکس اپنے دنوں کے جرمن فلسفے اور آئیڈیلزم سے زیادہ متاثر تھے۔ خاص طور پر جارج ولہیم فریڈرک ہیگل اور لڈوگ فیوربا خ کا اثر ان کی تحریروں میں نمایاں ہے۔ ہیگل کے نظریات آئیڈیلسٹ فلسفے کے وسیع فریم ورک میں واقع ہو سکتے ہیں۔ عام معنوں میں، آئیڈیلسٹ فلسفہ نظریات پر زور دیتا ہے یعنی سماجی تبدیلی کو سمجھنے کی وجہ۔ مزید، ہیگل تین عناصر کے لحاظ سے جدلیات کی وضاحت کرتا ہے: تھیسس، اینٹی تھیسس اور ترکیب۔ تھیسس کسی بھی وقت معاشرے میں رائج خیالات کی غالب شکل ہے جسے 'سچ' سمجھا جاتا ہے۔ Antithesis خیالات کا متضاد مجموعہ ہے جو ایک مدت کے ساتھ وضع کیا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ، تھیسس اور اینٹی تھیسس ترکیب کی صورت میں آپس میں مل جاتے ہیں۔ مناسب وقت میں، یہ ترکیب تھیسس کے طور پر کام کرتی ہے۔ نئے مقالے کی مخالفت کرنے سے نئی ضد پیدا ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں نئی ترکیب پیدا ہوتی ہے۔ مارکس نے ہیگل کے جدلیات کے نظریے کو قبول کیا لیکن نظریات پر زور دینے سے اتفاق نہیں کیا۔ نظریات کے بجائے مارکس نے مادی قوتوں کو لایا اور جدلیاتی مادیت کا نظریہ تیار کیا۔

مارکس کو متاثر کرنے والی تحریروں کا ایک اور مجموعہ لڈوگ فیوربا خ کی طرف سے آیا جو ایک جرمن فلسفی تھا۔ جبکہ ہیگل کا خیال تھا کہ 'حقیقی انسان' الٰہی سے نکلتا ہے، فیوربا خ نے دلیل دی کہ 'حقیقی انسان' وہ ہے جو 'حقیقی، مادی دنیا' میں رہتا ہے۔ Feuerbach کے مطابق، انسان

خدا کی ایک ایسی تصویر بناتے ہیں جس میں وہ مثالی خصوصیات بیان کرتے ہیں جو وہ حاصل نہیں کر سکتے۔ انسان خدا جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ تاہم اس عمل میں وہ انسانی خوبیوں کی قدر نہیں کر پاتے اور اس لحاظ سے مذہبی بیگانگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس چیز نے مارکس کو فیور باخ کے نظریات کی طرف راغب کیا وہ مذہب کی مادی بنیادوں پر زور تھا۔

مادیت پسند نقطہ نظر (Materialistic Perspective)

مارکس کے مطابق معاشرے کی ساخت اور ترقی اس معاشرے کے مادی حالات یا معاشی عوامل سے مشروط ہوتی ہے۔ مادیت کے تصور جیسا کہ مارکس نے دیا ہے اس کا موازنہ آئیڈیل ازم سے کیا جا سکتا ہے جو ہیگل سے بہت زیادہ وابستہ ہے۔ جب کہ، آئیڈیلزم ایک نظریہ سے مراد ہے کہ حتمی حقیقت کو تصورات کے ذریعے سمجھا اور تشریح کیا جا سکتا ہے، مادیت پسندی دلیل دیتی ہے کہ ہر چیز، جو موجود ہے، مادے پر منحصر ہے۔ یہ انسانی وجود کے حقیقی حالات کا مطالعہ کرتا ہے۔

تاریخی مادیت کے بڑے اصول یہ ہیں: (i) معاشرے کا معاشی ڈھانچہ سب سے اہم ہے۔ (ii) معیشت معاشرے میں سیاست اور ثقافت کا تعین کرتی ہے۔ اور (iii) نظریات کے بجائے معاشی ڈھانچہ سیاسی اور قانونی سپر اسٹرکچر کا تعین کرتا ہے۔ سماج کے بارے میں مارکس کے تجزیہ کا مرکز مادیت پسندانہ نقطہ نظر ہے۔

سیاسی معیشت کا تناظر (Political Economy Perspective)

سیاسی معیشت سے مراد سیاست اور معیشت کے درمیان انٹرفیس ہے۔ اس لحاظ سے سیاست اور معاشیات کو ایک دوسرے سے لازم و ملزوم سمجھا جاتا ہے۔ سیاسی معیشت اس سوال کو حل کرتی ہے: سیاست اور پالیسیاں کس طرح معاشی نتائج پر اثر انداز ہوتی ہیں، اینگلز نے سیاسی معیشت کی وضاحت ان قوانین کے حوالے سے کی ہے جو پیداوار اور تبادلے کے 'مالی ذرائع' کو کنٹرول کرتے ہیں۔ تاہم مارکس نے سیاسی اقتصادیات کے تصور پر بحث نہیں کی بلکہ اس پر تنقید کی ہے۔ گڈنس (1998) نے سیاسی معیشت پر دو اہم تنقیدوں کا ذکر کیا ہے جو مارکس نے تجویز کی ہیں۔ پہلا اس بنیادی مفروضے پر حملہ کرتا ہے کہ پیداوار کی شرائط جو سرمایہ داری کی خصوصیت ہیں معیشت کی تمام شکلوں میں پائی جا سکتی ہیں۔ دوسری تنقید ہر چیز کو اقتصادی قدر اور اقتصادی تعلقات تک کم کرنے کے ماہرین اقتصادیات کے طرز عمل پر حملہ کرتی ہے۔ ان کے لیے 'اشیاء'، 'قیمتیں' وغیرہ انسانی مداخلت سے آزاد ہیں۔ مارکس نے دلیل دی کہ پیداوار کے سرمایہ دارانہ انداز میں منافع کا بڑا حصہ سرمایہ دار (یعنی وہ لوگ جو زمین اور سرمائے کے مالک ہیں) چھین لیتے ہیں۔ مزدوروں کے پاس دونوں پر کنٹرول نہیں ہے: پیداواری عمل اور ان کی پیدا کردہ اشیاء۔ وہ جو کچھ پیدا کرتے ہیں اس سے وہ تعلق نہیں رکھ پاتے۔ اسی کو مارکس نے محنت کشوں کی 'ایلینیشن' کہا ہے۔ مارکس کے مطابق، ہر شے کو اس کے ساتھ 'قدر کا استعمال' اور 'تبادلہ کی قدر' سے منسلک قیمت ہوتی ہے۔ اجناس کی استعمال کی قیمت اس کی کھپت میں ہوتی ہے اور ایکسچینج ویلیو کسی پروڈکٹ کی قدر کو ظاہر کرتی ہے جب اسے دوسری مصنوعات کے ساتھ تبدیل کیا جاتا ہے۔

7.8 جدلیاتی مادیت (Dialectical Materialism)

لفظ 'جدلیات' سے مراد مکالمے کے ذریعے فکری بحث کا ایک طریقہ ہے۔ یہ منطق کی اصطلاح ہے۔ یونانی فلسفی ارسطو (384-322 قبل مسیح) کے مطابق، اس نے سوال و جواب کے ذریعے ڈیپوٹیشن کے فن کا حوالہ دیا۔ ارسطو سے پہلے ایک اور یونانی فلسفی افلاطون (427-397 قبل مسیح) نے اس اصطلاح کو اپنے نظریات کے حوالے سے تیار کیا۔ افلاطون سے پہلے بھی، ایک اور یونانی فلسفی سقراط (470-390 قبل مسیح) نے اس اصطلاح کو تمام علوم کی پشت پر موجود مفروضوں کو جانچنے کے لیے استعمال کیا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جدلیات صعودی اور نزولی شکلوں میں استدلال کا عمل ہے۔ جدلیات کی صعودی شکل میں، کوئی ایک اعلیٰ حقیقت کے وجود کو ظاہر کرنے کے قابل ہوتا ہے، مثلاً، خدا کی شکلیں۔ جدلیات کی نزولی شکل میں، کوئی شخص حسی تجربے کی غیر معمولی دنیا میں ایک اعلیٰ حقیقت کے مظہر کی وضاحت کرنے کے قابل ہے۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ کارل مارکس نے 'جدلیات' کی اصطلاح کو کس طرح استعمال کیا، ہمیں یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مارکس نے اپنے جدلیاتی مادیت کے تصور کو جرمن فلسفی ہیگل کے نظریات پر تنقید کی بنیاد پر تیار کیا۔ مارکس ابتدا میں ہیگل کے فلسفے سے متاثر تھا لیکن بعد میں اس نے اس کی آئیڈیلسٹ فطرت کی وجہ سے اس پر تنقید کی اور اپنی جدلیاتی مادیت کا پرچار کیا۔ مارکس نے ہیگل پر تنقید کی کہ جدلیات کے قوانین کو مادی وجود کے بجائے شعور سے اخذ کیا گیا۔ اس نکتے پر مارکس نے کہا کہ سائنسی اعتبار سے درست جدلیاتی طریقہ حاصل کرنے کے لیے، ہیگلی جدلیات کی منطق کو بالکل الٹنا ہوگا۔ مارکس نے اپنی جدلیاتی مادیت میں یہی کیا، جہاں ہیگل کے تضاد میں، اس نے کہا کہ یہ وہ معاملہ ہے جو شعور اور خیال کا اعلیٰ اور متعین ہے اور اس کے برعکس نہیں۔

- جدلیات کے قوانین (Laws of Dialectics)

مارکس کی طرف سے تیار کردہ جدلیاتی مادیت، ہیگلی جدلیات کے متضاد ہے۔ یہ مادے کے تضادات کے لحاظ سے ہر چیز کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جدلیاتی مادیت فطری اور سماجی تبدیلی کے لیے تجریدی قوانین فراہم کرتی ہے۔ مابعد الطبیعیات کے برعکس، اس کا ماننا ہے کہ فطرت میں، چیزیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں، ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور متعین ہیں۔ یہ فطرت کو ایک اٹوٹ کلی کے طور پر سمجھتا ہے۔ جدلیاتی مادیت یہ اعلان کرتی ہے کہ حقیقت کا قانون تبدیلی کا قانون ہے۔ غیر نامیاتی فطرت اور انسانی دنیا میں مسلسل تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ ابدی جامد کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ تبدیلیاں بتدریج نہیں ہیں بلکہ ایک پر تشدد، انقلابی تبدیلی ہے۔ مارکس کے ساتھی فریڈرک اینگلز نے جدلیاتی مادیت کے درج ذیل تین بڑے قوانین پیش کیے ہیں۔

- اتحاد اور مخالفوں کے تصادم کا قانون
- نفی کی نفی کا قانون
- معیار میں مقدار کی منتقلی کا قانون

اتحاد اور مخالفوں کے تصادم کا قانون (The Law of the Unity and Conflict of Opposites)

یکجہتی اور مخالفوں کے تصادم کا قانون جدلیات کا مرکز ہے۔ یہ قانون مادّی دنیا کی ابدی حرکت اور ترقی کے ذرائع، حقیقی اسباب کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ کسی چیز یا مظاہر کے اندرونی پہلو، رجحانات، قوتیں ہیں، جو ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کا قیاس کرتے ہیں۔ ان متضاد رجحانات یا تضادات کا لازم و ملزوم باہمی ربط مخالفوں کے اتحاد کا ذمہ دار ہے۔ دنیا کی اشیاء اور مظاہر کا یہ تضاد عمومی، آفاقی نوعیت کا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز یا مظاہر ایسی نہیں جس کو متضاد میں تقسیم نہ کیا جا سکے۔ یہ مخالف ایک ساتھ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر ناقابل تصور ہے۔ تاہم، یہ مخالف ایک چیز میں پرامن طور پر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے: متضاد، متضاد، باہمی طور پر خصوصی کردار لازمی طور پر ان کے درمیان کشمکش کا باعث بنتا ہے۔ پرانے اور نئے، ابھرتے ہوئے اور متروک کو تصادم میں آنا چاہیے۔

نفی کی نفی کا قانون (Law of Negation)

'نفی' کی اصطلاح فلسفہ میں ہیگل نے متعارف کروائی تھی لیکن ایک مثالی معنی کے ساتھ۔ ہیگل کا خیال تھا کہ نفی خیال، فکر کی نشوونما میں موجود ہے۔ مارکس نے ہیگل پر تنقید کی اور نفی کی ایک مادیت پسند تشریح کی۔ اس نے ظاہر کیا کہ نفی خود حقیقت کی ترقی کا ایک لازمی حصہ ہے۔ مارکس نے لکھا، ''کسی بھی شعبے میں اپنے سابقہ وجود کی نفی کیے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی۔''

مثال کے طور پر، زمین کی پرت کی ترقی میں کئی ارضیاتی دور گزرے ہیں، ہر ایک نیا دور، جو پچھلے دور کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے، پرانے کی ایک خاص نفی کی نمائندگی کرتا ہے۔ حیوانات کی دنیا میں بھی پرانی نسل کی بنیاد پر پیدا ہونے والی ہر نئی نسل ایک ہی وقت میں اس کی نفی کرتی ہے۔ معاشرے کی تاریخ بھی نئے کے ذریعے پرانے سماجی نظام کی نفی کی ایک زنجیر پر مشتمل ہے: جیسا کہ ریمنڈ آرون (1965) نے کہا، سرمایہ داری جاگیردارانہ سماج کی نفی ہے، اور سوشلزم سرمایہ داری کی نفی ہے یعنی نفی کی نفی۔ علم اور سائنس کے دائرے میں بھی، ہر نیا سائنسی نظریہ پرانے نظریات کی نفی کرتا ہے، مثال کے طور پر، بوہن کے ایٹم کے نظریے نے ڈالٹن کے مالیکیولر تھیوری کی نفی کی یا ڈارون کی تھیوری نے انسانی ارتقا کے بارے میں پہلے کی قیاس آرائیوں کی نفی کی۔ نفی اندرونی تضادات کے ذریعے پرانے پر قابو پانا ہے، جو خود ترقی، اشیاء اور مظاہر کی خود حرکت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح، سوشلزم سرمایہ داری کی جگہ لینے کے لیے آتا ہے کیونکہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندرونی تضادات کو حل کرتا ہے۔

معیار میں مقدار کی منتقلی کا قانون (The Law of the Transformation of Quantity into Quality)

فطرت میں، ہر چیز مسلسل حرکت اور تبدیلی کی حالت میں ہے. کچھ چیزیں پیدا ہو رہی ہیں یا وجود میں آ رہی ہیں جب کہ کچھ چیزیں ترقی کر رہی ہیں، اور/یا زوال پذیر ہیں اور کچھ چیزیں ایک مقررہ وقت پر مر رہی ہیں یا وجود سے باہر ہو رہی ہیں۔ اس کا مطلب ہے مسلسل بہاؤ کی حالت۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا، مارکس کا خیال تھا کہ حقیقت کا قانون تبدیلی کا قانون ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تبدیلی کی نوعیت کیا ہے۔ یہ کیسی

تبدیلی ہے؟ یہ قانون اس خاص سوال کا جواب دیتا ہے۔ اس قانون کے مطابق تبدیلی کا عمل سادہ یا بتدریج نہیں ہے بلکہ یہ مقداری پیشرفت کا نتیجہ ہے جس کے نتیجے میں کسی خاص لمحے میں جب بالغ حالات موجود ہوں تو تجریدی معیاری تبدیلیاں آتی ہیں۔ واقعات کی تکرار کبھی نہیں ہوتی۔ یہ تبدیلی ہمیشہ نچلے سے اعلی، سادہ سے پیچیدہ، حقیقت کی یکسانیت سے متضاد سطح تک ہوتی ہے۔ در حقیقت یہ مقداری تبدیلیاں فطرت کی ہر چیز میں متواتر ہوتی رہتی ہیں اور ہر عمل کی نوعیت سے متعین حد تک پہنچ جاتی ہیں، جس کے بعد ایک چھلانگ لا محالہ واقع ہوتی ہے۔ جس حد سے آگے مسلسل تبدیلی میں خلل پڑتا ہے اسے پیمائشی فلسفہ کہا جاتا ہے۔ یہ چھلانگ معیار کی تبدیلی ہے۔ ایک ٹھوس مثال کے طور پر، ہندوستان کی قومی تحریک آزادی ایک صدی سے زائد عرصے سے جاری تھی جس کے نتیجے میں مسلسل مقداری تبدیلیاں آتی رہی اور جب یہ اپنی حد کو پہنچی تو 15 اگست 1947 کو گھڑی کی آدھی رات کے جھٹکے پر ایک چھلانگ لگ گئی۔ ہندوستان ایک آزاد ملک تھا۔ استعمار سے آزادی ایک قابلیت تبدیلی تھی۔ اسی طرح انسان کی عمر بڑھنے کا عمل ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں رکتا۔ ہم بوڑھے ہوتے رہتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ہم مقداری تبدیلیوں سے گزرتے رہتے ہیں اور جب ہم قدرت کی مقرر کردہ حد تک پہنچ جاتے ہیں تو ہم معیاری تبدیلی یعنی موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

7.9 تاریخی مادیت (Historical Materialism)

تاریخی مادیت سماجی، ثقافتی اور سیاسی مظاہر کی مادیت پسند تشریح ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سماجی ادارے اور متعلقہ اقدار تاریخ کی وضاحت میں نظریات کی بجائے پیداواری عمل کے طریقہ کار سے متعین ہوتی ہیں۔ تاہم، لفظ 'مقرر'، مارکسی معنوں میں، آخری تجزیے میں عزم سے مراد ہے اور اسے مطلق معنی میں نہیں لیا جانا چاہیے۔ تاریخی مادیت انسانی ترقی کا جدلیاتی نظریہ ہے۔ یہ تاریخ کو فطرت کی قوتوں اور اس لیے پیداوار میں مہارت حاصل کرنے کے لیے انسانوں کی کوششوں کی ترقی کے طور پر دیکھتا ہے۔ چونکہ تمام پیداوار سماجی تنظیم کے اندر ہوتی ہے، اس لیے تاریخ سماجی نظام میں تبدیلیوں کی جانشینی ہے، انسانی تعلقات کی نشوونما پیداواری سرگرمی (پیداوار کا طریقہ) جس میں معاشی نظام بنیاد بناتا ہے اور دیگر تمام تعلقات، ادارے، سرگرمیاں۔، اور آئیڈیا سسٹم "سپر اسٹرکچرل" ہیں۔ تاریخ ترقی ہے کیونکہ انسانوں کی اپنی "قوتیں پیداوار" پیدا کرنے کی صلاحیت میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے۔ یہ رجعت ہے کیونکہ پیداواری قوتوں کو مکمل کرنے میں وہ زیادہ سے زیادہ پیچیدہ اور جابرانہ سماجی تنظیم تشکیل دیتے ہیں۔

معاشرے کے بارے میں مارکس کے عمومی نظریات کو ان کے تاریخی مادیت کے نظریہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مادیت پرستی اس کی سماجی فکر کی بنیاد ہے کیونکہ مارکس کے نزدیک مادی حالات یا معاشی عوامل معاشرے کی ساخت اور ترقی کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ مادی حالات بنیادی طور پر پیداوار کے تکنیکی ذرائع پر مشتمل ہوتے ہیں اور انسانی معاشرہ پیداوار کی قوتوں اور تعلقات سے تشکیل پاتا ہے۔ بعد میں اس یونٹ میں، اور اگلی اکائی میں آپ قوتوں اور پیداوار کے تعلقات کے معنی کے بارے میں جانیں گے۔ یہاں ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ مارکس کا نظریہ سماج یعنی تاریخی مادیت تاریخی کیوں ہے۔ یہ تاریخی ہے کیونکہ مارکس نے انسانی معاشروں کے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک

ارتقاء کا سراغ لگایا ہے۔ اسے مادیت پسند کہا جاتا ہے کیونکہ مارکس نے معاشروں کے ارتقاء کی تشریح ان کے مادی یا اقتصادی بنیادوں کے لحاظ سے کی ہے۔ مادیت کا سیدھا مطلب ہے کہ یہ مادہ یا مادی حقیقت ہے، جو کسی بھی تبدیلی کی بنیاد ہے۔ پہلے کا نظریہ، ہیگل کا، یہ تھا کہ نظریات تبدیلی کا سبب ہیں۔ مارکس نے اس نظریے کی مخالفت کی اور اس کے بجائے یہ دلیل دی کہ نظریات معروضی حقیقت کا نتیجہ ہیں، یعنی مادہ اور اس کے برعکس نہیں۔ معاشرے کو مکمل طور پر سمجھنے کی اپنی کوششوں میں، اس نے اپنے آپ کو کسی مخصوص وقت پر انسانی معاشروں کی ساخت کا جائزہ لینے تک محدود نہیں رکھا۔ انہوں نے معاشروں کی وضاحت انسانیت کے مستقبل کے حوالے سے کی ہے۔ اس کے لیے دنیا کو بیان کرنا کافی نہیں ہے۔ اس کے پاس اسے تبدیل کرنے کا منصوبہ ہے۔ اس طرح، اس کی سماجیات کی سوچ بڑی حد تک تبدیلی کے طریقہ کار سے متعلق ہے۔ سماجی تبدیلی کو سمجھنے کے لیے اس نے اس کے مراحل جرمن فلسفی ہیگل کے فلسفیانہ نظریات سے اخذ کیے ہیں۔ ان مراحل کے بارے میں بھی، ہم بعد میں اس بلاک کی آخری اکائی میں سیکھیں گے۔ اس مقام پر، ہم واضح کرتے ہیں کہ ہم یہاں صرف مارکس کے سماجی نظریات سے متعلق ہیں۔ ہم مارکسزم کے مختلف برانڈز اور مارکس کے نظریات کی تشریحات سے نمٹ نہیں رہے ہیں جو کمیونسٹ حکومتوں کا سرکاری نظریہ بن گئے۔

مارکس کے تاریخی مادیت کے نظریہ کی طرف پلٹنے کے لیے، آپ کو اسے مارکس کے معاشرے کے عمومی نظریہ کے طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے، جو اس کے زمانے کے سرمایہ دارانہ معاشروں میں پائے جانے والے تضادات سے وسیع پیمانے پر نمٹتا ہے۔ فریڈرک اینگلز کے مطابق تاریخی مادیت کا نظریہ کارل مارکس نے دریافت کیا تھا، لیکن مارکس کا خیال تھا کہ یہ فریڈرک اینگلز ہی تھے جنہوں نے تاریخ کی مادیت پسند تشکیل کو آزادانہ طور پر تصور کیا تھا۔ ہم یہ کہیں گے کہ ان دونوں نے اس نظریہ کا استعمال مارکس کو اپنے تمام کاموں کے 'رہنمائی دھاگے' کے طور پر کرنے کے لیے کیا۔

تاریخی مادیت کے عناصر (Elements of Historical Materialism)

اینگلز کے خیال میں تاریخی مادیت کا نظریہ تاریخ کا ایک خاص نظریہ رکھتا ہے۔ اس خیال میں اینگلز تاریخی واقعات کے پیچھے آخری وجہ اور روح تلاش کرتے ہیں۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز دونوں تاریخ کے بارے میں اپنے نظریات کی سائنسی نوعیت پر زور دیتے ہیں۔ جرمن آئیڈیالوجی (1845-6) میں مارکس اور اینگلز اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تاریخ کے بارے میں ان کے خیالات مشاہدے اور حقیقی حالات کی درست وضاحت پر مبنی ہیں۔ اس نظریہ کے تمام حصوں پر بحث کرنے کے لیے آپ کو اس پس منظر کی پیروی کرنے کی ضرورت ہو گی جس نے معاشرے کے بارے میں ان کے خیالات کو ایک فریم ورک فراہم کیا ہے۔

بنیادی مفروضے۔(Basic Assumptions)

تاریخی مادیت کی بنیاد انسانی تاریخ کے فلسفے پر ہے۔ لیکن یہ، سختی سے، تاریخ کا فلسفہ نہیں ہے۔ اسے انسانی ترقی کے سماجی نظریہ کے طور پر سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ ایک نظریہ کے طور پر یہ تجرباتی تحقیقات کے لیے ایک سائنسی اور منظم تحقیقی پروگرام فراہم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ

ساتھ، یہ اپنے اندر معاشرے میں مداخلت کا ایک انقلابی پروگرام رکھنے کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ یہ سائنسی اور انقلابی خصوصیت کا انوکھا امتزاج ہے جو مارکس کی اصل تشکیل کا خاصہ ہے۔ اس تھیوری آف سوسائٹی (تاریخی مادیت) کے سائنسی اور انقلابی وعدوں کے درمیان پیچیدہ اور بعض اوقات ناخوشگوار تعلق مارکسی ماہرینِ سماجیات کے درمیان بحث کی بنیادی بنیادوں میں سے ایک رہا ہے۔ تاہم، یہاں ہم بنیادی طور پر تاریخی مادیت کے صرف سائنسی پہلو سے متعلق ہوں گے۔ تاریخی مادیت کے نظریے پر بات کرنے سے پہلے، آیئے آپ کو انسانی سماج اور انسانی فطرت کے بارے میں مارکس کے خیالات کے بارے میں بھی مختصراً بتاتے ہیں۔

ایک باہم مربوط مکمل معاشرہ (An Interconnected Whole Society)

مارکس معاشرے کو فطری طور پر متغیر کے طور پر دیکھتا ہے، جس میں تبدیلیاں بڑی حد تک اندرونی تضادات اور تنازعات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح کی تبدیلیاں، اگر مارکس کے مطابق بڑی تعداد میں مثالوں میں دیکھی جائیں تو، ان کے اسباب اور نتائج کے بارے میں عمومی بیانات کی تشکیل کی اجازت دینے کے لیے کافی حد تک باقاعدگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان دونوں مفروضوں کا تعلق انسانی معاشرے کی فطرت سے ہے۔

انسانی فطرت اور سماجی تعلقات (Human Nature and Social Relationship)

تاریخی مادیت کے پیچھے ایک اور مفروضہ ہے جس کے بغیر نظریہ ایک ساتھ نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کا تعلق عمومی طور پر انسان کے تصور سے ہے۔ مارکس کے مطابق انسانی فطرت کا کوئی مستقل استقامت نہیں ہے۔ انسانی فطرت نہ تو اصل میں بری ہے اور نہ ہی اصل میں اچھی ہے، یہ اصل میں، ممکنہ ہے۔ اگر انسانی فطرت وہی ہے جس سے انسان تاریخ بناتا ہے تو ساتھ ہی یہ انسانی فطرت ہے جسے وہ بناتے ہیں۔ اور انسانی فطرت ممکنہ طور پر انقلابی ہے۔ انسانی مرضی واقعات کی غیر فعال عکاسی نہیں ہے، لیکن 'انسانی فطرت' کی مروجہ حدود میں حالات کے خلاف بغاوت کرنے کی طاقت پر مشتمل ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ لوگ مادی لالچ یا دولت جمع کرنے کے لالچ سے پیدا کرتے ہیں۔ لیکن زندگی کے لوازمات کو پیدا کرنے کا عمل لوگوں کو ایسے سماجی رشتوں سے منسلک کرتا ہے جو ان کی مرضی سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ زیادہ تر انسانی تاریخ میں، مارکس کے مطابق، یہ رشتے طبقاتی رشتے ہیں جو طبقاتی جدوجہد کو جنم دیتے ہیں۔

نظریہ (Theory)

یہاں، ہم معاشرے کے اندر ہونے والے واقعات کے بارے میں مارکس کے خیالات کو آسان الفاظ میں بیان کریں گے۔ اس کی فکر بنیادی طور پر اپنے دور کے سرمایہ دارانہ سماج کی ترجمانی تک محدود ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ سماج کی متضاد یا مخالف فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ اس کام کو کیسے انجام دیتا ہے۔ یہ مشق مارکس کے تاریخی مادیت پرستی کے نظریہ کی بنیاد ڈالے گی۔ تاریخی مادیت کے نظریہ کی واضح ترین

نمائش مارکس کے 'دیباچہ 'سیاسی اقتصادیات کی تنقید میں شراکت (1959) میں موجود ہے۔ یہاں وہ کہتے ہیں کہ معاشرے کی اصل بنیاد اس کا معاشی ڈھانچہ ہے۔ مارکس کے نزدیک سماج کا معاشی ڈھانچہ اس کے پیداواری رشتوں سے بنا ہے۔ معاشرے کا قانونی اور سیاسی ڈھانچہ پیداواری تعلقات پر مبنی ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ پیداوار کے تعلقات معاشرے کے ذرائع پیداوار کی قوت کے مرحلے کی عکاسی کرتے ہیں۔

یہاں، آپ کو اصطلاحات ملیں، جیسے پیداوار کے تعلقات، پیداوار کے ذرائع کی قوتیں اور سپر اسٹرکچر۔ آیئے آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ اصطلاحات مارکسی فکر میں خاص معنی رکھتی ہیں۔ جب آپ اس بلاک کی مزید اکائیاں پڑھیں گے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں تفصیل سے جانیں گے۔ فی الحال، آپ کو مارکس کی دلیل کے زور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ عمومی طور پر سماجی، سیاسی اور فکری زندگی کا عمل مادی زندگی کی پیداوار کے طریقہ کار سے مشروط ہے۔ اس منطق کی بنیاد پر مارکس تاریخ کے بارے میں اپنا پورا نظریہ تشکیل دینے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ معاشرے کی پیداواری قوتوں کی نئی ترقیاں موجودہ پیداواری رشتوں سے متصادم ہوتی ہیں۔ جب لوگ تصادم کی حالت سے آگاہ ہوتے ہیں تو وہ اس کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ تاریخ کے اس دور کو مارکس نے سماجی انقلاب کا دور کہا ہے۔ انقلاب تنازعات کا حل لاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیداوار کی نئی قوتیں جڑیں پکڑتی ہیں اور پیداوار کے نئے رشتوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس طرح، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مارکس کے نزدیک یہ نئی پیداواری قوتوں کی نشوونما ہے جو انسانی تاریخ کا خاکہ پیش کرتی ہے۔ پیداواری قوتیں وہ طاقتیں ہیں جنہیں معاشرہ زندگی کے مادی حالات پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ مارکس کے نزدیک انسانی تاریخ مادی پیداوار کی نئی قوتوں کی ترقی اور نتائج کا بیان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے بارے میں ان کے نظریہ کو تاریخی مادیت کا نام دیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ تاریخی مادیت کا نظریہ ہے۔

مختصراً، ہم کہہ سکتے ہیں کہ مارکس کا تاریخی مادیت کا نظریہ کہتا ہے کہ تمام اشیاء، چاہے زندہ ہوں یا بے جان، مسلسل تبدیلی کے تابع ہیں۔

اس تبدیلی کی شرح جدلیات کے قوانین سے طے ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایسی قوتیں ہیں جو تبدیلی لاتی ہیں۔ آپ اسے ضد کا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔ تبدیلی کی اصل نوعیت، یعنی ترکیب کا مرحلہ، مارکس کے مطابق، ان دو قسم کی قوتوں کے تعامل سے متعین ہوگا۔ اس سے پہلے کہ مارکس نے اس نظریے کو مزید تفصیل سے بیان کیا ہو، اس بات کی نشاندہی کرنا ضروری ہے کہ مارکسزم کے مختلف مکاتب فکر اس نظریہ کی مختلف وضاحتیں پیش کرتے ہیں۔ ہم یہاں تاریخی مادیت کے حوالے سے ایک قسم کے معیاری ورژن تک محدود ہیں۔ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تاریخ کا مادیت پر مبنی تصور سماجی تنظیم کی مختلف شکلوں کی وضاحت کے لیے کوئی موٹا اور تیار طریقہ نہیں ہے۔ آیئے اب ایک بار پھر مارکس کے تاریخی مادیت کے نظریہ کو مختصراً، مذکورہ بالا اصطلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں۔

سماجی تعلقات، افراد سے زیادہ اور اوپر (Social Relations Transcend Individuals)

مارکس کہتا ہے کہ ایک عمومی اصول کے طور پر، زندگی کے مادی تقاضوں کی پیداوار، جو تمام معاشروں کی ایک بہت بنیادی ضرورت ہے، افراد کو ایسے مخصوص سماجی رشتوں میں داخل ہونے پر مجبور کرتی ہے جو ان کی مرضی سے آزاد ہوں۔ یہ مارکس کے نظریہ معاشرت کا بنیادی نظریہ ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ سماجی تعلقات ہیں جو افراد پر ان کی ترجیحات سے قطع نظر مسلط ہوتے ہیں۔ انہوں نے مزید وضاحت کی کہ تاریخی عمل کی تفہیم کا انحصار ان معروضی سماجی تعلقات کے بارے میں ہماری آگاہی پر ہے۔

انفراسٹرکچر اور سپراسٹرکچر (Infrastructure and Superstructure)

دوسرا، مارکس کے مطابق، ہر معاشرے کا اپنا بنیادی ڈھانچہ اور سپراسٹرکچر ہوتا ہے۔ سماجی تعلقات کی تعریف مادی حالات سے ہوتی ہے جسے وہ بنیادی ڈھانچہ کہتے ہیں۔ معاشرے کی معاشی بنیاد اس کا بنیادی ڈھانچہ تشکیل دیتی ہے۔ مادی حالات میں ہونے والی کسی بھی تبدیلی کا مطلب سماجی تعلقات میں بھی اسی طرح کی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ قوتیں اور پیداواری تعلقات بنیادی ڈھانچے کے زمرے میں آتے ہیں۔ سپراسٹرکچر کے اندر قانونی، تعلیمی اور سیاسی اداروں کے ساتھ ساتھ اقدار، سوچ کے ثقافتی طریقے، مذہب، نظریات اور فلسفے شامل ہیں۔

قوتیں اور پیداوار کے تعلقات (Forces and Productions of Relations)

مارکس کے مطابق پیداواری قوتیں معاشرے کی پیداوار کی صلاحیت معلوم ہوتی ہیں۔ پیدا کرنے کی یہ صلاحیت بنیادی طور پر سائنسی اور تکنیکی علم، تکنیکی آلات اور مزدوروں کی تنظیم کا کام ہے۔ پیداوار کے تعلقات پیداواری عمل سے پیدا ہوتے ہیں لیکن بنیادی طور پر ذرائع پیداوار کی ملکیت کے تعلقات کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ پیداوار کے تعلقات کو مکمل طور پر جائیداد کے تعلقات سے نہیں پہچانا جانا چاہیے۔ وقت کے بعض مقامات پر، مارکس معاشرے کے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں تبدیلی کے حوالے سے بات کرتا ہے۔ تبدیلی کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے مارکس نے ہمیں تاریخی تحریک کی اسکیم دی ہے۔

سماجی طبقات کی شرائط میں سماجی تبدیلی (Social Change in Terms of Social Classes)

مارکس بنیادی سماجی طبقات کی تشکیل کا سراغ لگا کر معاشرے کے بنیادی ڈھانچے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ وہ طبقاتی جدوجہد کے نظریہ میں داخلی تنازعات کے نتیجے میں سماجی تبدیلی کا خیال تیار کرتا ہے۔ مارکس کے لیے سماجی تبدیلی ایک باقاعدہ نمونہ دکھاتی ہے۔ مارکس، وسیع الفاظ میں، سماج کی اہم اقسام کی ایک تاریخی ترتیب کی تشکیل کرتا ہے، جو 'ابتدائی کمیونزم' کے سادہ، غیر امتیازی معاشرے سے جدید سرمایہ داری کے پیچیدہ طبقاتی معاشرے تک آگے بڑھتا ہے۔ وہ ان عظیم تاریخی تبدیلیوں کی وضاحت پیش کرتا ہے جو معاشرے کی پرانی شکلوں کو منہدم کر دیتی ہیں اور بنیادی ڈھانچے کی تبدیلیوں کے حوالے سے نئی تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں جنہیں وہ اپنے عمل میں عمومی اور مستقل سمجھتا ہے۔ قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان تضاد کے ہر دور کو مارکس انقلاب کے دور کے طور پر دیکھتا ہے۔

قوتوں اور پیداوار کے تعلقات کے درمیان جدلیاتی تعلق (The Dialectical Relationship between the Forces and Relations of Production)

انقلابی ادوار میں ایک طبقہ پیداوار کے پرانے رشتوں سے جڑا ہوتا ہے۔ یہ تعلقات پیداواری قوتوں کی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔ دوسری طرف ایک اور طبقہ آگے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ یہ پیداوار کے نئے تعلقات کے لیے کوشاں ہے۔ پیداوار کے نئے تعلقات پیداواری قوتوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہیں کرتے۔ وہ ان قوتوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ مارکس کے طبقاتی جدوجہد کے نظریات کی تجریدی تشکیل ہے۔

انقلابات اور معاشروں کی تاریخ (The History of Revolutions and Society)

پیداوار کی قوتوں اور پیداوار کے تعلقات کے درمیان جدلیاتی تعلق انقلاب کا نظریہ فراہم کرتا ہے۔ مارکس کی تاریخ کے مطالعہ میں انقلابات سیاسی حادثات نہیں ہیں۔ انہیں تاریخی تحریک کا سماجی اظہار سمجھا جاتا ہے۔ انقلابات معاشروں کی تاریخی ترقی کا لازمی مظہر ہیں۔ انقلابات تب آتے ہیں جب ان کے لیے حالات پختہ ہو جائیں۔ مارکس (1859: پیش لفظ) نے لکھا، 'کوئی بھی سماجی نظم اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کہ تمام پیداواری قوتیں، جن کے لیے اس میں گنجائش موجود ہے، تیار نہ ہو جائیں۔ اور پیداوار کے نئے اعلیٰ رشتے اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتے جب تک کہ ان کے وجود کے مادی حالات پرانے سماج کے رحم میں پختہ نہ ہو جائیں۔

سماجی حقیقت اور شعور (Social Reality and Consciousness)

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مارکس نے انفراسٹرکچر اور سپراسٹرکچر میں فرق کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے سماجی حقیقت اور شعور کو بھی ممتاز کیا ہے۔ مارکس کے نزدیک حقیقت کا تعین انسانی شعور سے نہیں ہوتا۔ ان کے مطابق سماجی حقیقت انسانی شعور کا تعین کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں انسانی سوچ کے طریقوں کا مجموعی تصور پیدا ہوتا ہے جس کی وضاحت ان سماجی رشتوں کے لحاظ سے کی جانی چاہیے جس کا وہ حصہ ہیں۔

پیداوار کی قوتوں اور تعلقات کے علاوہ مارکس نے پیداوار کے طریقوں کی بات کی ہے۔ اسی مناسبت سے اس نے انسانی تاریخ کے مراحل کو پیداوار کے چار طریقوں یعنی ایشیائی، قدیم، جاگیر دار اور سرمایہ دارانہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق مغرب کی تاریخ ہمیں پیداوار کے قدیم، جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ (بورژوا) طریقوں کے بارے میں بتاتی ہے۔ پیداوار کا قدیم طریقہ غلامی، جاگیر دارانہ اندازِ پیداوار میں غلامی، اور سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار میں اجرت کمائی ہے۔ یہ مغربی معاشروں میں انسانی محنت کے استحصال کے تین الگ الگ طریقے ہیں۔ پیداوار کا ایشیائی طریقہ جو مغربی تاریخ میں ایک مرحلہ نہیں بناتا، تمام لوگوں کو ریاست یا ریاستی افسر شاہی کے ماتحت کرنے سے ممتاز ہے۔

7.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی کے گزشتہ صفحات پر آپ نے:

- کارل مارکس کی حیات و خدمات کا مطالعہ کیا۔
- مارکس کے جدلیاتی مادیت تصور کو سمجھا۔
- تاریخی مادیت کی تاریخ اور و ناصر کا جائزہ لیا۔
- جدلیات کے قوانین کو سمجھا۔
- کارل مارکس پر مختلف فکری اثرات کا مطالعہ کیا۔

7.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

اشتراکی نظام (Socialist System)

اشتراکیت (Socialism) معاشرتی تنظیم کا ایک سیاسی اور معاشی نظریہ جو اس بات کی وکالت کرتا ہے کہ پیداوار، تقسیم اور تبادلے کے ذرائع پوری ترح اجتمائی طور پر عوام کے پاس ہوں یا ان کا کنڑول عوام کی فلاح کے لیے مملکت کے پاس ہو۔ اس فکر پر مبنی نظام کو اشتراکی نظام کہتے ہیں۔ اشتراکی نظام قدرتی وسائل کے 'اشتراک' پر زور دیتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ تمام وسائل مملکت کی ملکیت ہیں جس پر صرف عوام کا اجتمائی طور پر حق ہے۔ یہ نظام وسائل کی ذاتی ملکیت کے خلاف ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام (Capitalist System)

سرمایہ داری ایک معاشی نظام ہے جو ذرائع کی نجی ملکیت پر مبنی ہے اور اس کا مقصد صرف منافع خوری ہے۔ سرمایہ داری پر مبنی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کہا جاتا ہے۔ یہ آزاد منڈی (Free Market) کی وکالت کرتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ منڈیاں مملکت کے کنڑول سے باہر ہونی چاہئے۔

7.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.12.1۔ معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type of Questions)

1۔ کارل مارکس ایک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فلسفی تھا۔

(a) انگریز (b) جرمن (c) فرانسی (d) امریکی

2۔ Das Capital کس کی تصنیف ہے؟

(a)میکس ویبر (b)ایڈم اسمتھ (c)جیمز کینز (d)کارل مارکس

3۔زائد قیمت کا نظریہ یعنی Theory of Surplus Value کس نے پیش کیا؟

(a)ہیگل (b)مارکس (c)کینٹ (d)اسٹالن

4۔مارکس کی فکر کو متاثر کرنے والے عناصر ہیں:

(a)جرمن فلسفہ (b)مادیت پسند نقطہ نظر (c)سیاسی معیشت (d)یہ سبھی۔

5۔مارکس کو متاثر کرنے والا شخص کون ہے؟

(a)ارسطو (b)افلاطون (c)ہیگل (d)اسٹالن

6۔ نفی کی نفی کا قانون کس نے پیش کیا؟

(a)مارکس (b)ہیگل (c)اینگل (d)لینن

7۔کارل مارکس کی پیدائش کب ہوئی؟

1818(a) 1825(b) 1883(c) 1901(d)

8۔ کمیونسٹ مینیفیسٹو کب شائع ہوا۔

1818(a) 1848(b) 1883(c) 1901(d)

9۔دی جرمن اڈیولوجی کب شائع ہوئی؟

1818(a) 1825(b) 1883(c) (d)ان میں کوئی نہیں۔

10۔کارل مارکس کی وفات کب ہوئی؟

1818(a) 1825(b) 1883(c) 1901(d)

7.12.2۔ مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type of Questions)

1مارکس کا زائد قدر کا نظریہ کیا ہے؟

2جدلیات کے قوانین کیاہیں؟

3مارکس پر مختلف فکری اثرات کا جائزہ لیجیے۔

4 اشتراکیت کیاہے؟

5طبقاتی جدوجہد کی وضاحت کیجئے۔

7.12.3۔طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type of Questions)

1 مارکسزم کے بنیادی اصولوں کی وضاحت کیجئے۔

2 تاریخی مادیت اور جدلیاتی مادیت کیاہے؟جدلیات کے اصول بیان کیجیے۔

3 تاریخی مادیت کے عناصر کی وضاحت کیجیے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

(c)	5۔	(d)	4۔	(b)	3۔	(d)	2۔	(b)	1۔
(c)	10۔	(d)	9۔	(b)	8۔	(a)	7۔	(b)	6۔

اکائی۔8 ماؤزے تنگ

(Mao Tse Tung)

اکائی کے اجزاء

8.1 تمہید

8.2 مقاصد

8.3 ماؤزے تنگ کی حیات اور حصولیابیاں

8.3.1 ابتدائی زندگی اور تعلیم

8.3.2 لانگ مارچ اور شہرت میں اضافہ

8.3.3 ریپبلک (عوامی جمہوریہ) چین کی بنیاد

8.3.4 اہم پالیسیاں اور کامیابیاں

8.3.5 چیلنجز اور میراث

8.4 ماؤزے تنگ کی سیاسی فکر

8.4.1 کاشت کاری پر زور

8.4.2 گوریلا جنگ اور طویل عوامی جنگ

8.4.3 ماس لائن اور اجتماعی قیادت

8.4.4 نظریہ تضادات

8.4.5 پرولتاریہ کی آمریت کے تحت انقلاب تسلسل

8.4.6 نظریہ اور پروپگنڈا کا رول
8.4.7 کمیونسٹ پارٹی کی قیادت
8.4.8 ماؤ کی سیاسی فکر کی اہمیت
8.5 اکتسابی نتائج
8.6 کلیدی الفاظ
8.7 امتحانی سوالات کا نمونہ
8.7.1 معروضی جوابی سوالات
8.7.2 مختصر جوابی سوالات
8.7.3 طویل جوابی سوالات

8.1 تمہید (Introduction)

ماؤزے تنگ (روم میں عام طور پر ماؤزیڈونگ کے نام سے جانا جاتا ہے) بیسویں صدی کی تاریخ کی سب سے بااثر اور تبدیلی لانے والی شخصیات میں سے ایک تھا۔ 1893 میں چین کے صوبہ ہنان میں واقع شوشان میں پیدا ہونے والے ماؤ نے اپنی شروعات سے ایک ایسی انقلابی تحریک کی قیادت کی جس نے بنیادی طور پر چین کے سماج اور سیاست کو نئی شکل دی۔ ان کے خیالات نے مارکسزم۔ لینن ازم کے عناصر کو چینی کسانوں کے مقامی حالات اور تجربات کے ساتھ جوڑا، ایسے وقت میں ایک اہم رُجحان بہت سے اسکالرز اور انقلابیوں کا خیال تھا کہ صنعتی مزدور کمیونسٹ تحریک کو چلائیں گے کسانوں کے مطابق سیاسی اور انقلابی صلاحیت پر زور دیتے ہوئے، ماؤ نے اشتراکیت کی ایک قسم تیار کی جسے واضح طور پر ''ماؤازم'' کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں چین کا ہنگامہ خیز سیاسی منظر نامہ ماؤ کے انقلابی راستہ سے منسلک تھا۔ 1911 کا یہ دور چنگ خاندان کے زوال، جنگجوؤں کے درمیان اقتدار کی جدوجہد اور غیر ملکی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک طالب علم کارکن کے طور پر ماؤ کے ابتدائی تجربات نے انہیں کی وجہ سے سماج کی بنیاد پرست تبدیلی کی وکالت کرنے پر مجبور ہ کر دیا۔ 1921 میں چینی کمیونسٹ پارٹی (سی سی پی) کے قیام میں اپنی شرکت کے بعد، ماؤ آہستہ آہستہ ایک اہم حکمت عملی اور منتظم

کے طور پر اور خاص طور پر حکمران کومنتانگ (کے ایم ٹی) کے خلاف سی سی پی کی جدوجہد کے دوران سامنے آیا جس میں لانگ مارچ (1934-1935) شامل تھا۔ ماؤ کی قیادت میں عروج اور سی سی پی کی تاریخ دونوں میں ایک اہم واقعہ ہے۔

1949 میں عوامی جمہوریہ چین کے قیام کے بعد، ماؤ نے وسیع سماجی، معاشی اور سیاسی اصلاحات عمل میں لائیں، جن میں زمین کی دوبارہ تقسیم اور بڑے پیمانے پر سیاسی طور پر متحرک کرنے کی مہمات شامل تھیں، جس کا مقصد اسے دیرپا جاگیر دارانہ یا بورژوا عناصر کے طور پر ختم کرنا تھا۔ یہ پالیسیاں محنت کش عوام کی قیادت میں اور ان کے لیے ایک مساوی سماج کی تشکیل کے ان کے عزم کی عکاسی کرتی ہے۔ اگرچہ ان کے کچھ اقدامات کو کافی کامیابی کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسے کہ خواندگی اور صحت عامہ پر زور۔ دیگر، بشمول گریٹ لیپ فارورڈ (1958-1962) اور ثقافتی انقلاب (1966-1976) کے گہرے اثرات مرتب کرنے والے نتائج برآمد ہوئے، جس سے دونوں ماؤ کے وژن اور تیز رفتار سماجی تبدیلی کے چیلنجز کی پیچیدگی کی نشاندہی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں' ماؤ کا اثر و رسوخ چین کی سرحدوں سے بہت آگے تک پھیل گیا۔ گوریلا جنگ اور انقلابی حکمت عملی پر ان کی تحریروں نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں متعدد نوآبادیاتی مخالف اور بنیاد پرست تحریکوں کو جنم دیا۔ اسی لیے چینی کمیونسٹ انقلاب مائو کے پائیدار اثر کی قیادت میں ہوا نہ صرف یہ کس طرح انہوں نے مارکسی۔لیننسٹ نظریات کو بنیادی طور پر زرعی سماجوں پر نافذ کرنے کے کا تہیہ کیا اور نئی شکل کی ترویج کی۔ جس نے دنیا بھر میں علمی مباحثوں کو جنم دیا، جس سے انقلاب کی نوعیت، طبقاتی جدوجہد اور اشتراکی ترقیاتی حکمت عملیوں پر مباحثے کو ایک راستہ فراہم ہوا۔

اس اکائی میں، طلباء مائوزے تنگ کی حیات کو معلوم کریں گے، ان کے بنیادی کاموں پر روشنی ڈالیں گے، اور اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کس طرح ان کا سیاسی فلسفہ آمریت، کمیونزم اور مملکت کو جدید مباحثوں کے ارد گرد رہتا ہے۔ ماؤ کی انقلابی سرگرمیوں کی رفتار اور وسیع تر تاریخی سیاق وسباق کو سمجھنے سے، طالب علم عالمی سیاسی فکر میں ماؤازم کی میراث کا تنقیدی تجزیہ کرنے کے قابل ہوں گے۔

8.2 مقاصد (Objective)

اس اکائی کے مطالعہ کے اختتام تک طالب علم کو قابل ہوں گے کہ

- ماؤزے تنگ کی زندگی اور سیاسی کیریئر کے تاریخی تناظر کو سمجھیں۔
- ماؤ کے انقلابی نظریات اور حکمت عملیوں کے کلیدی اجزاء کا تجزیہ کریں۔
- مارکسی۔لیننسٹ فکر میں ماؤ کی شراکت کی اہمیت کا جائزہ لیں۔

- چینی سماج پر ماؤ کی پالیسیوں اور قیادت کے اثرات پر تبادلہ خیال کریں۔
- ماؤ کی سیاسی فکر کا تقابل دیگر ممتاز سیاسی مفکرین سے کریں۔
- ماؤ کے نظریات کی خوبیوں اور خامیوں کا تنقیدی جائزہ لیں۔
- ماؤ کی فکر کے پائیدار اثر کو اشتراکیت اور انقلاب کے عصری مباحثوں سے جوڑیں۔

8.3 ماؤزے تنگ کی حیات اور حصولیابیاں (Life and Achievements of Mao Zedong)

ماؤزے تنگ 26 دسمبر 1893 کو صوبہ ہنان کے گاؤں شوشان میں پیدا ہوا۔ معمولی وسائل کی کمیونٹی میں پرورش پانے والے ماؤ کی پرورش نے اسے دیہی چین اور اس کے صدیوں پرانے جاگیر دارانہ ساخت کی حالت زار سے متاثر کیا۔ اپنے خاندان کی معمولی معاشی حالت کے باوجود، ماؤ نے بنیادی تعلیم حاصل کی، جس کی وجہ سے اُس کی سیاسی فلسفے میں نظام دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی پرورش اس دور میں ہوئی جو کہ ایک اہم تبدیلی کا دور سمجھا جاتا ہے جیسے کہ چنگ خاندان کے آخری سال، چین پر بڑھتی ہوئی غیر ملکی تجاوزات، اور روایتی کنفیوشیس کے نظریات سے بڑے پیمانے پر مایوسی شامل تھی۔ ان عوامل نے ان کے انقلابی جذبے کو پروان چڑھایا اور وقت کے ساتھ ساتھ ملک کو تبدیل کرنے کے ان کے عزم کو تقویت حاصل ہوئی۔

8.3.1 ابتدائی سیاسی شمولیت (Early Political Participation)

ماؤ کی ابتدائی سیاسی شمولیت اس وقت شروع ہوئی جب انہوں نے مزید تعلیم کے لیے چانگشا کا سفر کیا۔ سامراج مخالف 4 مئی 1919 کی تحریک کے اثرات اور بنیاد پرست دانشوروں کے درمیان گردش کرنے والے مارکسی نظریات کی جانب جھکاؤ نے ماؤ کو سوشلسٹ اور کمیونسٹ فلسفہ میں گہری دلچسپی پیدا کی۔ 1921 میں اس نے شنگھائی میں چینی کمیونسٹ پارٹی (سی سی پی) کے قیام میں اہم رول ادا کیا۔ اگلے سالوں میں، ماؤ نے کسانوں اور مزدوروں کو منظم کرنے کے لیے کام کیا، اور دیہی بنیاد پر انقلابی حکمت عملی کے اپنے ابھرتے ہوئے بصیرت کو فروغ دیا۔ جو کہ شہری پرولتاریہ پر زور دینے والے زیادہ قدامت پسند مارکسی نظریات سے متصادم تھا؛ اس کے بجائے، ماؤ کا خیال تھا کہ چین کے بنیادی طور پر زرعی معاشرے کا مطلب ہے کہ کسان سماجی انقلاب کی بنیادی قوت ہوں گے۔

8.3.2 لانگ مارچ اور شہرت میں اضافہ (Long March and Rise in Popularity)

ماؤ کی زندگی کا ایک اہم موڑ لانگ مارچ (1934-1935) تھا جو کہ قوم پرست قوتوں سے بچنے کے لیے ریڈ آرمی کی طرف سے کی گئی ایک سخت پسپائی تھی۔ اس مشکل سفر کو برداشت کرنے میں سی سی پی کی کامیابی نے نہ صرف کمیونسٹ تحریک کو محفوظ رکھا بلکہ ماؤ کو اس کی بلا مقابلہ قیادت کی طرف بھی راغب کیا۔ لانگ مارچ کے دوران اور اس کے بعد، ان کی حکمت عملی اور تنظیمی ذہانت نمایاں رہی، جس نے

انہیں پارٹی کے اراکین اور نچلی سطح کے حامیوں میں یکساں طور پر شناخت دلائی۔ماؤ کی رہنمائی میں، سی سی پی کی تشکیل کا احیاء ہوا۔ایک ایسے انقلابی حکمت عملی کو بہتر بنایا جس نے کسانوں کو متحرک کرنے، گوریلا جنگ اور زمینی اصلاحات کو سب سے آگے رکھا۔

8.3.3 عوامی جمہوریہ چین کی بنیاد(The Establishment of People's Republic China)

1930 کی دہائی کے آخر اور 1940 کی دہائی کے اوائل تک، ماؤ نے مزید تصادم کے ذریعہ اپنی سیاسی اور فوجی قیادت کو مستحکم کیا۔ جاپان مخالف جنگ (1937-1945)-اور اس کے نتیجے میں کومنتانگ (کے ایم ٹی) کے خلاف خانہ جنگی۔ 1949 میں، کمیونسٹوں نے فیصلہ کن فتح حاصل کی، اور ماؤ نے یکم اکتوبر کو بیجنگ میں عوامی جمہوریہ چین کے قیام کا اعلان کیا۔اس لمحے نے کئی دہائیوں کی انقلابی جدوجہد کے اختتام کو نشان زد کیا، جس نے ماؤ کو مملکت کے سربراہ اور چین کی اشتراکی تبدیلی کے بنیادی معمار کے طور پر مشہور کر دیا۔

8.3.4 اہم پالیسیاں اور کامیابیاں (Key Policies and Achievements)

ماؤ نے اپنے اقتدار میں زبردست اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا۔ جس میں ابتدائی پیمانے پر زمین کی دوبارہ تقسیم تھی۔زمین کی ملکیت زمینداروں سے کسانوں کو منتقل کرنا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ جاگیردارانہ استحصال کو ختم کرے گا اور ایک مساویانہ سماج کا قیام کرے گا۔مزید برآں، انہوں نے خواندگی اور صحت عامہ کو فروغ دینے والی بڑے پیمانے پر مہمات کو شروع کی، جو مرکزی قیادت میں چین کو جدید بنانے اور متحد کرنے کی طرف ابتدائی اقدامات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ بڑے پیمانے پر متحرک ہونے کے اصول پر انحصار کرنے والی ان مہمات نے نچلی سطح کے لوگوں کو ملک کے سماجی اور معاشی ساختوں کی تنظیم جدید میں فعال طور پر حصہ لینے کی ترغیب دی۔

8.3.5 چیلنجز اور میراث (Challenges and Legacy)

ماؤ کے تبدیلی لانے والے اثر و رسوخ کے باوجود، ان کی کچھ پالیسیوں کے پریشان کن نتائج برآمد ہوئے۔ عظیم لیپ فارورڈ (1958-1962) نے اجتماعی کاشتکاری اور پچھواڑے اسٹیل کی پیداوار کے ذریعہ چین کی بڑی حد تک زرعی معیشت کو تیزی سے صنعتی بنانے اور جدید بنانے کی کوشش کی۔تاہم، بدانتظامی اور غیر حقیقی اہداف نے شدید قحط اور بڑے پیمانے پر مشکلات پیدا کی۔ بعد میں، ثقافتی انقلاب (1966-1976) کا مقصد کمیونسٹ نظریے کو خالص کرنا اور سرمایہ دارانہ رجحانات کے ظہور کو روکنا تھا۔ نظریاتی خالصیت کے لیے اس مہم نے، جس میں اسکولوں، فیکٹریوں اور سرکاری اداروں میں نمایاں ہنگامہ آرائی شامل تھی، چین کے سماجی تانے بانے کو گہرا متاثر کیا۔

ایک شکست زدہ قوم کو متحد کرنے، مرکزی مملکت کی بنیاد رکھنے، اور خواندگی، صحت عامہ اور سماجی بہبود کے اقدامات کو آگے بڑھانے میں ماؤ کا کردار ان کی پائیدار میراث کا حصہ رہا۔ گوریلا جنگ پر ان کی تحریروں نے دنیا بھر میں انقلابی تحریکوں کو متاثر کیا، اور بہت سے مابعد نوآبادیاتی رہنماؤں نے دیہی آبادی کو متحرک کرنے کی حکمت عملی کے لیے ماؤ کی مثال کی طرف دیکھا۔اس طرح،

ماؤزے تنگ کی زندگی اور کامیابیاں نظریہ، ترقی، اور طاقت کے استعمال سے متعلق بحث کو جنم دیتی رہتی ہیں، جو سماجی تبدیلی کے حصول میں انتباہی اور کردار ادا کرتی ہے۔

8.4 ماؤزے تنگ کی سیاسی فکر (Political Philosophy of Mao Tse Tung)

مائوزے تنگ کی سیاسی فکر چینی سماج کے منفرد حالات، خاص طور پر اس کے بنیادی طور پر زرعی ڈھانچے کے لیے مارکسزم-لینن ازم کے تغیر پذیر موافقت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ماؤ نے ایک الگ نظریہ تیار کیا جو ماؤازم کے نام سے مشہور ہوا، جس میں کسانوں کے کردار، گوریلا جنگ، اور نظریاتی خالصیت کو برقرار رکھنے کے لیے مسلسل انقلاب کے تصور پر زور دیا گیا۔ ان کے خیالات ان کے زمانے میں انقلابی تھے، جنہوں نے صنعتی پرولتاریہ پر مرکوز انقلابات پر آرتھوڈوکس مارکسزم کی سخت توجہ کو ایک زیادہ لچکدار، سیاق و سباق سے متعلق فریم ورک پیش کرتے ہوئے تنقید کا نشانہ بنایا۔ ذیل میں وہ اہم تصورات ہیں جنہوں نے ماؤ کی سیاسی فکر کی وضاحت کی۔

8.4.1 کسانوں پر زور (Emphasis on Peasants)

کمیونسٹ سیاسی نظریہ میں ماؤ کی سب سے اہم شراکت میں سے ایک کسان طبقے کی انقلابی صلاحیت کا اعتراف تھا۔ کلاسیکی مارکسی نظریہ، جس کی جڑیں 19 ویں صدی کے یورپ کے صنعتی انقلاب میں ہیں، شہری پرولتاریہ (صنعتی مزدور طبقے) کو بنیادی انقلابی قوت کے طور پر دیکھتا ہے۔ تاہم، ماؤ نے مشاہدہ کیا کہ چین کی آبادی بہت زیادہ زرعی ہے، جس میں ایک چھوٹا صنعتی پرولتاریہ ہے۔ اس عدم مساوات کو تسلیم کرتے ہوئے، ماؤ نے چینی کمیونسٹ انقلاب کی توجہ کسانوں کی طرف موڑ دی، جنہیں وہ جاگیرداروں پر قابو پانے اور سماجی تبدیلی لانے کے قابل مظلوم اکثریت کے طور پر دیکھتے تھے۔

کسانوں پر ماؤ کا زور عملی تجربے پر مبنی تھا۔ 1920 اور 1930 کی دہائیوں کے دوران دیہی برادریوں میں رہتے اور کام کرتے ہوئے، انہوں نے چینی کسانوں کی عدم اطمینان اور استحصال کا براہ راست مشاہدہ کیا۔ انہوں نے استدلال کیا کہ ان کے ظلم و ستم کے تجربے نے انہیں انقلابی نظریات کے لیے سب سے زیادہ قبول کرنے والا بنا دیا۔ زمین کی دوبارہ تقسیم اور دیہی علاقوں میں طبقاتی جدوجہد سے متعلق ان کے نظریات بعد میں چینی کمیونسٹ پالیسیوں کی بنیاد بن گئے۔ ماؤ نے اعلان کیا کہ اگرچہ روایتی طور پر کسان مارکسی انقلابی نظریہ کا حصہ نہیں ہیں، لیکن انہیں عوامی انقلاب کی بنیاد کے طور پر متحرک کیا جا سکتا ہے۔

8.4.2 گوریلا جنگ اور طویل عوامی جنگ (Guerilla Warfare and Protracted Peoples War)

ماؤ ایک شاندار فوجی حکمت عملی ساز تھے، اور ان کی سیاسی فکر کے اہم ستونوں میں سے ایک طویل جدوجہد کے حصے کے طور پر گوریلا جنگ کو تعینات کرنا تھا۔ چینی خانہ جنگی اور جاپانی سامراج کے خلاف جنگ کے اپنے تجربات پر روشنی ڈالتے ہوئے، ماؤ نے استدلال کیا کہ انقلابی تحریکیں لچک، حیرت اور برداشت کے ہتھکنڈوں کے ذریعے مضبوط، بہتر وسائل والے دشمنوں کو شکست دے سکتی ہے۔ اپنی کتاب آن گوریلا وار فیئر (1937) میں انہوں نے گوریلا حکمت عملی کے اصولوں کا خاکہ پیش کیا، جس میں دشمن کے ساتھ راست تصادم سے گریز کرنا، دیہی آبادیوں کو متحرک کرنا، اور کشیدگی کے ذریعے مخالفت کو بتدریج کمزور کرنا شامل ہے۔

اس تصور کا مرکز ''طویل عوامی جنگ'' کی حکمت عملی تھی، جہاں انقلاب تین مراحل میں سامنے آیا:

- مصلحتی دفاع: دشمن کے ساتھ راست تصادم سے گریز کرتے ہوئے دیہی علاقوں میں انقلابی اڈے قائم کرنا۔
- مصلحتی تعطل: نچلی سطح کی طاقت کو مستحکم کرتے ہوئے گوریلا کارروائیوں کو بڑھانا اور دشمن کی طاقت اور حوصلے کو ختم کرنا
- مصلحتی جارحیت: شہری مراکز پر قبضہ کرنے اور قومی کنٹرول کو محفوظ بنانے کے لیے مکمل پیمانے پر حملہ کرنا۔

طویل جدوجہد کا یہ خیال ویتنام سے لے کر لاطینی امریکہ تک دنیا بھر میں دیگر انقلابی تحریکوں کے لیے ایک لائحہ عمل گیا، جہاں چھوٹے، کم وسائل والے گروہوں کو زیادہ طاقتور مخالفین کا سامنا کرنا پڑا۔

8.4.3 ماس لائن اور اجتماعی قیادت (The Mass Line and Collective Leadership)

ماؤ کا ''ماس لائن'' کا تصور ایک بنیادی تنظیمی اور نظریاتی اصول تھا جس نے لوگوں کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی کے تعلقات کی رہنمائی کی۔ ماس لائن نے پارٹی اور عوام کے درمیان خیالات کے دوطرفہ بہاؤ پر زور دیا۔ ماؤ کے مطابق، قائدین کو عوام سے خیالات، شکایات اور تجاویز جمع کرنی چاہئیں، انہیں پارٹی کے نظریاتی ڈھانچے کے ذریعے مربوط کرنا چاہیے، اور ایسی پالیسیاں اور حکمت عملی تیار کرنی چاہیے جو لوگوں کی ضروریات کی عکاسی کرتی ہوں۔

ماؤ نے اس بات چیت کو نہ صرف مشاورت کی ایک شکل کے طور پر دیکھا بلکہ اس بات کو یقینی بنانے کے ایک طریقے کے طور پر دیکھا کہ کمیونسٹ پارٹی اپنی قانونی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے عوام منقطع ہونے سے بچ سکے۔ اس طرح، ماس لائن کا مقصد ایسی پالیسیاں بنانا تھا جو دونوں لوگوں کے تجربات پر مبنی ہوں اور انقلابی اہداف کے ساتھ منسلک ہوں، جس سے پارٹی اور عوام کے درمیان اعتماد کو فروغ ملے۔

8.4.4 تضادات کا نظریہ (The Theory of Contradiction)

ماؤ کی فلسفیانہ شراکتوں میں تضادات کا نظریہ شامل تھا جو راست مارکسی جدلیاتی مادیت سے متاثر تھا۔ماؤنے استدلال کیا کہ تضادات سماج، فطرت اور فکر کے تمام پہلوؤں میں موروثی ہیں۔ یہ تضادات تبدیلی اور ترقی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، پرولتاریہ اور بورژوائیوں کے درمیان طبقاتی جدوجہد یا دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان تناؤ اس طرح کے تضادات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اسٹالن کے اس عقیدے پر کہ سوویت یونین کے ترقی کے اشتراکی دور میں تضادات بتدریج ختم ہو چکے تھے، ماؤنے تنقید کی ۔ان کا خیال تھا کہ پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کے درمیان تضادات نے بھی اشتراکی سماج کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ چونکہ لوگ سماج کا حصہ ہیں، اس لیے انہوں نے ہر قسم کی تہذیب میں موجود تضادات کو مختلف درجوں اور مختلف حالات میں ظاہر کیا ہے۔ لہذا، اگر اشتراکی سماج کی تعمیر بھی کی جائے تو ہر کوئی مثالی نہیں ہوگا۔انہوں نے خود کو روسی کمیونسٹوں سے اس عقیدے سے ممتاز کیا کہ مشکلات صرف انسان اور فطرت کے درمیان ہی نہیں بلکہ ایک اشتراکی سماج کے اندر بھی موجود ہیں۔

ماؤنے موقف اختیار کیا کہ ایک سماج میں پیداواری قوتوں کے جاری ارتقاء کی وجہ سے تضادات برقرار رہیں گے، جو پیداوار کے تعلقات کو پیچھے چھوڑ دیں گے ۔ان تضادات کو مسلسل موافقت کو یقینی بناتے ہوئے تبدیلی لانے والے "انقلابات" کے ایک مستقل سلسلے کے ذریعے حل کیا جائے گا۔ابتدائی طور پر، طبقے کے تنازعات سے چلنے والے روایتی انقلابات اور سوشلسٹ سماجوں جیسے پیداواری قوتیں آگے بڑھیں گی اور افراد موافقت اختیار کریں گے، طبقاتی جدوجہد ایک نئی متحرک شکل اختیار کرے گی، جس سے بالآخر انقلابات کا سلسلہ متروک ہو جائے گا۔

ماؤنے مخالفانہ تضادات (انقلابی حل کی ضرورت والے دشمنانہ تنازعات، جیسے کہ طبقاتی جدوجہد) اور غیر مخالفانہ تضادات (سوشلسٹ سماج میں ہونے والی اندرونی مباحثے) کے درمیان فرق کر کے اس نظریہ کو مزید واضح کیا۔انہوں نے استدلال پیش کیا کہ تضادات کو سمجھنا اور صحیح طریقے سے حل کرنا ترقی کے لیے ضروری ہے۔ یہ نظریہ ان کی سیاسی مہمات، خاص طور پر ثقافتی انقلاب کی فکری بنیاد بن گیا۔

8.4.5 پرولتاریہ کی آمریت کے تحت انقلاب تسلسل (The Continuation of Revolution under the Dictatorship of the Prolitariate)

ماؤ کا ماننا تھا کہ اشتراکیت کا حصول انقلابی کوششوں کا خاتمہ نہیں بلکہ محض ایک سنگ میل ہے۔اشتراکیت کو برقرار رکھنے کے لیے، انہوں نے ایک تصور کی وکالت کی جسے وہ انقلاب تسلسل (Continuous Revolution) کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ

ایک سوشلسٹ حکومت کے تحت بھی، ماؤ نے مطمئن ہونے اور حکمران طبقے کے اندر سرمایہ دارانہ رجحانات کے دوبارہ ابھرنے کے خلاف خبردار کیا۔ ان کا ماننا تھا کہ نظریاتی خالصیت کو برقرار رکھنے اور جوابی انقلابی قوتوں کو اشتراکیت کی کامیابیوں کو کمزور کرنے سے روکنے کے لیے انقلاب کو تسلسل کے ساتھ جاری رہنا چاہیئے۔

یہ خیال سب سے زیادہ نمایاں طور پر ثقافتی انقلاب (1966-1976) کے دوران لاگو ہوا جہاں ماؤ نے حکومت، تعلیمی نظام اور ثقافت کے اندر "بورژوا" عناصر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے نوجوانوں (سب سے مشہور ریڈ گارڈز) کو متحرک کیا۔ اگرچہ اس تحریک نے طبقاتی درجہ بندی کو ختم کرنے اور انقلابی نظریات کو داخل کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کی وجہ سے بڑے پیمانے پر سماج میں ہنگامہ آرائی بھی ہوئی۔

8.4.6 خیال اور پروپگنڈہ کا کردار (The Role of Ideology and Propaganda)

ماؤ نے رائے عامہ کی تشکیل اور عوام کو متحرک کرنے میں نظریے کی طاقت کو سمجھا۔ انہوں نے کمیونسٹ نظریات کو پھیلانے، لوگوں کو متحد کرنے اور پارٹی کے ساتھ وفاداری کو فروغ دینے کے لیے پروپیگنڈے کے استعمال پر زور دیا۔ مشہور "لٹل ریڈ بک" (ماؤ کے حوالوں کا مجموعہ) سے لے کر ماؤ کو ایک انقلابی رہنما کے طور پر تقویت دینے والے ہر جگہ موجود پوسٹرز اور مہمات تک کا نظریہ ان کی حکمرانی کی قانونی حیثیت کا مرکز بن گیا۔

چینی کمیونسٹ پارٹی کے رہنما کے طور پر ماؤ کی فکر، یا ماؤزیڈونگ فکر کے فروغ نے ان کی شخصیت کو تقویت بخشی اور اس بات کو یقینی بنایا کہ چین کے لیے ان کی بصیرت وسیع تر کمیونسٹ تحریک سے لازم وملزوم ہو گئی۔

8.4.7 کمیونسٹ پارٹی کی قیادت (Leadership of the Communist Party)

ماؤ کا پختہ یقین تھا کہ کمیونسٹ پارٹی (مارکسی-لیننسٹ اصولوں کی رہنمائی میں) انقلاب کی قیادت کرنے اور اس کے بعد اشتراکی سماج پر حکومت کرنے کا واحد جائز اختیار ہے۔ انہوں نے پارٹی کے اندر اقتدار کو مرکزی بنانے اور پارٹی کے نظم وضبط پر سختی سے عمل کرنے پر زور دیا تاکہ اتحاد اور انقلابی مقاصد کی پاسداری کو یقینی بنایا جا سکے۔ تاہم، مرکزی قیادت پر اس زور نے بھی ماؤ کے ہاتھوں میں طاقت مرکوز کر دی اور اختلاف رائے کو کم کر دیا، جس سے ایک مطلق العنان سیاسی ثقافت پیدا ہوئی۔

ماؤ کا پارٹی قیادت کا خیال محض حکمرانی سے بالاتر تھا۔ ان کا خیال تھا کہ پارٹی کو سماج کے ہر پہلو کی تشکیل اور قیادت کرنی چاہیے، بشمول ثقافت، تعلیم، اور حتی کہ ذاتی عقیدے کے نظام۔ اس عقیدے نے چین کی تبدیلی کے پیچھے محرک قوت کے طور پر پارٹی کے کردار کو مستحکم کیا اور اس بات کو یقینی بنایا کہ کوئی دوسری سیاسی یا نظریاتی قوت اس کے اختیار کو چیلنج نہیں کر سکتی۔

8.4.8 ماؤ کی سیاسی فکر کی اہمیت(Significance of Mao's Political Thought)

ماؤزے تنگ کے سیاسی خیالات نہ صرف چین کے انقلاب کی رہنمائی میں اہم تھے بلکہ انہوں نے عالمی انقلابی تحریکوں کو بھی متاثر کیا، جیسے کہ ویتنام میں Ho Chi Minh یا کیوبا میں فیڈل کاسترو کی قیادت میں۔ مارکسی-لیننسٹ نظریہ کو مقامی حالات کے مطابق ڈھالنے میں ان کا زور، خاص طور پر زرعی طبقوں میں، تخلیقی طور پر لاگو ہونے پر مارکسزم کی لچک کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مزید برآں، گوریلا جنگ اور بڑے پیمانے پر متحرک ہونے میں ماؤ کی شراکت دنیا بھر میں سامراج مخالف جدوجہد کے لیے بیش قیمتی ثابت ہوئی۔

تاہم، ان کے کچھ نظریات کے نفاذ، خاص طور پر گریٹ لیپ فارورڈ اور ثقافتی انقلاب جیسی مہمات میں، بے قابو نظریاتی جوش و خروش اور مرکزی طاقت کے خطرات کو اجاگر کیا گیا۔ اس لیے ماؤ کی سیاسی فکر، سماج میں تبدیلی اور استحکام کے درمیان نازک توازن کے بارے میں تحریک کا ذریعہ اور احتیاطی تدبیر بنا گئی۔

8.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

ماؤزے تنگ کے نظریات اور تاریخی کردار کا مطالعہ کرنے کے بعد طالب علم اس قابل ہوں گے کہ

- متنوع سماجی اور معاشی حالات کے لیے مارکسی-لیننسٹ نظریہ کو سیاق و سباق میں لانے کی اہمیت کی تعریف کر سکیں۔
- اس بات کو تسلیم کریں کہ کس طرح انقلابی حکمت عملیوں کو مقامی حالات، جیسے زرعی معاشروں کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔
- بڑے پیمانے پر سماجی تبدیلی کے حصول میں بڑے پیمانے پر متحرک ہونے کا جائزہ لیں۔
- سخت پارٹی قیادت اور نچلی سطح کے حصولی کے درمیان تناؤ پر تبادلہ خیال کریں۔
- کسی قوم کے سیاسی استحکام اور ترقی پر تسلسل انقلاب کے اثرات کو دریافت کریں۔
- انتظامی نظاموں پر نظریہ اور پروپیگنڈے کے قلیل اور طویل مدتی اثرات کا جائزہ لیں۔
- ماؤ کی انقلابی پالیسیوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں دونوں میں معاون عوامل کی شناخت کریں۔
- ماؤازم کے ارتقاء کا تقابل عالمی سطح پر دیگر اشتراکی یا کمیونسٹ تحریکوں سے کریں۔

8.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

1. ماس لائن: اس تصویر میں قیادت عوام سے خیالات جمع کرتی ہے، انہیں مارکسی اصولوں کی روشنی میں بہتر بناتی ہے، اور بہتر پالیسیوں کو لوگوں تک واپس پہنچاتی ہے۔ ماس لائن پارٹی اور نچلی سطح کے درمیان تقابلی مکالمے کی نشاندہی کرتی ہے۔

2. تضاد : جدلیاتی مادیت کے جڑ' تضاد سے مراد مخالف قوتیں ہیں جو فطرت اور سماج میں ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ ماؤ کا خیال تھا کہ یہ مخالفتیں تبدیلی کا باعث بنتی ہیں؛ اس طرح، تضادات کو تسلیم کرنا اور حل کرنا انقلابی ترقی کا مرکز ہے۔

3. گوریلا جنگ: ایک فوجی حربہ جو چھوٹی، متحرک قوتوں کے تیز، اچانک حملوں پر انحصار کرتا ہے۔ ماؤ نے تکنیکی اور عددی لحاظ سے اعلیٰ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے گوریلا جنگ کا استعمال کیا، جس سے طویل تنازعات میں توازن مؤثر طریقے سے بدل گیا۔

4. انقلاب تسلسل: ماؤ نے استدلال کیا کہ انقلاب کے بعد بھی سماج کو سرمایہ دارانہ رجحانات کے دوبارہ ظہور کو روکنے کے لیے ایک انقلابی جذبے کو برقرار رکھنا چاہیے۔ اس نظریے نے ثقافتی انقلاب کو متاثر کیا، جس کا مقصد اشتراکی اقدار کو محفوظ رکھنا تھا۔

8.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Answer Questions)

8.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Type Questions)

1. ماؤ کا خیال تھا کہ چین میں بنیادی انقلابی طبقہ
   a) صنعتی مزدور طبقہ
   b) دیہی کسان
   c) شہری متوسط طبقہ
   d) روایتی بادشاہت
2. ماؤ کے انقلابی نقطہ نظر سے کس فوجی حکمت عملی کا سب سے زیادہ گہرا تعلق ہے؟
   a) خندق جنگ
   b) بحری ناکہ بندی

c) گوریلا جنگ

b) بلٹز کریگ

3. لانگ مارچ (1934-1935) تھا:

a) ثقافتی انقلاب کے دوران ایک واقعہ

b) کمیونسٹ فوج کی اسٹریٹجک پسپائی

c) بڑے پیمانے پر صنعتیانہ کا منصوبہ

d) غیر ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لیے ایک پروگرام

4. "ماس لائن" تصور کا مطلب ہے

a) بڑے پیمانے پر بھاری ٹیکس

b) بیوروکریسی کے ذریعہ عوام پر براہ راست کنٹرول

c) قیادت عوام سے خیالات اخذ کرتی ہے اور انہیں بہتر بناتی ہے

d) پارٹی کو ماس کمیٹی کے ساتھ تبدیل کرنا

5. ماؤ کے مطابق، تضادات سے مراد ہے

a) پالیسی بیانات میں کی گئی غلطیاں

b) کسانوں اور صنعت کاروں کے درمیان تنازعات

c) مخالف قوتیں جو سماجی تبدیلی کو تحریک دیتی ہیں

d) جغرافیائی حدود جن سے صلح نہیں کی جاسکتی

6. ماؤ کے ثقافتی انقلاب کا بنیادی مقصد یہ تھا

a) مغربی ثقافت کو فروغ دینا

(b) سفارتی تعلقات میں توسیع

(c) "سرمایہ دارانہ" اور "بورژوا" عناصر کو ہٹانا

(d) سامراجی نظام کو مضبوط کرنا

7. ماؤ نے عوامی جمہوریہ چین کے قیام کا اعلان کیا

(a) 1934

(b) 1949

(c) 1958

(d) 1966

8. پرولتاریہ کی آمریت کے تحت مسلسل انقلاب پر ماؤ کا زور

(a) سرمایہ دار مملکتوں کے ساتھ مستقل اتحاد کی حوصلہ افزائی کریں

(b) سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو برقرار رکھنا

(c) درجہ بندی کے دوبارہ ظہور کو روکیں

(d) مقامی سطح پر آزادانہ انتخابات کی اجازت دیں

9. ماؤنواز نظریے کی ایک پہچان یہ تھی

(a) غیر ملکی ٹیکنالوجی پر مکمل انحصار

(b) طاقتور بحریہ کی مطلق ضرورت

(c) انقلابی جدوجہد میں کسانوں کا مرکزی کردار

(d) سوشلسٹ اصولوں کا مکمل ترک کرنا

10. ماؤ کے چین میں پروپیگنڈے کا کردار تھا

a) سرمایہ دارانہ صارفین کی ثقافت کو فروغ دینا

b) قدیم خاندانوں کو جدید حکمرانی سے برتر کے طور پر پیش کرنا

c) سوشلسٹ پالیسیوں کے لیے بڑے پیمانے پر حمایت کو متحرک کرنا

d) پارٹی کے فیصلوں کے خلاف غیر فعال مزاحمت کی حوصلہ افزائی کریں

8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کسانوں کے معاملہ پر ماؤ کے نظریے کی مختصر وضاحت کیجئے۔
2. ماؤ کی قیادت کو مستحکم کرنے میں لانگ مارچ کی کیا اہمیت تھی؟
3. ماؤ کے "ماس لائن" کے تصور کے پیچھے کلیدی نظریات کیا تھے؟
4. ماؤ کے مطابق تضاد کی بنیادیں کیا ہے اس کی اہمیت واضح کیجئے۔
5. ماؤ کے انقلاب تسلسل کے تصور نے چین کی سیاست کو کس طرح متاثر کیا؟

8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. جدید چین کی تشکیل میں ماؤ کے سیاسی نظریے کی خوبیوں اور خامیوں کو تفصیل سے بیان کیجئے۔
2. کس طرح ماؤ نے چینی سیاق وسباق کے مطابق مارکسزم۔لینن ازم کو ڈھالا، جس میں گوریلا جنگ اور کسانوں کے کردار واضح ہوئے۔
4. مخصوص پالیسی مثالوں کا حوالہ دیتے ہوئے چین کے سماج اور ماؤ کی میراث پر ثقافتی انقلاب کے اثرات کا جائزہ لیں۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(c)	3۔	(b)	4۔	(c)	5۔	(c)
6۔	(c)	7۔	(b)	8۔	(c)	9۔	(c)	10۔	()

اکائی9۔اینٹونیو گرامسی

(Antonio Gramsci)

اکائی کے اجزاء

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 گرامسی کا مختصر تعارف

9.3 گرامسکی کے کلیدی تصورات

9.4 گرامسی کا تصور آئیڈیولوجی

9.5 گرامسی کے ثقافت اور تعلیم پر خیالات

9.6 گرامسی کی جیل نوٹ بکس

9.7 گرامسی کا ریاست کا نظریہ

9.8 گرامسی کے نزدیک محکوم طبقوں کا کردار

9.9 گرامسکی کے خیالات کی موجودہ سیاست میں اہمیت

9.10 گرامسی کے نظریات کی خامیاں اور ان پر تنقید

9.11 اکتسابی نتائج

9.12 کلیدی الفاظ

9.13 نمونہ امتحانی سوالات

9.13.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

9.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

9.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

9.0 تمہید (Introduction)

یہ اکائی اینٹونیو گرامسی کے سیاسی خیالات کو پیش کرتا ہے، جو ایک مشہور مارکسی مفکر تھے۔ گرامسی کے خیالات میں طاقت، ثقافت اور نظریات پر ان کے گہرے خیالات شامل ہیں، جنہوں نے موجودہ سیاسی نظریات پر نمایاں اثر ڈالا۔ ان کے تصورات جیسے حاکمیت، نامیاتی دانشور اور مظلوم طبقات ہمیں سماجی اور سیاسی تبدیلی کے عمل کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس یونٹ میں گرامسی کے خیالات کی تفصیل سے جانچ کی جائے گی، ان کے سیاسی طاقت اور مزاحمت کے بارے میں خیالات پر بات کی جائے گی، اور ساتھ ہی ان کے نظریات پر کی جانے والی تنقیدوں کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

9.1 مقاصد (Objective)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- گرامسی کے حاکمیت کے تصور کو سمجھ سکیں۔
- نامیاتی دانشوروں کے کردار کو وضاحت سے بیان کر سکیں۔
- مظلوم طبقات کی جدوجہد کا تجزیہ کر سکیں۔
- گرامسی کے ثقافتی کنٹرول کے نظریے کا جائزہ لے سکیں۔
- آج کے دور میں گرامسی کے افکار کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور ان کا تنقیدی جائزہ لے سکیں۔

9.2 اینٹونیو گرامسی کا مختصر تعارف (Introduction of Antonio Gramsci)

اینٹونیو گرامسی (1891-1937) بیسویں صدی کے سب سے متاثر کن سیاسی مفکرین میں سے ایک تھے۔ اٹلی کے جزیرے سارڈینیا میں پیدا ہونے والے گرامسی ایک غریب خاندان میں پلے بڑھے اور زندگی بھر کئی چیلنجز کا سامنا کیا، جن میں صحت کے مسائل بھی شامل تھے جو ان پر مسلسل اثرانداز ہوتے رہے۔ ان مشکلات کے باوجود، گرامسی نے سیاست و فلسفے میں گہری دلچسپی پیدا کی۔

انہوں نے اٹلی کی کمیونسٹ پارٹی میں اہم کردار ادا کیا اور مزدوروں کے حقوق اور سماجی انصاف کے لیے سرگرم حصہ لیا۔ گرامسی کا ماننا تھا کہ خیالات اور ثقافت کا معاشرے کی تشکیل پر گہرا اثر ہوتا ہے، جو انہیں اپنے دور کے دوسرے مارکسی مفکرین سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے ان اصولوں سے وفاداری نے انہیں 1926 میں موسولینی کے فاشسٹ حکومت کے ہاتھوں قید کروا دیا۔

قید کے دوران گرامسی نے وسیع پیمانے پر تحریریں کیں، جنہیں اب "قید خانہ کے نوٹس" کہا جاتا ہے، جو سیاست، معاشرت، ثقافت اور فلسفے پر ان کے خیالات کا مجموعہ ہیں۔ یہ تحریریں انہیں ایک انقلابی مفکر کے طور پر یاد رکھے جانے کی بنیاد بن گئیں۔ ان کے تصورات جیسے کہ حاکمیت اور سول سوسائٹی کا کردار، دنیا بھر میں سیاسی نظریہ اور سماجی تحریکوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ گرامسی کی زندگی کا قصہ یہ ثابت کرتا ہے کہ خیالات کی طاقت، حتیٰ کہ جبر کے دوران بھی، ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

9.3 گرامسکی کے کلیدی تصورات (Key Concepts of Gramsci)

گرامسکی نے کئی طاقتور نظریات متعارف کرائے جنہوں نے سیاست، طاقت اور معاشرے کو سمجھنے کے انداز کو بدل دیا۔ ان کے چند اہم ترین تصورات مندرجہ ذیل ہیں:

حاکمیت(Hegemony)

گرامسی نے وضاحت کی کہ طاقت کو نہ صرف طاقت کے ذریعے برقرار رکھا جاتا ہے بلکہ رضامندی کے ذریعے بھی۔ حاکمیت کا مطلب یہ ہے کہ حکمران طبقہ نہ صرف حکومت بلکہ لوگوں کے نظریات، ثقافت اور عقائد کو بھی کنٹرول کرتا ہے۔ یہ کنٹرول لوگوں کو اس نظام کو فطری اور منصفانہ ماننے پر مجبور کرتا ہے، چاہے اس سے صرف طاقتور کو ہی فائدہ ہو۔

سول سوسائٹی اور ریاست(Civil Society and State)

گرامسی نے معاشرے کو دو اہم حصوں میں تقسیم کیا:

سول سوسائٹی: جس میں اسکول، گرجاگھر اور میڈیا جیسے ادارے شامل ہیں۔ یہ لوگوں کے عقائد کو تشکیل دیتے ہیں اور بالادستی کو برقرار رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔

ریاست: جس میں حکومت، پولیس اور فوج شامل ہے۔ یہ ضرورت پڑنے پر قابو پانے کے لیے طاقت کا استعمال کرتا ہے۔

گرامسکی کا خیال تھا کہ سول سوسائٹی بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی ریاست اقتدار کو برقرار رکھنے میں۔

پوزیشن کی جنگ بمقابلہ تحریک کی جنگ(War of Position vs. War of Movement)

گرامسی نے دلیل دی کہ انقلابات دو طریقوں سے ہو سکتے ہیں:

تحریک کی جنگ(War of movement) : حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے براہ راست حملہ ہے، جو اکثر پر تشدد انقلابات میں دیکھا جاتا ہے۔

پوزیشن کی جنگ(War of position): سول سوسائٹی کے اندر نظریات اور ثقافت کو تبدیل کرنے کے لیے ایک سست، اسٹریٹجک جنگ ہے۔ گرامسی کا خیال تھا کہ یہ جدید معاشروں میں زیادہ موثر ہے کیونکہ یہ طویل مدتی تبدیلی کے لیے ایک مضبوط بنیاد بناتا ہے۔

یہ تصورات اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ طاقت کس طرح سیاست سے آگے چلتی ہے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ ثقافت، نظریات اور ادارے کس طرح معاشرے کو تشکیل دیتے ہیں اور کنٹرول کو برقرار رکھتے ہیں۔ گرامسکی کے خیالات لوگوں کو تنقیدی طور پر سوچنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ بامعنی تبدیلی کیسے پیدا کی جائے۔

9.4 گرامسی کا تصور نظریات (Gramsci's Notion of Ideology)

انتونیو گرامسی نے نظریات کو صرف سیاسی خیالات کا مجموعہ نہیں سمجھا۔ ان کے نزدیک نظریہ ایک طاقتور ذریعہ ہے جو لوگوں کی سوچ، عمل، اور دنیا کو دیکھنے کے انداز کو تشکیل دیتا ہے۔ یہ صرف سیاست تک محدود نہیں بلکہ ثقافت، تعلیم اور روزمرہ کی زندگی میں گہرائی سے جڑا ہوا ہے۔

اطالوی مفکر گرامسی کے مطابق نظریہ فرد کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کو کچھ اس طرح سلب کر لیتا ہے کہ انہیں اپنے حقیقی مفادات تک نظر نہیں آتے۔ گرامسی کی یہ تھیوری Cultural Hegemony کہلاتی ہے۔ دراصل گرامسی اس سوال کا جواب ڈھونڈ رہے تھے کہ برطانیہ، فرانس اور جرمنی جیسے صنعتی ممالک میں جہاں مارکس کے مطابق اشتراکی انقلاب کا ظہور سب سے پہلے ہونا چاہئے تھا وہ کیوں نہ ہو سکا۔ گرامسی کے مطابق ایسا اس لیے ہوا کہ وہاں کی انقلابی طاقت، یعنی مزدور، خود بورژوا نظریۂ حیات اور تہذیبی غلامی کا شکار ہو گئی اور ایک نئے نظریے کی بنیاد پر ایک نئی دنیا کی تعمیر کا خواب بھلا دیا

نظریات بطور طاقت کا ذریعہ (Ideology as a Tool of Power)

گرامسی کا کہنا تھا کہ حکمران طبقے نظریات کو اپنی طاقت برقرار رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ خیالات کو کنٹرول کر کے وہ اپنے اقدار اور مفادات کو سب کے لیے قدرتی اور درست بنا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر لوگ یہ مان لیں کہ محنت ہمیشہ کامیابی کی ضمانت ہے، تو وہ عدم مساوات کو بغیر کسی چون وچرا کے قبول کر لیں گے۔

دانشوروں کا کردار (Role of Intellectuals)

گرامسی نے نظریات کو پھیلانے اور برقرار رکھنے میں دانشوروں کے کردار پر زور دیا۔ انہوں نے دانشوروں کو دو اقسام میں تقسیم کیا:

1. روایتی دانشور (Traditional Intellectuals): یہ اسکالرز، اساتذہ یا پادری ہوتے ہیں جو بظاہر غیر جانبدار لگتے ہیں لیکن اکثر موجودہ نظام کی حمایت کرتے ہیں۔
2. نامیاتی دانشور (Organic Intellectuals): یہ مظلوم طبقوں سے ابھرتے ہیں اور غالب نظریات کو چیلنج کرنے، شعور بیدار کرنے، اور تبدیلی کے لیے کام کرتے ہیں۔

گرامسی کا ماننا تھا کہ ایک نئی، منصفانہ سماج کی تشکیل کے لیے نامیاتی دانشوروں کو تیار کرنا ضروری ہے جو ظلم پر مبنی نظریات کے خلاف قیادت کریں۔

گرامسی کے خیالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طاقت صرف قوانین یا فوج کے بارے میں نہیں بلکہ اس بات کو کنٹرول کرنے کے بارے میں ہے کہ لوگ کیا مانتے ہیں اور دنیا کو کیسے دیکھتے ہیں۔ یہ بصیرت ہمیں اکثر خیالات پر سوال اٹھانے اور بہتر معاشرے کے لیے متبادل تلاش کرنے کی ترغیب دیتی۔

9.5. گرامسی کے ثقافت اور تعلیم پر خیالات(Gramsci's Views on Culture and Education)

انتونیو گرامسی کا ماننا تھا کہ ثقافت اور تعلیم معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ یہ صرف عام زندگی کے حصے نہیں ہیں بلکہ طاقت کی جنگ کے اہم میدان ہیں، جہاں حکمرانی اور مزاحمت کا فیصلہ ہوتا ہے۔

طاقت میں ثقافت کا کردار(Role of Culture in Power)

گرامسی کے مطابق حکمران طبقہ ثقافت—جیسے میڈیا، ادب، مذہب، اور فن—کا استعمال کر کے اپنی اقدار کو پھیلاتا ہے اور اپنی طاقت قائم رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کی سوچ اور رویوں کو متاثر کر کے ایک ایسا نظام بناتا ہے جسے گرامسی نے hegemony(حاکمیت/غلبہ/تسلط) کہا، یعنی ایک ایسا نظام جسے لوگ قدرتی اور ناقابل تبدیل سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ثقافتی پیغامات اکثر انفرادی کامیابی یا اطاعت جیسے خیالات کو فروغ دیتے ہیں، جو موجودہ نظام کو مضبوط بناتے ہیں۔

تعلیم تبدیلی کا ذریعہ(Education as a Tool for Change)

گرامسی تعلیم کو ایک بہتر معاشرہ بنانے کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسکول اور یونیورسٹیاں اکثر ایسی قدریں سکھاتی ہیں جو حکمران طبقے کی حمایت کرتی ہیں اور عدم مساوات کو عام بات بنا دیتی ہیں۔ لیکن تعلیم لوگوں کو تنقیدی طور پر سوچنے اور ناانصافی کے نظام کو چیلنج کرنے کی طاقت بھی دے سکتی ہے۔

ثقافتی قیادت(Cultural Leadership)

گرامسی نے ثقافتی قیادت کا تصور پیش کیا، جس میں مظلوم طبقات حکمران طبقے کو نئے خیالات اور اقدار کے ذریعے چیلنج کرتے ہیں۔ ان کے مطابق، سماجی اور سیاسی تبدیلی کے لیے یہ ثقافتی تبدیلی ضروری ہے۔

مختصراً، گرامسی کے نزدیک ثقافت اور تعلیم یا تو موجودہ نظام کو برقرار رکھ سکتی ہیں یا انقلابی تبدیلی کے لیے راستہ ہموار کر سکتی ہیں۔ ان کے خیالات ہمیں اس بات پر غور کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ ہم کیا سیکھتے ہیں اور ثقافت ہماری زندگیوں کو کیسے متاثر کرتی ہے۔

9.6 گرامسی کی جیل نوٹ بکس (Gramsci's Prison Notebooks)

انتونیو گرامسی نے اپنی سب سے اہم افکار اس وقت لکھی جب وہ مسولینی کی فاشسٹ حکومت کے تحت قید تھے۔ ان تحریروں کو جیل نوٹ بکس کہا جاتا ہے، جو سیاست، ثقافت، معاشرت اور فلسفے پر ان کے خیالات کا مجموعہ ہیں۔

ان نوٹ بکس میں گرامسی نے hegemony(حاکمیت/غلبہ)، سول سوسائٹی (شہری معاشرہ)، اور طاقت کے برقرار رہنے اور چیلنج ہونے کے طریقوں پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے محکوم طبقات (دبے ہوئے گروہوں) کے بارے میں بھی لکھا اور یہ کہ وہ معاشرتی تبدیلی کے لیے کیسے منظم ہو سکتے ہیں۔

یہ نوٹ بکس اس لیے اہم ہیں کیونکہ وہ ثقافت، تعلیم، اور سیاست کو جوڑ کر یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہیں کہ معاشرے کیسے کام کرتے ہیں۔ آج بھی یہ طاقت اور مزاحمت کو سمجھنے کے لیے ایک قیمتی ذریعہ ہیں۔

9.7. گرامسی کا ریاست کا نظریہ (Gramsci's Theory of State)

گرامسی نے ریاست کو صرف حکومت یا جبر کا آلہ نہیں سمجھا بلکہ اس نے اسے طاقت کے ایک ایسے نظام کے طور پر دیکھا جو طاقت اور رضامندی کے امتزاج سے قائم رہتا ہے۔ یہ تصور ریاست کی گہرائی سے سمجھ کے لیے اہم ہے۔

سیاسی سماج اور شہری سماج (Political Society and Civil Society)

گرامسی نے ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کیا:

- سیاسی سماج: یہ حکومت، پولیس، اور فوج جیسے اداروں پر مشتمل ہے جو قوانین کو نافذ کرنے کے لیے جبر استعمال کرتے ہیں۔
- شہری سماج: اس میں اسکول، میڈیا، اور مذہبی ادارے شامل ہیں جو عوامی رائے تشکیل دیتے ہیں اور سماجی اصول بناتے ہیں۔

یہ دونوں مل کر مکمل ریاست (Integral State) بناتے ہیں، جہاں حکمران طبقہ جبر اور رضامندی کا امتزاج استعمال کر کے اپنی حکمرانی قائم رکھتا ہے۔

قیادت اور ثقافتی کنٹرول (Hegemony and Cultural Control)

ریاست حاکمیت قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، یعنی حکمران طبقہ ثقافتی اور نظریاتی میدانوں پر قابو پا کر عوام کی رضامندی حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، شہری سماج کے ادارے اکثر عدم مساوات کو معمول کا حصہ بنا دیتے ہیں، جس سے ناانصافی کرنے میں مدد ملتی ہے۔

مزاحمت کا کردار (The Role of Resistance)

گرامسی نے زور دیا کہ ریاست کو چیلنج کرنے کے لیے شہری سماج میں متبادل نظریات اور ادارے تخلیق کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ عمل براہ راست تصادم کے بجائے آہستہ آہستہ حکمران طبقہ کی طاقت کو کمزور کرتا ہے۔

گرامسی کا نظریہ ریاست کو ثقافتی اور نظریاتی قوتوں کے ساتھ جوڑتا ہے، اور طاقت کو ایک پیچیدہ نظام کے طور پر پیش کرتا ہے، جو صرف جبر پر مبنی نہیں بلکہ اثر و رسوخ اور رضامندی کے امتزاج پر مبنی ہے

9.8 گرامسی کے نزدیک محکوم طبقوں کا کردار (Gramsci on the Role of the Subaltern class)

انتونیو گرامسی نے سماج کے ان دبے، مظلوم اور پسماندہ طبقوں پر خصوصی توجہ دی جنہیں وہ محکوم طبقے (Subaltern Classes) کہتے تھے۔ ان میں مزدور، کسان اور وہ تمام افراد شامل ہیں جو سیاسی اور معاشی طاقت سے محروم ہیں۔ گرامسی نے نہ صرف ان کے استحصال کے طریقوں کا مطالعہ کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ یہ طبقے اپنی آزادی کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔

محکوم طبقے کون ہیں؟ (Who are the Subaltern?)

محکوم طبقے وہ گروہ ہیں جو سماجی، سیاسی اور معاشی طور پر دبائے جاتے ہیں۔ ان کے پاس فیصلے کرنے کا اختیار نہیں ہوتا اور ان کی آواز کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، غریب کسان یا مزدور جو وسائل اور تعلیم سے محروم ہیں، اس زمرے میں آتے ہیں۔

محکوم طبقوں کو درپیش مسائل(Challenges Faced by Subaltern Groups)

- ثقافتی غلبہ: ان کے اپنے روایات اور اقدار کو کم اہمیت دی جاتی ہے یا ختم کر دیا جاتا ہے۔
- غیر منظم حالت: انہیں منظم ہونے سے روکا جاتا ہے، جس سے ان کے لیے اپنے حقوق کے لیے لڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔
- شعور کی کمی: تعلیم اور میڈیا پر حکمران طبقے کے کنٹرول کی وجہ سے، اکثر یہ طبقے اپنے استحصال کو سمجھ نہیں پاتے۔

محکوم طبقوں کو بااختیار بنانا(Empowerment of the Subaltern)

گرامسی کے مطابق محکوم طبقے اپنے استحصال کے خلاف تین اہم اقدامات سے لڑ سکتے ہیں:

1. شعور حاصل کرنا: اپنے استحصال اور اس کے پیچھے موجود نظام کو سمجھنا۔
2. منظم ہونا: اتحاد بنانا اور اجتماعی طاقت پیدا کرنا۔
3. متبادل نظریات قائم کرنا: حکمران طبقے کے غلبے کو چیلنج کرنے کے لیے اپنی ثقافت، نظریات اور ادارے بنانا۔

فکری رہنماؤں کا کردار(Role of Intellectuals)

گرامسی نے نامیاتی فکری رہنماؤں(Organic Intellectuals) کی اہمیت پر زور دیا، جو خود محکوم طبقوں سے اُبھرتے ہیں۔ یہ رہنما مظلوم طبقے کو ان کے حالات سمجھنے اور منظم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

محکوم طبقے اور مزاحمت(Subaltern and Resistance)

گرامسی کے مطابق، محکوم طبقوں کی مزاحمت کا عمل فوری تصادم کے بجائے ایک سست اور حکمت عملی پر مبنی ہوتا ہے۔ انہیں سب سے پہلے سول سوسائٹی میں اپنی طاقت پیدا کرنی چاہیے اور ثقافتی اور نظریاتی سطح پر کام کرنا چاہیے، تاکہ وہ حکمران طبقے کے غلبے کو چیلنج کر سکیں۔

گرامسی کے خیالات ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتے ہیں کہ مظلوم طبقے اپنی محرومی کو کیسے ختم کر سکتے ہیں اور ایک منصفانہ معاشرے کی تعمیر کے لیے کیسے جدوجہد کر سکتے ہیں۔ یہ نظریات آج بھی سماجی انصاف اور برابری کے مسائل کو سمجھنے کے لیے بے حد اہم ہیں۔

9.9 گرامسکی کے خیالات کی موجودہ سیاست میں اہمیت (Relevance of Gramsci's Thoughts in current Politics)

گرامسکی کے خیالات کی موجودہ سیاست میں اہمیت

اینٹونیو گریمسکی کے خیالات آج بھی سیاست میں بہت اہم ہیں، حالانکہ وہ بیسویں صدی کے آغاز کے ہیں۔ ان کے نظریات ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتے ہیں کہ موجودہ معاشروں میں طاقت کس طرح کام کرتی ہے اور اسے کیسے چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ یہاں کچھ طریقے ہیں جن میں ان کے خیالات آج کی سیاست میں اہم ہیں:

1. حکومت سے باہر طاقت(Power outside the Government)

گرامسکی کا تصور حاکمیت/تسلط ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ حاکمیت صرف حکومت یا سیاستدانوں کے ذریعے قائم نہیں رہتی، بلکہ آج کی دنیا میں، حاکمیت ثقافت، میڈیا، تعلیم اور دوسرے اداروں کے ذریعے بھی قائم رہتی ہے۔ کمپنیاں، میڈیا اور سیاسی اشرافیہ عوامی رائے کو متاثر کرتے ہیں اور لوگوں کی اقدار کو تشکیل دیتے ہیں۔ گریمسکی کے خیالات ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ سماجی کنٹرول صرف قوانین یا طاقت کے ذریعے نہیں ہوتا، بلکہ یہ خیالات اور عقائد کے ذریعے بھی ہوتا ہے جنہیں لوگ بغیر سوال کیے قبول کر لیتے ہیں۔

2. سماجی تحریکیں اور مزاحمت(Social Movements and Resistance)

گرامسکی کا نظریہ پوزیشن کی جنگ آج کی تحریکوں میں ظاہر ہوتا ہے، جیسے بلیک لائیوز میٹر یا ماحولیاتی سرگرمیاں، جو معاشرتی اقدار کو تبدیل کرنے اور غالب نظریات کو چیلنج کرنے کی کوشش کرتی ہیں

1. دانشوروں اور تعلیم کا کردار(The Role of Intellectuals and Education)

گرامسکی نے نامیاتی دانشوروں کی اہمیت پر زور دیا جو دبے کچلے طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج، تعلیم اور عوامی سطح کے رہنما اہم کردار ادا کرتے ہیں عوام میں تبدیلی پیدا کرنے اور آگاہی کے لیے جدوجہد کرنا۔

2. ثقافتی کنٹرول کی اہمیت(The Importance of Cultural Control)

گرامسی کا نظریہ ثقافتی اداروں کی طاقت پر موجودہ ڈیجیٹل دور میں بہت اہم ہے، جہاں میڈیا اور سوشل پلیٹ فارم معاشرتی عقائد اور اقدار کو شکل دیتے ہیں، جو اکثر عدم مساوات کو مستحکم کرتے ہیں۔

3. عدم مساوات کو چیلنج کرنا(Challenging Inequality)

گرامسکی کا دھیان مظلوم طبقوں پر ہے، جو عدم مساوات کے مسائل کو حل کرنے میں اہم ہیں۔ یہ گروہ آگاہی پیدا کر کے اور تنظیم بنا کر آج بھی نظامی ناانصافی کو چیلنج کرتے ہیں۔

نتیجتا کہا جاسکتا ہے کہ گریمسکی کے خیالات ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتے ہیں کہ طاقت صرف حکومتوں کے ذریعے نہیں چلتی بلکہ ثقافتی اور نظریاتی کنٹرول کے ذریعے بھی طاقت حاصل کی جاتی ہے۔ ان کے خیالات ہمیں یہ ترغیب دیتے ہیں کہ ہم تسلیم شدہ اصولوں کو سوالات کے ذریعے چیلنج کریں اور ایک زیادہ منصفانہ اور ایک متوازن معاشرے کے لیے جدوجہد کریں۔ آج ان کے نظریات سیاست دانوں، سماجی تحریکوں اور دنیا بھر کے کارکنوں کے لیے رہنمائی فراہم کر رہے ہیں۔

9.10 گرامسی کے نظریات کی خامیاں اور ان پر تنقید (Criticism and Limitations of Gramsci's Ideas)

اگرچہ گرامسی کے خیالات بہت مقبول ہوئے ہیں، لیکن ان پر کچھ تنقیدیں بھی کی گئی ہیں:

1. ثقافت پر زیادہ زور(Overemphasis on Culture): بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ گرامسی نے ثقافتی اداروں جیسے میڈیا اور تعلیم کو طاقت کے قائم رکھنے میں زیادہ اہمیت دی، اور اقتصادی یا سیاسی عوامل کو نظر انداز کیا۔

2. غلبہ کا مبہم تصور(:Ambiguity of Hegemony): گرامسی کا غلبہ کا تصور بعض اوقات غیر واضح سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہ مکمل طور پر واضح نہیں ہے کہ ثقافتی غلبہ کیسے قائم اور برقرار رکھا جاتا ہے۔

3 . ریاست پر محدود فوکس(Limited Focus on the State): گرامسی نے ریاست کو سیاسی اور ثقافتی اداروں کا مجموعہ سمجھا، لیکن بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ انہوں نے ریاست کی جابرانہ خصوصیت اور اس کے کردار کو مکمل طور پر نہیں سمجھا۔

4 عملیت پرستی پر تصوریت کو فوقیت(Idealism over Pragmatism): گرامسی کا ثقافتی تبدیلی کے ذریعے "مقابلہ حاکمیت,counter-hegemony" کا تصور بعض لوگوں کو غیر حقیقت پسندانہ لگتا ہے، کیونکہ یہ طاقت کے حقیقی تنازعات کو نظر انداز کرتا ہے۔

5 . عالمی قوتوں کا کم اندازہ لگانا(Underestimation of Global Forces): گرامسی نے قومی سطح پر جدوجہد پر زیادہ زور دیا، لیکن عالمی سرمایہ داری اور عالمی طاقتوں کے اثرات پر ان کا فوکس کم تھا، جس کی وجہ سے ان کے نظریات عالمی سطح پر محدود ہیں۔

مختصر طور پر، گرامسی کے خیالات نے ثقافتی اور نظریاتی طاقت کو سمجھنے میں مدد دی، لیکن ان پر تنقید کی گئی ہے کہ وہ اقتصادی اور سیاسی عوامل کو نظر انداز کرتے ہیں اور عالمی سطح پر ان کے نظریات محدود ہیں۔

9.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے

- گرامسی کا تصور حاکمیت کو جانا۔
- نامیاتی دانشوروں کا کردار کو سمجھا۔
- مظلوم طبقات کی جدوجہد سے روبرو ہوئے۔
- گرامسی کے ثقافتی کنٹرول کا نظریہ کی معلومات حاصل کی۔
- آج کے دور میں گرامسی کے افکار کی اہمیت سے واقفیت ہوئے۔

9.12 کلیدی الفاظ (Keywords)

حاکمیت: وہ عمل جس کے ذریعے حکمران طبقہ معاشرے پر قابو پانے کے لیے ثقافت، خیالات، اور عقائد کو تشکیل دیتا ہے، تاکہ ان کی بالادستی کو قدرتی اور منصفانہ ظاہر کیا جاسکے۔

سول سوسائٹی: ایسے ادارے جیسے اسکول، میڈیا، اور چرچ جو لوگوں کے عقائد پر اثر ڈالتے ہیں اور حکمران طبقے کی طاقت کو برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

ریاست: حکومتی ڈھانچہ، جس میں پولیس اور فوج شامل ہیں، جو ضرورت پڑنے پر طاقت کا استعمال کرتے ہوئے کنٹرول قائم رکھتا ہے۔
پوزیشن کی جنگ: ایک حکمت عملی سے بھرپور اور تدریجی طریقہ، جو سول سوسائٹی میں خیالات اور ثقافت کو تبدیل کر کے طاقت کو چیلنج کرتا ہے۔
آرگینک انٹیلیکچولز: ایسے افراد جو محنت کش طبقے سے ابھرتے ہیں اور غالب نظریات کو چیلنج کرتے ہوئے شعور پیدا کرتے ہیں اور تبدیلی کو فروغ دیتے ہیں۔

9.13 نمونہ امتحانی سوالات(Model of Examination Questions)

9.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type of Questions)

1. گرامسی کے نظریہ حاکمیت کا مرکزی تصور کیا ہے؟:

(a)اقتصادی طاقت (b)ثقافتی اور نظریاتی غلبہ
(c)سیاسی اختیار (d)فوجی قوت

2. گرامسی کے مطابق "آرگینک انٹیلیکچولز" کون ہیں؟

(a)روایتی اسکالرز (b)حکومتی طبقے کے انٹیلیکچولز
(c)مارجنلائزڈ گروپوں کے انٹیلیکچولز (d)سیاستدان اور سرکاری افسران

3. گرامسی کے نظریہ کے مطابق سبالٹرن طبقات کی جدوجہد کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

(a)اقتصادی خود مختاری (b)ثقافتی مزاحمت اور سماجی تبدیلی
(c)سیاسی غلبہ (d)فوجی طاقت

4. گرامسی کے نظریہ ثقافتی کنٹرول پر زور کیا دیتا ہے؟

(a)ریاست کی طاقت کا استعمال (b)سیاست پر مذہب کا اثر
(c)ثقافتی اداروں کا معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار (d)طاقت میں اقتصادی اختیار کا کردار

5. گرامسی کے مطابق طاقت کا نظریہ کیا ہے؟

(a)طاقت صرف فوجی طاقت سے برقرار رکھی جاتی ہے۔ (b)طاقت صرف اقتصادی کنٹرول کے ذریعے برقرار رکھی جاتی ہے۔
(c)طاقت سیاسی اختیار اور ثقافتی اصولوں دونوں کے ذریعے برقرار رکھی جاتی ہے۔(d)طاقت سماج میں یکساں تقسیم ہوتی ہے۔

6. گرامسی کے نظریہ کے مطابق حاکمیت میں کس کا غلبہ ہوتا ہے؟

(a)فوجی رہنماؤں کا (b)حکومتی طبقے کے ثقافتی اور نظریاتی اقدار کا
(c)اقتصادی اداروں کا (d)سیاسی انتخابات کا

7. گرامسی کے مطابق سبالٹرن طبقات طاقت کے غلبے کا مقابلہ کیسے کرتے ہیں؟

(a)پر تشدد انقلاب کے ذریعے (b)ثقافتی اور نظریاتی جدوجہد کے ذریعے

(c)اقتصادی جنگ کے ذریعے (d)سیاسی انتخابات کے ذریعے

8. گرامسی کے نظریہ میں آرگینک انٹیلیکچولز کا کیا کردار ہے؟

(a)وہ غالب نظریے کی حمایت کرتے ہیں۔ (b)وہ حکومتی طبقے کے اقدار کو فروغ دیتے ہیں۔

(c)وہ ثقافتی غلبے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک کاؤنٹر ہیگیمونی تیار کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

(d)وہ ریاستی اداروں کا انتظام کرتے ہیں۔

9. گرامسی کے ثقافتی کنٹرول کے نظریہ کا کون سا عنصر اہم ہے؟

(a)طاقت میں فوجی کردار۔ (b)تعلیم، میڈیا اور مذہب کے ذریعے عوامی رائے کی تشکیل

(c)اقتصادی عدم مساوات کا کردار (d)اختلاف رائے کو دبانے کے لیے تشدد کا استعمال

10. گرامسی کے مطابق 'پوزیشن کی جنگ' سے کیا مراد ہے؟

(a)براہ راست فوجی تصادم (b)معاشرتی اقدار کو بدلنے کے لیے تدریجی ثقافتی جدوجہد

(c)حکومت پر قابو پانے کے لیے سیاسی مہم (d)ایک پر تشدد انقلاب

9.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. گرامسی کے مطابق حاکمیت کا تصور کیا ہے؟ بیان کیجئے۔

2. گرامسی کے نظریہ میں آرگینک انٹیلیکچولز کون ہیں اور ان کا کیا کردار ہے واضح کیجئے۔

3. گرامسی کے مطابق سبالٹرن طبقات غلبہ حاصل کرنے والی طاقت کا مقابلہ کیسے کرتے ہیں؟ قلم بند کیجئے

4. گرامسی کے نظریہ طاقت میں ثقافتی کنٹرول کی کیا اہمیت ہے؟ وضاحت کیجئے۔

5. آج کی سیاست میں گرامسی کے خیالات کیوں اہم ہیں؟ مختصر روشنی ڈالیئے۔

9.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. گرامسی کے حاکمیت کے تصور کی وضاحت کیجئے اور معاشرتی طاقت کو برقرار رکھنے میں اس کے کردار کو؟ واضح کیجئے

2 . گرامسی کے نظریہ میں آرگینک انٹیلیکچولز کا کردار بیان کیجئے۔ یہ کس طرح مخالف حکمران پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں اور سماجی تبدیلی میں ان کی اہمیت بیان کیجئے۔

3. گرامسی کے ثقافتی کنٹرول کے نظریہ کا تجزیہ کیجئے۔ یہ تعلیم میڈیا معاشرتی طاقت کے ڈھانچوں کی تشکیل میں کس طرح کردار ادا کرتے ہیں۔ روشنی ڈالیئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔ (b)	2۔ (c)	3۔ (b)	4۔ (c)	5۔ (c)
6۔ (b)	7۔ (b)	8۔ (c)	9۔ (b)	10۔ (b)

اکائی۔10 جان رالس

(John Rawls)

اکائی کے اجزاء

10.1 تمہید

10.2 مقاصد

10.3 مفکر کی زندگی اور کامیابیاں

10.3.1 ابتدائی زندگی اور تعلیم

10.3.2 تعلیمی دور

10.3.3 حصولیابیاں اور کلیدی تعاون

10.3.4 میراث اور اثرات

10.4 جان رالس کی سیاسی فکر

10.4.1 انصاف بطور شفافیت

10.4.2 اصل موقف

10.4.3 لاعلمی کا پردہ

10.4.4 انصاف کے اصول

10.4.5 انصاف اور معاشی تقسیم

10.4.6 بین الاقوامی انصاف

10.4.7 آزاد جمہوریت پر رالس کے خیالات

10.4.8 اتفاق رائے پر غلبہ

10.4.9 فرق کا اصول

10.4.10 تنقیدیں اور اثرات

10.5 اکتسابی نتائج
10.6 کلیدی الفاظ
10.7 نمونہ امتحانی سوالات
10.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
10.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
10.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

10.0 تمہید (Introduction)

جان رالس (1921-2002) کو وسیع طور پر بیسویں صدی کے ایک انتہائی بااثر سیاسی فلسفیوں میں سے ایک تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے کام نے انصاف، مساوات اور ان سیاسی ڈھانچوں کے بارے میں جو سماج پر حکمرانی کرتے ہیں ہمارے سوچنے کے انداز کو بدل دیا۔ راولس سے پہلے، جدید سیاسی مفکرین کی اکثریت افادیت پسندی سے متاثر تھی جو کامل مسرت کو زیادہ سے زیادہ کرنے کو ترجیح دیتا ہے، چاہے ایک بہتر اچھائی کے لئے چند افراد کی بہتری کو قربان کیوں نے کرنا پڑے۔ تاہم راولس نے اس رویہ کو مسترد کر دیا اور کہا کہ ہر فرد کے موروثی وقار اور مساوات کا احترام کئے بغیر انصاف حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

رالس کی فکر کے مرکز میں یہ سوال پنہاں ہے: سماج کو کیا منصفانہ بناتا ہے؟ اس کے جواب میں، رالس نے شفافیت، غیر جانبداری اور باہمی احترام میں انصاف کی بنیاد کا ایک غیر معمولی نظریہ پیش کیا۔ اس کا سب سے متاثر کن کام، اے تھیوری آف جسٹس (1971)، انصاف کو سمجھنے کے لئے ایک فریم ورک فراہم کرتا ہے جو سماجی تعاون میں شفافیت کو یقینی بناتا ہے اور سماج کے یہاں تک کہ سب سے کمزور رکن کے لئے بھی حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ رالس کے نظریہ کی کلیدی اختراع ایک ''اصل موقف'' کی تجویز اور ''لاعلمی کا پردہ'' کا استعمال تھی۔ دو فلسفیانہ آلات جن کا مقصد ایک منصفانہ سماج کے اصولوں کو سمجھنے میں شخصی جانبداریوں کو ختم کرنا ہے۔

رالس کا نظریہ جس کو ''انصاف بطور شفافیت'' کے طور پر بھی جانا جاتا ہے انصاف کے دو بنیادی اصولوں پر زور دیتا ہے: تمام افراد کے لئے مساوی بنیادی حقوق اور معاشی عدم مساوات کا ایک منظم نظام جو کم سے کم مراعات یافتہ افراد کو فائدہ پہنچانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ ان اصولوں کا نہ صرف سیاسی فلسفہ پر بلکہ قانون، معاشیات اور عوامی پالیسی پر بھی دیرپا اثر پڑا ہے، جو دنیا بھر میں سماجی انصاف، عوامی بہبود اور انسانی حقوق پر ہونے والے مباحث کو متاثر کرتے ہیں۔

رالس کا کام صرف نظریاتی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی بہت اہم ہے۔ ان کے خیالات سماج کو اس بات پر چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ایسی پالیسیاں تشکیل دیں جو مواقع، خدمات، اور وسائل تک منصفانہ رسائی کو یقینی بنائیں۔ بنیادی طور پر، ان کا کام جمہوری حکومتوں کے لیے ایک رہنما کے طور پر کام کرتا ہے، جو ایک زیادہ منصفانہ اور مساوی دنیا کی تعمیر کا مقصد رکھتی ہیں۔

رالس کا فلسفہ تکثیری سماجوں سے مطابقت کے لیے بھی قابل ذکر ہے جو متنوع ثقافتی، مذہبی اور اخلاقی تناظر پر مشتمل ہے۔ ایسے معاشروں میں اس بات پر تصادم اور اختلاف ناگزیر ہے۔ کہ انصاف کیسا ہونا چاہئے۔ کسی خاص اخلاقی روایت یا جامع نظریہ پر انصاف کی بنیاد رکھنے کے بجائے، رالس نے ایک ایسا فریم ورک تجویز کیا جو مختلف عالمی نظریات کے حامل لوگوں کو انصاف کے بنیادی اصولوں پر اتفاق کرتے ہوئے پرامن طور پر ایک ساتھ رہنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ اس کے نقطہ نظر کو مشمولی اور عملی دونوں بناتا ہے، خاص طور پر ایسے عالمی تناظر میں جہاں متنوع اقدار اور عقائد آپس میں ٹکراتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جان رالس نے شفافیت اور مساوات پر اپنی توجہ کے ساتھ جدید سیاسی فکر میں انقلاب برپا کیا اور انصاف پر عصری مباحث کی بنیاد رکھی۔ ان کے نظریات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ایسے ادارے اور پالیسیاں تشکیل دی جائیں جو افراد کے احترام کو ترجیح دیں اور ایک باہمی تعاون اور مساوات پر مبنی معاشرے کی تشکیل کی کوشش کریں۔ رالس کا کام اس اصول کے لیے ایک فلسفیانہ بنیاد فراہم کرتا ہے کہ انصاف غیر جانبدارانہ اور جامع ہونا چاہیے، اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ہر شخص کو کامیابی کا مساوی موقع ملے چاہے اس کا سماجی یا معاشی نقطہ آغاز کچھ بھی ہو۔

10.1 مقاصد (Objective)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے:

- جان رالس کی زندگی اور اہم حصولیابیوں کو سمجھیں گے۔
- رالس کے سیاسی فلسفہ کی شناخت کرنے اور کلیدی اجزاء کی وضاحت کریں گے
- ''انصاف بطور شفافیت'' اور ''اصل موقف'' کے نظریات کا تجزیہ کریں گے۔
- رالس کے نظریہ کی عملی دشواریوں اور تنقیدوں کا محاسبہ کرنے کے لائق ہو جائیں گے۔
- مختلف جمہوری فکر اور سیاسی پالیسی پر رالس کے اثرات پر بحث کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

10.2 جان رالس کی زندگی اور کامیابیاں (Life and Achievements of Rawls)

جان رالس، جو 21 فروری 1921 کو بالٹی مور، میری لینڈ میں پیدا ہوئے، 20ویں صدی کے سب سے بااثر سیاسی فلسفیوں میں سے ایک تھے۔ انصاف اور شفافیت پر ان کا کام سیاسی نظریہ دانوں، اخلاقیات کے ماہرین، اور پالیسی سازوں کے لیے سماجی ڈھانچوں اور انسانی مساوات کے بارے میں سوچنے کا طریقہ بدلنے کا باعث بنا۔ اگرچہ ان کے خیالات کو بعد میں دنیا بھر میں پہچان ملی، لیکن ان کے بچپن نے اخلاقیات اور انصاف کے گہرے احساس کو پروان چڑھایا، جو ان کے فلسفہ کی بنیاد بنا۔

9.3.1 ابتدائی زندگی اور تعلیم (Early Life and Education)

رالس ایک تعلیم یافتہ اور نسبتاً خوشحال خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد، ولیم لی راولس، ایک کامیاب وکیل تھے، جبکہ ان کی والدہ، انا ایبل اسٹمپ رالس، سماجی انصاف کے کاز میں سرگرم تھیں۔ اس خاندانی پس منظر نے کم عمری میں ہی جان رالس کو قانون،

اخلاقیات، اور سماجی ذمہ داریوں پر ہونے والے مباحث سے روشناس کرایا۔ تاہم، ان کے ابتدائی برسوں میں سانحات سے بھی دو چار ہوئے تھے؛ان کے دو بھائی بچپن میں بیماریوں کی وجہ سے فوت ہو گئے، جن میں سے ایک کو پولیو جان رالس سے ہی آیا تھا۔ یہ ذاتی سانحات ان پر گہرا اثر چھوڑ گئے، جس سے ان میں تکالیف کے لیے حساسیت اور ان ناانصافیوں کا شعور پیدا ہوا جو اکثر ان تکالیف کو بڑھاتی تھیں۔ کچھ ماہرین کا کہنا ہے کہ ان تجربات نے رالس کی انصاف اور شفافیت سے متعلق سوالات کے لئے زندگی بھر کی وابستگی کو متاثر کیا۔

رالس نے اپنی انڈر گریجویٹ تعلیم کے لیے پرنسٹن یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور 1943 میں فلسفہ میں ڈگری حاصل کی۔ گریجویشن کے بعد، انہوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکی فوج میں شمولیت اختیار کی اور پیسیفک تھیٹر میں خدمات انجام دیں۔ اس دور کے تجربات نے انہیں انسانی تکالیف، ناانصافیوں، اور جنگ کے نتائج کا براہِ راست مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ خاص طور پر، ہیروشیما کے دورے نے، جو ایٹمی حملہ کے بعد کیا گیا تھا، ان پر گہرا اثر چھوڑا اور انہیں غیر منصفانہ سماجی حالات کو بہتر بنانے کے لیے مزید پختہ عزم دیا۔ امریکہ واپسی کے بعد، رالس نے اس بار اپنی گریجویٹ تعلیم کے لیے دوبارہ پرنسٹن یونیورسٹی میں داخلہ لیا' اور 1950 میں فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

9.3.2 تعلیمی دور(Academic Period)

رالس کا تعلیمی شہرت کی طرف سفر کارنیل یونیورسٹی اور ایم آئی ٹی میں تدریسی عہدوں سے شروع ہوا، جس کے دوران انہوں نے اس کام کے لئے بنیاد تیار کرنا شروع کیا جو ان کے اہم کارنامے بن گیا۔ 1962 میں، انہوں نے ہارورڈ یونیورسٹی میں ایک عہدہ کے لیے پیشکش قبول کی، جہاں انہوں نے اپنے کیریئر کا بیشتر وقت گزارا۔ ہارورڈ میں رالس ایک انتہائی معزز اور بااثر فیکلٹی رکن بن گئے، اور انہوں نے تھامس نیگل اور امرتیہ سین جیسے مستقبل کے اہم مفکرین کی رہنمائی کی۔ ان کا تعلیمی کام دیگر ممتاز فلسفیوں کے ساتھ تعلق سے فائدہ حاصل کرتا تھا، خاص طور پر آکسفورڈ یونیورسٹی میں فل برائٹ پروگرام کے تحت، جہاں انھوں نے ڈبلیو وی او۔ کوائن، اسٹورٹ ہیمپشائر، اور ایسیا برلن کے ساتھ کام کیا۔

9.3.3 حصولیابیاں اور کلیدی تعاون(Achievements and Key Contributions)

رالس کا غیر معمولی کام 1971 میں اے تھیوری آف جسٹس کی اشاعت کے ساتھ ثمر آور ہوا۔ اس کتاب نے ''انصاف بطور شفافیت'' کے تصور کو متعارف کروانے اور ''اصل موقف'' اور ''لاعلمی کا پردہ'' جیسے نئے خیالات پیش کر کے سیاسی فلسفہ میں انقلاب برپا کیا۔ یہ نظریاتی آلات مساوات پر مبنی آزاد پسندی کو مضبوط دفاع فراہم کرتے ہیں اور سیاست میں افادیت پسندی کو غالب اخلاقی فریم ورک کے طور پر چیلنج کرتے ہیں۔ شفافیت پر زور دیتے ہوئے، ان کا نظریہ انصاف کے ایسے اصولوں کو تیار کرنے کی خواہش کرتا ہے جن پر عقل مند افراد لاعلمی کے پردہ میں اتفاق کریں، جس سے ذاتی مفاد کے تعصبات ختم ہو جائیں۔

رالس کی حصولیابیاں اے تھیوری آف جسٹس سے بہت آگے تھیں۔ اپنی 1993 کی کتاب پولیٹیکل لبرل ازم میں، انہوں نے ان سوالات کا جواب دیا کہ کس طرح متنوع، تکثیری سماج بغیر کسی اخلاقی یا مذہبی عقائد پر متفق ہوئے بغیر پرامن طریقہ سے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ یہ

ان کی فکر میں تبدیلی کی علامت تھی، جہاں انہوں نے عالمی خیالات سے انحراف کرتے ہوئے انصاف مبنی سماجی نظام سے جمہوری سماج میں استحکام برقرار رکھنے کے لیے ایک فریم ورک پیش کیا۔ ان کے بعد کے کام دی لاز آف پیپلس (1999) میں انہوں نے انصاف کے اپنے خیالات کو عالمی سطح پر پھیلایا، اور ان اصولوں پر بات کی جو قوموں کے درمیان تعلقات کو' خاص طور پر عالمی عدم مساوات کو دور کرنے میں مبا قاعدہ بنائیں۔

اپنی کیریئر کے دوران، رالس نے 'میدان میں تعاون کے اعتراف میں متعدد باوقار ایوارڈز حاصل کئے، جن میں شامل ہیں:

1۔ شاک پرائز برائے منطق اور فلسفہ (1999): اس ایوارڈ نے ان کی فلسفیانہ تعاون کو تسلیم کیا، جنہوں نے انصاف، شفافیت اور مساوات پر ہونے والی بحث کو دوبارہ معین کیا۔

2۔ نیشنل ہیومینیٹیز میڈل (1999): صدر بل کلنٹن کی جانب سے یہ ایوارڈ سیاسی فلسفہ اور جمہوری نظریہ پر ان کے گہرے اثرات کے اعتراف میں دیا گیا۔

3۔ امریکن اکیڈمی آف آرٹس اینڈ سائنسس کی رکنیت: یہ ایوارڈ ان کے علمی اور سماجی اثر ورسوخ کا غماز ہے، جو نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ مجموعی طور پر معاشرتی سطح پر بھی نمایاں تھا۔

رالس کی سخت نظریاتی دلائل کو اخلاقی تشویشات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت نے ان کے کام کو بے پناہ اثر دار بنا دیا۔ ان کے خیالات معیشت، اخلاقیات، اور بین الاقوامی تعلقات میں مساوات پر عصری مباحث کی بنیاد بن گئے ہیں،۔ لبرل نظریہ کے لئے ان کے تعاون نے پالیسی سازوں کو متاثر کیا، جو شخصی آزادیوں کو برقرار رکھتے ہوئے ساختی مساوات کو حل کرنا چاہتے ہیں۔

9.3.4 میراث اور اثرات (Legacy and Impact)

جان رالس کا اثر فلسفہ کے تعلیمی میدان سے کہیں آگے تک پھیل چکا ہے۔ ان کے خیالات نے جدید فلاحی ریاستوں اور عوامی پالیسی پر ہونے والے مباحث کو نظریاتی بنیاد وضع کرنے میں مدد کی۔ ''فرق کا اصول'' جیسے تصورات، جو یہ کہتے ہیں کہ سماجی اور معاشی عدم مساوات صرف اس صورت میں جائز ہیں جب وہ سب سے کم مراعات یافتہ افراد کی حالت بہتر بنائیں، آمدنی کی تقسیم نو کی پالیسیوں، کاربند پروگراموں، اور سماجی انصاف کے طریقوں میں عملی پیچیدگیاں رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں تعلیم، نگہداشت صحت اور ٹیکس پر ہونے والے جدید مباحث شفافیت کو جانچنے کے لئے اکثر رالس کے تصورات پر توجہ کرتے ہیں۔

مزید برآں، رالس کے غیر جانبداری اور اتفاق رائے پر اصرار نے متعدد شعبوں میں انصاف پر ہونے والے مباحث کو شکل دی، اور نئی نسل کے مفکرین کو متاثر کیا۔ فلسفی جیسے تھامس پوگے نے رالس کے اصولوں کو عالمی انصاف تک وسعت دی، جبکہ ماہر معاشیات جیسے امرتیہ سین نے ان کے خیالات پر انحصار کرتے ہوئے انسانی ترقی اور فلاح کے وسیع تر موضوعات کا مطالعہ کیا۔

رالس نے 1991 میں ہارورڈ یونیورسٹی سے پروفیسر کی حیثیت سے سبکدوشی اختیار کی، لیکن اپنے نظریات کو لکھنا اور ان پر نظر ثانی کرنا جاری رکھا۔ باوجود ان تنقیدوں کے کہ ان کے خیالات حقیقی دنیا کی سیاست کی پیچیدگیوں سے بہت زیادہ ماخود یا الگ ہیں، ان کے نظریات

جمہوریت، انسانی حقوق، اور انصاف پر ہونے والے موجودہ مباحث میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ رالس 24 نومبر 2002 کو فوت ہو گئے لیکن ان کا فکری تعاون عالمی سطح پر سیاسی فکر کو شکل دیتا رہے گا۔

10.3 جان رالس کی سیاسی فکر (Political Philosophy of Rawls)

جان رالس کی سیاسی فکر ان کے انصاف بطور شفافیت کے تصور پر مرکوز ہے، ایک ایسا نظریہ جو ایک منصفانہ اور مساوی سماج کے لیے ضروری اصولوں کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رالس نے اپنے خیالات کو افادیت پسندی کے حدود اور جمہوری سماجوں میں آزادی، مساوات اور شفافیت کو متوازن کرنے کے چیلنجوں کے جواب کے طور پر تیار کیا۔ ان کے فلسفہ کی جڑیں اس عقیدے میں پیوست ہیں کہ افراد کو ان کی آزادی اور وقار کا احترام کرنے والے قوانین کے منصفانہ نظام کے تحت مساوی طور پر تعاون کرنا چاہیے۔ ذیل میں اہم تصورات ہیں جو رالس کے سیاسی فلسفہ اور ان کے اہم کاموں میں خصوصی طور پر نمایاں ہیں، جن میں اے تھیوری آف جسٹس (1971)، پولیٹیکل لبرل ازم (1993) اور دی لا آف پیپلز (1999) شامل ہیں۔

9.4.1 انصاف بطور شفافیت (Justice as a Principle of Transparency)

رالس کے کام میں انصاف بطور شفافیت کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک منصفانہ سماج کا تصور پیش کرتا ہے جو افراد کو پرامن طریقہ سے ایک ساتھ رہنے کی اجازت دیتا ہے، ساتھ ہی انصاف اور مساوات کا احترام بھی کرتا ہے۔ رالس کے مطابق، انصاف کو شخصی آزادیوں اور اجتماعی مساوات کے درمیان توازن لازمی حاصل کرنا چاہیے۔ ان کا طریقہ کار افادیت پسندی پر تنقید کرتا ہے، جو اکثر مجموعی خوشی پر توجہ دینے کے بجائے، اکثریت کے بڑی بہتری کے لیے چند افراد کی فلاح کی قربانی دیتا ہے۔ رالس کا کہنا ہے کہ انصاف اس بات میں ہے کہ تمام افراد، خاص طور پر سماج کے سب سے کم مراعات یافتہ افراد، کے ساتھ منصفانہ سلوک کو یقینی بنانے میں پنہاں ہے۔

انصاف بطور شفافیت دو بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

1۔ ہر فرد بنیادی آزادیوں کے یک مجموعہ (جیسے، اظہار رائے کی آزادی، مساوی سیاسی شراکت داری) کا مساوی حق رکھتا ہے۔

2۔ سماجی اور معاشی عدم مساوات صرف اس صورت میں جائز ہیں جب وہ سماج کے سب سے کم مراعات یافتہ افراد کو فائدہ پہنچائیں (جسے فرق کا اصول کہا جاتا ہے)۔

رالس کی شفافیت پر توجہ کا مطلب یہ ہے کہ انصاف کو تاریخی حادثات یا پیدائش عدم مساوات کا نتیجہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یہ ایک مشترکہ معاہدے سے پیدا ہونا چاہیے جو منصفانہ حالات میں کیا جائے۔

9.4.2 اصل موقف (Core Position)

رالس کے خیالی تجربے اصل موقف کہلاتے ہیں جن میں، وہ ایک مفروضی منظر نامہ تصور کرتے ہیں جس میں مناسب افراد باہم سماجی ڈھانچہ کے بنیادی اصولوں کا تعین کرتے ہیں۔ ان افراد کو جب اصول تیار کرنا ہوں، تو انہیں انصاف کے ان اصولوں پر غور کرنا ہو گا جو

سب کے لیے شفاف ہوں۔اہم بات یہ ہے کہ یہ افراد اصل موقف میں ہیں، جہاں وہ مکمل طور پر معقول اور خود غرض ہیں، لیکن وہ باہمی فائدہ کے لئے دوسروں کی فلاح کا تحفظ بھی چاہتے ہیں۔

یہ مفروضی تصور نے سماج کو درج ذیل سوال کو حل کرنے میں مدد کی: معقول اور غیر جانبدار افراد کی جانب سے ایک منصفانہ تعاون کے نظام کو تیار کرنے کے لئے کن اصولوں کا انتخاب کرنا چاہئے اگر انھیں تعاون کا ایک شفاف نظام تیار کرنے کی ذمہ داری دی جائے؟

9.4.3 لاعلمی کا پردہ (Veil of Ignorance)

رالس کے نظریہ کی ایک اہم خصوصیت لاعلمی کا پردہ ہے، جو اصل موقف سے مربوط ایک طریقہ کار ہے۔ جہالت کے پردے کے تحت، جو افراد انصاف کے اصولوں کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں، وہ اپنی ذاتی حیثیت، خصوصیات اور سماجی حیثیت کے بارے میں تمام معلومات سے بے خبر ہوتے ہیں۔اس کا مقصد یہ ہے کہ فیصلے کرنے والے افراد اپنے ذاتی مفادات یا تعصبات سے آزاد ہو کر انصاف کے اصولوں پر غور کریں تاکہ وہ اصول ایسے ہوں جو تمام افراد کے لیے منصفانہ ہوں، خاص طور پر وہ جو کمزور یا کم مراعات یافتہ ہیں۔

مثال کے طور پر اس تصوراتی منظر نامہ میں افراد نہیں جانتے اپنے

- ☆ جنس
- ☆ رنگ یا نسل
- ☆ سماجی طبقہ یا دولت
- ☆ تعلیمی حاصلات
- ☆ صلاحیت اور قابلیت

یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ جو اصول اور قوانین افراد منتخب کرتے ہیں وہ غیر جانبدار ہوں کیونکہ کوئی بھی فرد اپنے مخصوص حالات کے حق میں قوانین نہیں بنا سکتا۔ رالس نے اس تصور کے ذریعہ یہ یقینی بنایا کہ سماجی ڈھانچہ منصفانہ اور مساوی ہو، کیونکہ افراد اپنے ذاتی مفادات سے آزاد ہو کر ایسا نظام تشکیل دیتے ہیں جو سب کے لیے فائدہ مند ہو، خاص طور پر کم مراعات یافتہ افراد کے لیے۔ یہ جانے بغیر کہ وہ سب سے امیر ہیں یا سب سے غریب، لوگوں کو ایک ایسا نظام بنانے کی تحریک ملے گی جو ہر شخص کے مفاد میں ہو، بشمول کم مراعات والے خط غربت کے نیچے رہنے والے افراد۔

اس کا حتمی مقصد جانبداری کو ختم کرنا ہے، تاکہ منتخب کردہ انصاف کے اصول ہر سماجی حیثیت کے لیے کام کریں۔ رالس کے مطابق، جو اصول لاعلمی کے پردے کے تحت اخذ کیے جائیں گے، وہ عالمگیر قبولیت حاصل کریں گے کیونکہ وہ شفافیت کو یقینی بنائیں گے۔

9.4.4 انصاف کے اصول (Principles of Justice)

رالس کا سیاسی فلسفہ دو بنیادی اصولوں پر مبنی ہے، جن کو ایک منصفانہ سماج کی بنیاد کے طور پر دیکھا جاتا ہے:

1۔ مساوی آزادیوں کا اصول :

ہر فرد مساوی بنیادی آزادیوں کے ایک مجموعہ، جیسے کہ اظہار رائے کی آزادی، مذہبی آزادی، حق رائے دہی اور نظام انصاف تک رسائی کا حقدار ہے۔ یہ آزادیاں ناقابل سمجھوتہ ہیں اور تمام افراد کے لئے ان کا لازمی تحفظ ہونا چاہئے۔ یہ اصول شخصی آزادیوں اور دیگر سماجی مقاصد کیلئے احترام پر ترجیح رکھتا ہے۔

2۔ فرق کا اصول (Differences Principle)

سماجی اور معاشی عدم مساوات صرف اس صورت میں جائز ہوں گی جب وہ سب سے کم مراعات یافتہ افراد کے فائدے میں ہوں، یعنی ان عدم مساوات کا مقصد معاشرتی اور اقتصادی طور پر سب سے کمزور افراد کی حالت بہتر بنانا ہو۔

یہ اصول رالس کے نظریہ میں انصاف کے تصورات کو تشکیل دیتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مساوی آزادی کا پہلا اصول دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے۔

9.4.5 انصاف اور معاشی تقسیم (Justice and Economic Distribution)

رالس نے دولت اور آمدنی میں انتہائی عدم مساوات کو مسترد کر دیا' تجویز دی کہ ایک منصفانہ سماج کو مراعات سے محروم افراد کی ضروریات کو لازمی ترجیح دینا چاہئے۔ ان کا فرق کا اصول صرف اس وقت عدم مساوات کی اجازت دیتا ہے جب اس سے سماج کے مراعات سے محروم ارکان کی بہبودی ہوتی ہے۔ یہ اصول لیسز فیئر سرمایہ داری کا جواب ہے اور ترقی پسند ٹیکس نظام اور بہبودی پالیسیوں کے لئے ایک فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

9.4.6 بین الاقوامی انصاف (International Justice)

''دی لا آف پیپلز (1999) میں رالس نے انصاف کے نظریہ کو عالمی سطح تک وسعت دی ہے۔ اس نے عوام کے درمیان منصفانہ تعلقات کے لئے اصولوں کی نشاندہی کی' ایسے مسائل پر توجہ مرکوز کی جیسے انسانی حقوق، معاشی عدم مساوات اور بین الاقوامی تعاون۔ رالس نے عالمی شفافیت کو فروغ دیتے ہوئے سماجوں کی خود مختاری کے احترام کی اہمیت پر زور دیا۔

9.4.7 آزادانہ جمہوریت پر رالس کے خیالات

رالس کا نظریہ آزاد جمہوریت کے اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے جس میں زور دیا گیا ہے کہ :

- ☆ قانون کی حکمرانی: قانون کی نظر میں سب مساوی ہیں اور انفرادی حقوق کا تحفظ ہو۔
- ☆ عوامی وجہ: اس بات کی وکالت ہے کہ سیاسی فیصلے تمام شہریوں کے لئے حق بجانب ہوں جس پر شفافیت اور شمولیت ملے۔
- ☆ تکثیریت: اقدار اور عقائد میں تنوع کو تسلیم کرنا' ان ادارہ جات کے لئے وکالت جو اس تنوع کو قبول کریں۔

9.4.8 اتفاق رائے پر غلبہ (Dominance over Consensus)

اپنے بعد کے کام پولیٹیکل لبرل ازم میں، رالس نے اپنے خیالات کو اس بات پر وسعت دی کہ ایک تکثیری سماج جو مختلف اخلاقی، مذہبی اور فلسفیانہ عقائد رکھنے والے شہریوں پر مشتمل ہو، کس طرح استحکام برقرار رکھ سکتا ہے۔ رالس نے اتفاق رائے پر غلبہ کا تصور متعارف کرایا، جس کے تحت مختلف دنیاوی نظریات رکھنے والے افراد انصاف کے کچھ بنیادی اصولوں پر اتفاق کرتے ہیں، چاہے اگرچہ کہ ان کی ذاتی توجیہات مختلف ہوں۔

مثال کے طور پر:

☆ ایک مذہبی شخص رالس کے انصاف کے اصولوں کی تائید کر سکتا ہے کیونکہ وہ انہیں مساوات کے بارے میں اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کے مطابق سمجھتا ہے۔

☆ ایک سیکولر شخص ان ہی اصولوں کو قبول کر سکتا ہے کیونکہ وہ ایک جمہوری فریم ورک میں شفافیت کو فروغ دیتے ہیں۔

اس طرح، مختلف عقائد رکھنے والے افراد ایک مشترکہ بنیاد پر متفق ہو سکتے ہیں، جس سے ایک متوازن اور استحکام کے حامل سماجی نظام کی تشکیل ممکن ہوتی ہے۔

9.4.9 فرق کا اصول (Difference Principle)

فرق کا اصول ایک اہم اخلاقی تصور ہے جو یہ وضاحت کرتا ہے کم آمدنی، حیثیت، یا طاقت میں عدم مساوات اخلاقی طور پر جائز ہیں۔ رالس کے مطابق، معاشی عدم مساوات صرف اس صورت میں قابل قبول ہوں گی اگر وہ دو شرائط کو پورا کریں:

1۔ وہ سماج کے سب سے کم مراعات یافتہ افراد کی فلاح کو بہتر بنائیں۔

2۔ وہ ایک ایسے نظام کا حصہ ہوں جو مجموعی طور پر سماج کے فائدے میں ہو (جیسے کہ صلاحیت اور سخت محنت کے لیے ترغیبات)

یہ اصول اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ جو سماج میں سب سے نیچے ہیں انھیں عدم مساوات کے نتائج بھگتنے کے لئے نہیں چھوڑا جانا چاہئے۔ مثال کے طور پر، امیروں پر زیادہ ٹیکس لگانا تاکہ غریبوں کے لیے عوامی خدمات جیسے تعلیم اور صحت کی سہولت فراہم کی جا سکے، فرق کے اصول سے ہم آہنگ ہے۔ رالس کے لئے عدم مساوات کی درستگی اس بات پر منحصر ہے کہ آیا وہ مشترکہ مفاد کے لیے کام کرتی ہے یا نہیں۔

9.4.10 تنقیدیں اور اثر (Criticisms and Impact)

اگرچہ رالس کے انصاف کے نظریے کو وسیع پیمانے پر سراہا گیا ہے، لیکن اس کو بعض تنقیدوں کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان میں سے کچھ اہم درج ذیل ہیں:

1۔ بہت زیادہ خیالی: نقادوں کا کہنا ہے کہ رالس کے مفروضی تصورات، جیسے اصل موقف اور لاعلمی کا پردہ، حقیقت پسندانہ نہیں ہیں اور یہ حقیقی دنیا کے مسائل کو حل کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

2۔ طاقت کی حرکیات کو نظرانداز کرنا: حقوق نسواں کے اسکالرس ور تنقیدی مفکرین نے یہ نکتہ اٹھایا کہ رالس سماج میں موجود ساختی عدم مساوات جیسے کہ پدر شاہی یا منظم نسل پرستی کو مناسب طریقے سے نہیں دیکھتے۔

3۔ افادیت پسندی کی تشویس کو شامل نہیں کیا گیا: افادیت پسند مفکرین رالس کی جانب سے افادیت پسندی کو مکمل مسترد کئے جانے سے اختلاف کرتے ہیں، یہ کہہ کر کہ خوشی یا فلاح کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو انصاف کے فیصلوں میں ایک کردار ادا کرنا چاہیے۔

ان تنقیدوں کے باوجود، جان رالس کے سیاسی نظریہ پر اثر بے مثال ہے۔ ان کے اصولوں نے فلاحی ریاستوں میں از سر نو تقسیم کی پالیسیوں، پابند عہد پروگراموں، اور آئینی جمہوریت کے فریم ورک کو متاثر کیا ہے۔ رالس شفافیت، مساوات، اور شمولیت کے لیے اپنے عزم کی وجہ سے فلسفہ میں ایک عظیم شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جان رالس کا سیاسی فلسفہ غیر جانبدارانہ سوچ اور انصاف کے مشترکہ اصولوں کے ذریعہ ایک منصفانہ اور شفاف سماج کی تشکیل کے تصور کے گرد گھومتا ہے۔ ان کے تصورات، جیسے اصل موقف، لاعلمی کا پردہ، فرق کا اصول، اور انصاف بطور شفافیت نے سیاسی فلسفہ پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں ہیں، اور ایسے نظام کی وکالت کی جو عدم مساوات اور انفرادی آزادیوں کا تحفظ کرے۔

10.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کرنے کے بعد طلبا نے

- جدید سیاسی فکر میں جان رالس کے تعاون پر معلومات حاصل کیا۔
- ''انصاف بطور شفافیت'' کے بنیادی اصولوں اور ان کے مضمرات کو سمجھا۔
- اصل موقف اور لاعلمی کا پردہ جیسے تصورات کو موجودہ سماجی مسائل پر نافذ کیا۔
- رالس کے فرق کے اصول اور اتفاق رائے پر غلبہ کا تنقیدی جائزہ لیا۔
- رالس کے فلسفہ کے جمہوری نظریہ پر اثرات کو پہچاننے کے قابل ہو پائے۔

10.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

1۔ انصاف بطور شفافیت: رالس کے نظریہ کا ایک بنیادی تصور جو وسائل کی تقسیم میں مساوات اور انصاف کو ترجیح دیتا ہے اور تمام افراد کے لیے بنیادی آزادیوں کی ضمانت دیتا ہے۔

2۔ اصل موقف : ایک فکری تجربہ جس میں افراد اپنی سماجی حیثیت سے بے خبر ہو کر ایک منصفانہ سماجی نظام کا خاکہ تیار کرتے ہیں، تاکہ غیر جانبداری اور انصاف کو یقینی بنایا جاسکے۔

3۔ لاعلمی کا پردہ: ایک فلسفیانہ آلہ جو اخلاقی غور و فکر کے دوران ذاتی خصوصیات جیسے طبقہ، دولت، یا نسل سے حفاظت کر کے غیر متعصب فیصلہ سازی کو یقینی بناتا ہے۔

4۔ فرق کا اصول: ایک نظریہ جو کہتا ہے کہ معاشی عدم مساوات اسی وقت جائز ہے جب وہ سماج کے کم مراعات رکھنے والے افراد کے لیے فائدہ مند ہو۔

10.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

10.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ جان رالس کی کس کتاب کو انصاف پر ان کے کام کو انتہائی مشہور تصور کیا جاتا ہے؟

(a) آزادی پر (b) (b) اے تھیوری آف جسٹس

(c) دی لاء آف پیپلز (d) پولیٹیکل لبرل ازم

2۔ رالس کے انصاف کے نظریہ کے مرکزی فریم وارک کو کس نام سے جانا جاتا ہے؟

(a) افادیت پسندی (b) کمیونزم

(c) انصاف بطور شفافیت (d) سماجی ڈارونزم

3۔ اصل موقف ہے ایک:

(a) انصاف کے شفاف اصولوں کے لئے تصوراتی منظر (b) دولت کی دوبارہ تقسیم کے لئے ایک عوامی پالیسی کا تصور

(c) دستوری جمہوریت کے لئے قانونی فریم ورک (d) قدیم سماج میں نظام انصاف کا تاریخی نمونہ

4۔ کونسا فلسفیانہ آلہ رالس کے غیر جانبداری کے نظریہ کو یقینی بناتا ہے۔

(a) مساوی آزادی کے اصول (b) لاعلمی کا پردہ

(c) فرق کا اصول (d) اتفاق رائے پر غلبہ

5. کونسا اصول کہتا ہے کہ عدم مساوات قابل قبول ہیں اگر ان کا فائدہ سماج کے کم مراعات والے افراد کو ہوتا ہے؟

(a) افادیت پسندی کا اصول (b) آزادی کا اصول

(c) سماجی بہبود کا اصول (d) فرق کا اصول

6۔ رالس کے مطابق، کس بات کو ترجیح دی جائے جب ایک انصاف پسند سماج کی تشکیل ہو؟

(a) زیادہ سے زیادہ معاشی موثیریت (b) مساوی بنیادی آزادیوں کی ضمانت

(c) تمام اقسام کی عدم مساوات کا خاتمہ (d) مذہبی عقائد پر اتفاق رائے کا غلبہ تیار کرنا

7۔ اتفاق رائے پر غلبہ کا تصور کوشش کرتا ہے

(a) انفرادی آزادی کو ختم کرنے (b) تمام مذہبی اور اخلاقی اصولوں کو مسترد کرنے

(c) متنوع گروپس کو متحد کرنے اور انصاف کے اصول کو سمجھنے (d) تمام سماجی ڈھانچوں میں مساوات کو سختی سے نافذ کرنے

8۔رالس کا نظریہ انصاف ابتدائی طور پر اس سے نمٹنے کے لئے تیار کیا گیا تھا

(a) جمہوریت اور بادشاہت کے درمیان تعلق (b) جنگ کو حق بجانب قرار دینے اخلاقی بنیادیں

(c) سماج کے بنیادی ڈھانچہ میں شفافیت (d) جدید سماجوں میں مذہبی تنازعات

9۔ رالس کے تصور ارتی منظر نامہ میں لاعلمی کا پردہ کا کیا مقصد ہے؟

(a) شخصی فائدہ کے لئے عدم مساوات کو درست قرار دینے (b) انصاف کے اصولوں میں شخصی جانبداری کا خاتمہ کرنے

(c) ہر ایک کی خوشی کو زیادہ شے زیادہ کرنے (d) دولت مند طبقہ کے مفادات کو ترجیح دینے

10۔ کو ن سا امیدان ہے جو جان رالس کے انصاف کے اصولوں سے سب سے زیادہ متاثر ہوا؟

(a) ماحولیات کا مطالعہ (b) سیاسی فلسفہ

(c) انجینئرنگ ایتھکس (d) ذرائع ابلاغ کا مطالعہ

جواب

10.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔" انصاف بطور شفافیت" کا مرکزی خیال کیا ہے؟

2۔ رالس کے اصل موقف کے تصور کی تعریف کیجئے۔

3۔ رالس کے تصور میں "لاعلمی کا پردہ" کیا کردار ادا کرتا ہے؟

4۔ عصری سیاسیات میں فرق کے اصول کی ہمیت کو بیان کیجئے۔

5۔ رالس کے نظریہ کی دو تنقیدوں کو اجاگر کیجئے۔

10.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ رالس کے انصاف بطور شفافیت کے تصور کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔

2۔ رالس نے کس طرح اپنی سیاسی فکر میں آزادی اور مساوات کو پیش کیا؟

3۔ معاشی اور سماجی پالیسیوں کے لئے فرق کے اصول کی عملی پیچیدگیوں کی وضاحت کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(c)	3۔	(a)	4۔	(b)	5۔	(d)
6۔	(b)	7۔	(c)	8۔	(c)	9۔	(b)	10۔	(b)

اکائی 11۔ مشل فوکالٹ

(Michel Foucault)

اکائی کے اجزاء

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 فوکالٹ: زندگی اور عہد

11.3 فوکالٹ کا طریقہ کار اور علمیات

11.4 طاقت اور علم

11.5 ڈسپلن اور سزا

11.6 حیاتیاتی سیاست اور سرکاری حیثیت

11.7 فوکالٹ اور مزاحمت

11.8 فوکالٹ اور سیاسی نظریہ پر اثرات

11.9 فوکالٹ کے نظریات پر تنقید

11.10 سیاسی فکر میں فوکالٹ کی میراث

11.11 اکتسابی نتائج

11.12 کلیدی الفاظ

11.13 نمونہ امتحانی سوالات

11.13.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات

11.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

11.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

11.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں مشل فوکالٹ کے سیاسی خیالات کو دریافت کرتا ہے، جو طاقت، علم اور معاشرتی ڈھانچوں پر اپنے انقلابی خیالات کے لیے معروف ہیں۔ اس میں طاقت کی نوعیت، حکومتیں، بایوپولیٹکس، اور طاقت اور علم کے مابین تعلق جیسے اہم تصورات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس میں فوکالٹ کے اہم کاموں، بشمول "ڈسپلن اینڈ پینش" اور "دی ہسٹری آف سیکسوالیٹی"، کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے جدید سیاسی ڈھانچوں کو سمجھنے پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں ان کے خیالات کے موجودہ سیاسی تحریکوں اور سماجی نظریات پر اثرات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے، جو آج کی دنیا میں سیاسی طاقت کے تجزیے کے لیے ایک تنقیدی بنیاد فراہم کرتا ہے

11.1. مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- فوکالٹ کے تصورِ طاقت کو سمجھ سکیں گے
- طاقت اور علم کے درمیان تعلق کا تجزیہ سے روبرو ہو پائیں گے۔
- فوکالٹ کے نظریات پر انضباط اور سزا کا جائزہ لے سکیں گے۔
- فوکالٹ کے اثرات کو جدید سیاسی نظریات پر پرکھ سکیں گے
- فوکالٹ کے مزاحمتی تحریکوں پر اثرات کی نشاندہی کی معلومات حاصل کر سکیں گے۔

11.2. فوکالٹ: زندگی اور عہد (Foucault: Life and Times)

میشیل فوکالٹ، 15 اکتوبر 1926 کو فرانس کے شہر پواٹیئرز میں پیدا ہوئے، وہ 20ویں صدی کے سب سے اہم فلسفیوں اور سماجی مفکرین میں سے ایک تھے۔ ان کا کام مختلف شعبوں جیسے فلسفہ، تاریخ، سماجیات اور سیاسی نظریات پر محیط تھا۔ فوکالٹ کی تعلیمی زندگی کی ابتدا پیرس کی مشہور ای کول نارمل سپیریور سے ہوئی، جہاں انہیں معروف فلسفیوں جیسے رینی ڈیکارٹ اور ژاں پول سارتر کے افکار سے روشناس کرایا گیا۔

فوکالٹ کا ابتدائی کیریئر فرانس کے علمی منظر نامے میں شامل ہوا، جہاں انہوں نے لیکچرر اور محقق کے طور پر کام کیا۔ وہ کئی یونیورسٹیوں میں پروفیسر رہے، جن میں یونیورسٹی آف کلیر مونٹ-فیران اور کولیج ڈی فرانس شامل ہیں، جہاں بعد میں انہوں نے نظامِ افکار کی تاریخ پر کرسی سنبھالی۔ ان کے کام، خصوصاً 1960 اور 1970 کی دہائیوں میں لکھے گئے، اُنھوں نے روایتی فلسفے سے انحراف کیا اور طاقت، علم اور سماجی اداروں کے بارے میں نئے تنقیدی خیالات پیش کیے۔

ان کی اہم ترین کتابوں میں مجنونیت اور تہذیب (Madness and Civilization, 1961) شامل ہے، جس میں نفسیات اور ذہنی مریضوں کے علاج کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے، کلینک کی پیدائش (The Birth of the Clinic 1963) جس میں طبّی نگاہ کا

تجزیہ کیا گیا ہے، سزا اور انعام (Discipline and Punish 1975) جو سزاؤں کے نظام کی ترقی پر روشنی ڈالتی ہے، اور جنسیت کی تاریخ (History of Sexuality 1976-84) جس میں انہوں نے طاقت اور جنسی اصولوں کے تعلقات کا مطالعہ کیا۔ فوکالٹ کا "طاقت/علم" کا تصور یہ بتاتا ہے کہ علم ہمیشہ طاقت کے ڈھانچوں کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اور کیسے سماجی ادارے جیسے جیلیں اور اسپتال انسان کے رویوں کو شکل دیتے ہیں۔

فوکالٹ کی فکری جستجو تاریخی واقعات اور سماجی تحریکوں سے متاثر ہوئی تھی۔ ان کے خیالات نے روایتی حکمتِ عملیوں کو چیلنج کیا اور اداروں کے کردار کو انسانی موزویت کے تشکیل میں سوالات اٹھائے۔ ان کی روایتی فلسفوں اور تاریخ، سیاست، اور طاقت کے بارے میں غیر روایتی اپروچ نے انہیں پوسٹ اسٹرکچرلزم اور پوسٹ ماڈرن ازم کے اہم مفکرین میں شامل کیا۔

فوکالٹ کی ذاتی زندگی بھی مختلف بائیں بازو کی سیاسی تحریکوں سے وابستہ رہی، حالانکہ انہوں نے کسی خاص نظریہ کی شناخت نہیں کی۔ وہ ایک کھلے عام ہم جنس پرست شخص تھے، جس کا اثر ان کے کام پر پڑا، اور وہ قیدیوں کے حقوق اور اینٹی سائیکاٹری جیسے سیاسی مسائل میں سرگرم رہے۔

میشیل فوکالٹ 25 جون 1984 کو ایڈز کے عوارض کے باعث انتقال کر گئے، لیکن ان کا کام آج بھی موجودہ افکار پر گہرا اثر ڈالتا ہے، خاص طور پر سماجیات، سیاسی نظریہ اور ثقافتی مطالعات کے شعبوں میں۔ ان کے خیالات اب بھی طاقت، شناخت اور سماجی کنٹرول کے بارے میں بحثوں کا مرکز ہیں۔

11.3 فوکالٹ کا طریقہ کار اور علمیات (Foucault's Methodology and Epistemology)

مائیکل فوکالٹ نے تاریخ، علم، اور طاقت کو سمجھنے کے لیے منفرد طریقے استعمال کیے۔ اس کا مطالعہ روایتی طریقوں سے مختلف تھا اور اس نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ علم اور طاقت کس طرح آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ان کے دو اہم طریقے آرکیالوجی اور جینیالوجی تھے۔

1. علم کی آرکیالوجی (Archaeology of Knowledge):

فوکالٹ کی آرکیالوجی ایک ایسا طریقہ تھا جس میں انہوں نے تاریخ کو مختلف انداز سے دیکھا۔ اس میں وہ صرف واقعات یا افراد کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ ان باتوں پر توجہ دیتے تھے کہ علم اور خیالات کیسے پیدا ہوئے۔ انہوں نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ مختلف قسم کے علم، جیسے طب یا قانون، وقت کے ساتھ کیسے ترقی کرتے ہیں۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ کون سے اصول اور نظام تھے جو یہ فیصلہ کرتے تھے کہ کیا سچ ہے اور کیا اہم ہے۔ یہ طریقہ کار کسی ماہر آثار قدیمہ کی طرح تھا جو ماضی کی تہذیبوں کو سمجھنے کے لیے کھدائی کرتا ہے۔

2. جینیالوجی (Genealogy):

فوکالٹ کی جینیالوجی ایک اور طریقہ تھا جس میں انہوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ خیالات، ادارے، اور طریقے کیسے پیدا ہوئے۔ اس طریقے میں طاقت اور علم کی تاریخ پر توجہ دی جاتی تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ معاشرے کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ آرکیالوجی

کے برعکس، جو علم کے بڑے نظاموں کو دیکھتی ہے، جینیالوجی خاص طور پر طاقت اور علم کے مخصوص اثرات پر مرکوز تھی۔ اس میں وہ یہ دیکھتا تھا کہ قوانین، سماجی اصول اور سزائیں کہاں سے آئیں اور یہ وقت کے ساتھ کیسے تبدیل ہوئے۔
فوکالٹ کا ماننا تھا کہ علم کبھی بھی غیر جانبدار نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ طاقت سے جڑا ہوتا ہے اور لوگوں کی زندگیوں پر اثر ڈالتا ہے۔ ان کے طریقہ کار نے یہ دکھایا کہ طاقت کے نظام کس طرح لوگوں کے رویوں اور خیالات کو، اکثر بغیر ان کے جاننے کے کنٹرول کرتے ہیں۔

11.4 طاقت اور علم (Power and Knowledge)

میشیل فوکالٹ کا ماننا تھا کہ طاقت اور علم ایک دوسرے سے گہرے تعلق میں ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ طاقت صرف قابو پانے یا جبر کرنے کا نام نہیں، بلکہ یہ اس بات پر بھی اثرانداز ہوتی ہے کہ لوگ کیا جانتے ہیں اور کیا مانتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، علم کبھی بھی غیر جانبدار نہیں ہوتا؛ یہ ان لوگوں اور اداروں کے ذریعے شکل پاتا ہے جو طاقت رکھتے ہیں۔

1. طاقت اور علم کا آپس میں تعلق (Power and Knowledge Work Together): فوکالٹ نے کہا کہ طاقت اور علم ایک دوسرے کو پیدا کرتے ہیں۔ جو لوگ طاقت رکھتے ہیں وہ اس بات کو کنٹرول کرتے ہیں کہ کیا سچ ہے یا کیا اہم علم ہے۔ مثال کے طور پر، ڈاکٹرز اور سائنسدان وہ لوگ ہیں جو صحت یا معیار کو متعین کرتے ہیں۔ اس علم پر قابو پانے سے لوگوں کے خیالات، رویوں اور زندگیوں پر اثر پڑتا ہے۔

2. ڈسکورس (Discourse) : فوکالٹ نے ڈسکورس (گفتگو) کا لفظ استعمال کیا تاکہ وہ طریقے بیان کر سکیں جن کے ذریعے علم معاشرے میں شیئر کیا جاتا ہے۔ ڈسکورسز کی وہ طریقے ہیں جن سے ہم موضوعات جیسے صحت، جرائم، یا تعلیم کے بارے میں بات کرتے ہیں، اور یہ طاقت سے متاثر ہوتے ہیں۔ طاقت رکھنے والے لوگ یہ ڈسکورسز تخلیق کرتے ہیں، اور یہ معاشرے میں سچائی کے طور پر تسلیم کر لیے جاتے ہیں۔ مثلاً، دماغی بیماری کے بارے میں بات کرنے کا طریقہ وقت کے ساتھ بدل چکا ہے کیونکہ اس پر طاقت رکھنے والے ماہرین اور معاشرہ اپنا علم اور نقطہ نظر اختیار کرتے ہیں۔

3. ادارے اور طاقت (Institutions and Power): فوکالٹ نے یہ بھی دیکھا کہ ادارے جیسے اسکول، جیل، اور ہسپتال کس طرح علم کا استعمال کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو قابو میں رکھ سکیں۔ یہ ادارے صرف جبر کا استعمال نہیں کرتے، بلکہ وہ علم کا استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ طے کر سکیں کہ کیا "عام" یا "قابل قبول" ہے۔ مثال کے طور پر، اسکولوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے وہ اکثر طلبہ کے رویوں اور سوچ کو اس طرح تشکیل دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ معاشرتی اصولوں کے مطابق بنیں۔

مختصر یہ کہ فوکالٹ کا کہنا تھا کہ علم صرف سچ تک پہنچنے کا عمل نہیں ہے؛ یہ طاقت سے گہرائی سے جڑا ہوتا ہے، اور جو طریقے ہم دنیا کے بارے میں سوچتے ہیں وہ ان لوگوں کے ذریعے تشکیل پاتے ہیں جو علم پر قابو رکھتے ہیں۔

11.5.ڈسپلن اور سزا (Discipline and Punishment)

اپنی کتاب ڈسپلن اور سزا میں، میشیل فوکالٹ نے یہ لکھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سزا دینے کا طریقہ کیسے بدل گیا۔ انہوں نے عوامی سزاؤں سے لے کر لوگوں کو ڈسپلن کرنے کے زیادہ پوشیدہ اور کنٹرول شدہ طریقوں تک کا مطالعہ کیا۔

1 .پرانے طریقے(Old methods Punishment) :ماضی میں سزائیں بہت عوامی اور سخت ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر، لوگوں کو پھانسی دی جاتی، کوڑے مارے جاتے یا عوام کے سامنے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ ان سزاؤں کا مقصد حکمران کی طاقت کو ظاہر کرنا اور سزا پانے والے کو ایک مثال بنانا ہوتا تھا۔

2 .ڈسپلن کی طرف تبدیلی(Change to Discipline) :وقت کے ساتھ ساتھ، سزاؤں کا طریقہ بدل گیا۔ عوامی سزا کے بجائے، معاشرے نے زیادہ تر ڈسپلن اور کنٹرول پر توجہ مرکوز کی۔ سزا دینے کا مقصد اب لوگوں کے برتاؤ کو بہتر بنانا تھا نہ کہ صرف انہیں سزا دینا۔ مثال کے طور پر، قیدیوں کو پھانسی دینے کے بجائے ان کو کمروں میں بند کر دیا جاتا تھا جہاں ان کے عمل پر گہری نظر رکھی جاتی تھی۔

3 .پینا پٹیکن(The Panopticon) :فوکالٹ نے اس تبدیلی کو سمجھانے کے لیے پینا پٹیکن نامی عمارت کی مثال دی۔ پینا پٹیکن ایک جیل تھی جسے اس طرح ڈیزائن کیا گیا تھا کہ محافظ قیدیوں کو اس بات کا علم کیے بغیر دیکھ سکتے تھے کہ وہ نگرانی میں ہیں۔ یہ مستقل نگرانی کا تصور قیدیوں کو بہتر طریقے سے برتاؤ کرنے پر مجبور کرتا تھا کیونکہ انہیں کبھی یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ دیکھے جا رہے ہیں۔ فوکالٹ نے اسے جدید معاشروں میں لوگوں کو کنٹرول کرنے کے لیے نگرانی کے تصور کی علامت کے طور پر استعمال کیا۔

4 .ڈسپلن کے ذریعے کنٹرول(Control Through Discipline) :فوکالٹ نے یہ دلیل دی کہ جدید معاشرہ سزا دینے کے بجائے زیادہ تر لوگوں کے برتاؤ کو ڈسپلن کے ذریعے کنٹرول کرتا ہے۔ اسکولوں، اسپتالوں اور یہاں تک کہ کام کی جگہوں پر لوگوں کے برتاؤ کو کنٹرول کرنے کے لیے ڈسپلن کے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کسی کو جسمانی طور پر سزا دینے کے بجائے، یہ ادارے نگرانی، اصولوں اور ضوابط کے ذریعے لوگوں کو معاشرتی معیارات پر پورا اترنے پر مجبور کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ فوکالٹ کی ڈسپلن اور سزا یہ ظاہر کرتی ہے کہ سزا دینے کا طریقہ عوامی تشدد سے لے کر زیادہ باریک بینی سے لوگوں کے برتاؤ کو کنٹرول کرنے تک کیسے بدل چکا ہے۔

11.6 حیاتیاتی سیاست اور سرکاری حیثیت(Bio-Politics and Governmentality)

میشل فوکالٹ نے دو اہم تصورات متعارف کرائے: بائیو پولیٹکس اور گورنمنٹالیٹی۔ یہ تصورات یہ بتاتے ہیں کہ جدید حکومتیں لوگوں کی زندگیوں کو صرف قوانین کے ذریعے نہیں بلکہ ان کے رویوں اور انتخاب کو متاثر کر کے کیسے قابو کرتی ہیں۔

1. بائیو پولیٹکس کیا ہے(What is Bio-Politics)

بائیو پولیٹکس میں حکومتیں لوگوں کی صحت، فلاح و بہبود، اور آبادی کے بڑھنے کو کیسے منظم کرتی ہیں۔ وہ زبردستی کی بجائے پالیسیوں اور پروگراموں کا استعمال کرتی ہیں، جیسے:

- عوامی صحت کو بہتر بنانے کے لیے ویکسینیشن مہمات۔
- آبادی کے کنٹرول کے لیے فیملی پلاننگ پروگرامز۔

فوکالٹ کہتے ہیں کہ اس قسم کا کنٹرول نظر نہیں آتا لیکن بہت طاقتور ہے، کیونکہ یہ لوگوں کی روزمرہ زندگی پر اثر ڈالتا ہے۔

2. گورنمنٹالیٹی کیا ہے(What is Governmentality) ؟

گورنمنٹالیٹی میں حکومتیں لوگوں کے رویے کو کیسے رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ یہ صرف قوانین بنانے کا معاملہ نہیں بلکہ اس بات کا بھی ہے کہ لوگ کیسے سوچتے اور عمل کرتے ہیں، جیسے:

حکومتیں ٹیکس فوائد دے کر لوگوں کو پیسے بچانے کی ترغیب دیتی ہیں۔

اسکول بچوں کو نظم وضبط اور ذمہ داری سکھاتے ہیں تاکہ وہ معاشرے کے لیے تیار ہو سکیں۔

اس قسم کا کنٹرول اسکولوں، دفاتر، اور صحت کے نظاموں میں ہوتا ہے، جہاں لوگوں کو معاشرے کے فائدے کے لیے مخصوص انداز میں عمل کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

3. حکمرانی کی تبدیلی(Change of Governance) :

پرانے زمانے میں حکمران زبردستی اور خوف کے ذریعے لوگوں کو قابو کرتے تھے (جسے خود مختار طاقت کہا جاتا ہے)۔ لیکن جدید دور میں طاقت کا طریقہ مختلف ہے۔ یہ لوگوں کے انتخاب اور رویے کو بغیر زبردستی متاثر کرنے پر مبنی ہے، اور یہ پالیسیوں، تعلیم، اور سماجی اصولوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

سادہ الفاظ میں، فوکالٹ کے بائیوپولیٹکس اور گورنمنٹالیٹی کے خیالات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جدید معاشرے لوگوں کی صحت، رویے، اور روزمرہ زندگی کو زبردستی کی بجائے باریک بینی سے قابو کرنے کے لیے کس طرح حکمت عملی اپناتے ہیں۔

11.7. فوکالٹ اور مزاحمت (Foucault on Resistance)

مائیکل فوکالٹ کا ماننا تھا کہ جہاں طاقت ہوتی ہے، وہاں مزاحمت بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ طاقت معاشرے میں ہر جگہ موجود ہے، لیکن لوگ صرف اس کے قابو میں نہیں ہوتے—وہ مختلف طریقوں سے اس کے خلاف مزاحمت کر سکتے ہیں۔

1. طاقت اور مزاحمت جُڑی ہوئی ہیں(Power and Resistance are interlinked):

فوکالٹ نے کہا کہ طاقت بغیر مزاحمت کے موجود نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ سب سے مضبوط کنٹرول سسٹم میں بھی لوگ اسے چیلنج کرنے یا اس کی مخالفت کرنے کے راستے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ مزاحمت ہمیشہ بڑی یا پر تشدد نہیں ہوتی؛ یہ چھوٹے چھوٹے کاموں یا اتھارٹی کو سوال کرنے کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔

2.مزاحمت کی اقسام(Forms of Resistance):

مزاحمت مختلف شکلوں میں ہو سکتی ہے، جیسے:

- غیر منصفانہ قوانین کے خلاف آواز اٹھانا۔
- کچھ اصولوں یا توقعات کو ماننے سے انکار کرنا۔
- طاقت کے کنٹرول سے باہر نئے خیالات یا زندگی کے انداز پیدا کرنا۔

مثال کے طور پر، ملازمین کا کم اجرت کے خلاف احتجاج کرنا یا طلبہ کا اسکول کے اصولوں کے متعلق سوال کرنا مزاحمت کی شکلیں ہیں۔

3.روزمرہ کی مزاحمت(Everyday Resistance) :

فوکالٹ کا یہ بھی ماننا تھا کہ مزاحمت روزمرہ کی زندگی میں ہوتی ہے۔لوگ صرف اصولوں پر عمل نہ کر کے یا نئے خیالات پیدا کر کے مزاحمت کر سکتے ہیں۔مثال کے طور پر، روایتی صنفی کرداروں کو چیلنج کرنا یا معاشرتی اصولوں پر سوال اٹھانا مزاحمت کے عمل ہیں۔

4.مزاحمت ہمیشہ منظم نہیں ہوتی(Resistance is Not Always Organized):

انقلاب کے برعکس، مزاحمت ہمیشہ بڑی تحریکوں یا منظم عمل کی شکل میں نہیں ہوتی۔ یہ انفرادی یا اجتماعی، باطنی یا ظاہری ہو سکتی ہے۔اہم بات یہ ہے کہ لوگ اپنی زندگی پر اثر ڈالنے والی طاقت کو چیلنج کرنے کے طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ فوکالٹ کے خیال میں، حالانکہ طاقت ہر جگہ ہے، لوگ کبھی مکمل طور پر اس کے قابو میں نہیں ہوتے۔ان کے پاس ہمیشہ مزاحمت کرنے اور تبدیلی لانے کی صلاحیت ہوتی ہے، چاہے ان کے اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے۔

11.8.فوکالٹ اور سیاسی نظریہ پر اثرات(Foucault's impact on Political Theory)

مائیکل فوکالٹ نے سیاست، طاقت اور معاشرے کو سمجھنے کا نیا انداز دیا۔ان کے خیالات نے سیاسیات، سماجیات اور فلسفے جیسے شعبوں کو بہت متاثر کیا۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ فوکالٹ کے کام نے سیاسی نظریے کو کیسے بدلا:

1.روایتی سیاسی خیالات پر تنقید(Critique of Traditional Political Ideas):

فوکالٹ نے پرانے خیالات کو چیلنج کیا جو طاقت کو صرف حکومتوں یا رہنماؤں تک محدود سمجھتے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ طاقت ہر جگہ موجود ہوتی ہے، جیسے اسکولوں، اسپتالوں، کام کی جگہوں اور روزمرہ کے تعلقات میں۔

2.روزمرہ کی طاقت پر توجہ(Focus on Everyday Power):

فوکالٹ نے دکھایا کہ طاقت صرف قوانین اور زبردستی کے ذریعے نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کے خیالات، رویوں اور فیصلوں پر قابو پانے سے بھی کام کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، اسکول کے اصول یا میڈیا کے ذریعے رائے عامہ بنانا، طاقت کے وہ طریقے ہیں جو عام طور پر نظر نہیں آتے۔

3. مابعد جدیدیت اور مابعد ساختیاتی سوچ پر اثرات-(Influence on Postmodern and Post-Structuralist Thinking):

فوکالٹ کے خیالات نے معاشرے کو سمجھنے کے نئے راستے دکھائے۔ مابعد جدیدیت کے مفکرین ان کے خیالات کو استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ علم، ثقافت اور طاقت ایک دوسرے کو کیسے متاثر کرتے ہیں۔

4. جدید مسائل پر فوکالٹ کی اہمیت(Relevance to Current Issues):

فوکالٹ کے خیالات آج بھی استعمال ہو رہے ہیں، جیسے:

- حکومتوں کا نگرانی کے ذریعے لوگوں پر قابو پانا۔
- سماجی اصولوں کا جنس، نسل اور شناخت پر اثر ڈالنا۔
- جیلوں اور اسکولوں جیسے اداروں کے ذریعے طاقت کا برقرار رہنا۔

5. نظریات پر تنقید(Critique of Ideologies):

فوکالٹ نے کسی مخصوص سیاسی نظریے، جیسے لبرل ازم یا مارکسزم، کی حمایت نہیں کی۔ بلکہ، انہوں نے یہ دکھایا کہ ہر نظامِ طاقت، چاہے وہ کوئی بھی ہو، لوگوں کی زندگی پر اثر ڈالتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فوکالٹ کے خیالات نے ہمیں سیاست اور طاقت کو نئے انداز سے دیکھنے کا موقع دیا۔ انہوں نے ہمیں یہ سکھایا کہ حکومتوں کے علاوہ روزمرہ کی زندگی میں طاقت کے چھپے ہوئے طریقوں کو بھی سمجھنا ضروری ہے جو معاشرے کو تشکیل دیتے ہیں۔

11.9. فوکالٹ کے نظریات پر تنقید (Criticism Foucault's Ideas)

میشل فوکالٹ کے نظریات کو بہت سراہا گیا، لیکن ان پر کچھ تنقید بھی کی گئی ہے۔ اہم نکات یہ ہیں:

1. واضح حل کی کمی(Lack of Clarity):

فوکالٹ نے طاقت اور کنٹرول کا تجزیہ کیا لیکن ان مسائل کے لیے کوئی واضح حل پیش نہیں کیا۔

2. طاقت پر زیادہ زور دینا(Overemphasis on Power):

ناقدین کا کہنا ہے کہ فوکالٹ نے طاقت پر ضرورت سے زیادہ زور دیا، اسے ہر جگہ دیکھا، جس سے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ حقیقی تبدیلی یا آزادی کیسے ممکن ہے۔

3. مشکل زبان(Complex Language):

فوکالٹ کی تحریریں اکثر بہت پیچیدہ اور سمجھنے میں مشکل ہیں، جس کی وجہ سے عام قارئین کے لیے یہ کم قابلِ رسائی ہیں۔

4. انسانی کردار کو نظرانداز کرنا(Ignoring Human Agency):

کچھ ناقدین کہتے ہیں کہ فوکالٹ نے اس پر زیادہ زور نہیں دیا کہ افراد کس طرح طاقت کے خلاف مزاحمت کر سکتے ہیں اور تبدیلی لا سکتے ہیں۔

ان تنقیدوں کے باوجود، فوکالٹ کے خیالات آج بھی بااثر ہیں اور طاقت، علم، اور معاشرے پر مباحثے کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔

11.10. سیاسی فکر میں فوکالٹ کی میراث (The Legacy of Foucault in Political Thought)

میشل فوکالٹ کی سیاسی فکر میں وراثت اہم ہے اور یہ مختلف شعبوں میں آج بھی اثرانداز ہو رہی ہے۔ ان کے خیالات نے طاقت، علم اور معاشرت کو سمجھنے کا طریقہ بدل دیا:

1. طاقت کا نیا تصور (New concept of Power):

فوکالٹ نے سیاسی نظریہ کا رخ حکمرانوں کے ہاتھوں میں طاقت سے تبدیل کرتے ہوئے یہ دکھایا کہ طاقت معاشرے میں ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ طاقت صرف حکومتوں کے ذریعے کنٹرول نہیں کی جاتی بلکہ یہ اداروں، روزمرہ کی سرگرمیوں اور علم کے نظاموں میں بھی چھپی ہوتی ہے۔

2. موجودہ سیاسی نظریہ پر اثر (Impact on Modern Political Theory):

فوکالٹ کے خیالات نے مختلف سیاسی مفکرین کو متاثر کیا، خاص طور پر پوسٹ اسٹرکچرلزم، نسوانیت، اور ہم جنس پرستی کے نظریات میں۔ ان کا کام اس بات کی طرف راغب کرتا ہے کہ طاقت کس طرح لطیف اور غیر مرئی طریقوں سے کام کرتی ہے، جو شناخت، سماجی اصولوں اور انسانی رویوں کو متاثر کرتی ہے۔

3. نظریات پر تنقید (Critique of Ideologies):

فوکالٹ نے روایتی نظریات کی تفہیم کو چیلنج کیا، یہ تجویز کرتے ہوئے کہ تمام سیاسی نظام طاقت کے تعلقات سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ نہ تو غیر جانبدار ہیں اور نہ ہی منصفانہ۔ اس تنقید نے سیاسی نظریات اور نظاموں کے مطالعے میں زیادہ تنقیدی نقطہ نظر کی جانب رہنمائی کی۔

4. مزاحمت پر توجہ (Focus on Resistance):

فوکالٹ کے اس خیال نے کہ طاقت جہاں بھی ہوتی ہے وہاں مزاحمت بھی موجود ہوتی ہے، سیاسی تحریکوں اور کارکنوں کو مزاحمت کے نئے طریقوں کے بارے میں سوچنے کی ترغیب دی۔ اس میں صرف بغاوت نہیں بلکہ روزمرہ کی مخالفت اور بغاوت کے عمل پر بھی توجہ دی گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ فوکالٹ کی وراثت اس بات میں ہے کہ ہم طاقت، سیاست اور معاشرت کے بارے میں کیسے سوچتے ہیں، جس سے زیادہ تنقیدی، پیچیدہ اور متنوع سیاسی نظریات اور عملی طریقوں کی جانب رہنمائی ہوئی ہے۔

11.11. اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے مندرجہ ذیل نکات سیکھے:

- فوکالٹ اور اس کا تصورِ طاقت کو جانا۔

- طاقت اور علم کے درمیان تعلق کو سمجھا۔
- فوکالٹ کے نظریات پر انضباط اور سزا کا جائزہ لیا۔
- فوکالٹ کے اثرات جدید سیاسی نظریات پر کیا تھا اس کو سمجھا۔
- فوکالٹ کے مزاحمتی تحریکوں پر اثرات کی نشاندہی کیا۔

11.12. کلیدی الفاظ (Keywords)

فوکالٹ : ایک فرانسیسی فلسفی جسے اردو میں فو کو بھی لکھا جاتا ہے

مزاحمت : اتھارٹی کے خلاف مخالفت یا چیلنج کرنے کا عمل۔

نگرانی : افراد یا گروپوں کی حکام کے ذریعے قریب سے نگرانی یا مانیٹرنگ۔

معیارات : معاشرے میں قبول شدہ رویے یا معیار۔

سبورژن : قائم شدہ نظاموں یا حکام کو کمزور کرنے یا چیلنج کرنے کا عمل

11.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.13.1. معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type Questions)

1. فوکالٹ نے طاقت کے متعلق کون سا تصور پیش کیا؟

(a) طاقت بطور زبردستی (b) طاقت بطور تقسیم شدہ (c) طاقت بطور مطلق (d) طاقت بطور مزاحمت

2. فوکالٹ کا وہ کون سا کام ہے جو سزا کے ارتقاء پر مرکوز ہے؟

(a) دی آرڈر آف تھنگز (b) ڈسپلن اینڈ پنش (c) دی ہسٹری آف سیکشوئلٹی (d) دی آرکیالوجی آف نالج

3. فوکالٹ نے نگرانی کی علامت کے طور پر کس کو استعمال کیا؟

(a) اسکول (b) پینوپٹیکون (c) جیل (d) عدالت

4. وہ کون سا تصور ہے جو آبادی کو پالیسیوں کے ذریعے قابو کرنے پر زور دیتا ہے؟

(a) بائیو پالیٹکس (b) گورنمنٹالٹی (c) خود مختار طاقت (d) معاشی کنٹرول

5. فوکالٹ کے نزدیک اداروں میں رویے کے کنٹرول کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاح کیا ہے؟

(a) خود مختار طاقت (b) نظم وضبط (c) مزاحمت (d) قوانین

6. فوکالٹ کے مطابق، طاقت جہاں بھی ہو وہاں کیا موجود ہوتا ہے؟

(a) اختیار (b) مزاحمت (c) نگرانی (d) اطاعت

7. فوکالٹ کے مطابق، علم کا طاقت سے کیا تعلق ہے؟

(a) علم غیر جانبدار ہے (b) علم آزاد ہے (c) علم اور طاقت جڑے ہوئے ہیں (d) علم حکومت کی ملکیت ہے

8. فوکالٹ کے خیال میں طاقت ہر جگہ موجود ہے، یہ تصور کیا کہلاتا ہے؟

(a) خود مختار طاقت (b) مائیکرو پاور (c) بینوپٹیکزم (d) مزاحمت

9. بائیو پالیٹکس معاشرے کے کس شعبے پر توجہ دیتے ہیں؟

(a) حکومتی قوانین (b) آبادی کا نظم و نسق (c) دولت کی تقسیم (d) تعلیمی پالیسیاں

10. فوکالٹ کی نظریاتی تنقید نے کس چیز پر زور دیا؟

(a) خیالی معاشرے (b) پوشیدہ طاقت کے تعلقات (c) سیاسی تشدد (d) تعلیمی مسائل

11.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. فوکالٹ کا طاقت کے بارے میں تصور کیا ہے؟ بیان کیجئے۔
2. فوکالٹ کے سیاسی نظریے میں "بایو پولیٹکس" سے کیا مراد ہے؟
3. فوکالٹ کے مطابق معاشرتی "ڈسپلن" کا کیا مطلب ہے؟ قلم بند کیجئے
4. فوکالٹ علم اور طاقت کو کس طرح جوڑتے ہیں؟ واضح کیجئے۔
5. فوکالٹ کے کام میں "پینا پٹیکن" کی اہمیت کیا ہے؟ مختصر روشنی ڈالیئے۔

11.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. فوکالٹ کے طاقت کے نقطہ نظر کی وضاحت کیجئے کہ یہ روایتی سیاسی نظریات سے کس طرح مختلف ہے؟
2. فوکالٹ کے کام میں حکومتیت کے تصور پر بحث کیجئے اور یہ جدید سیاسی سوچ میں کس طرح اہمیت رکھتا ہے؟
3. فوکالٹ کے موجودہ سماجی اور سیاسی تحریکوں پر اثرات کا تجزیہ کیجئے، خاص طور پر مزاحمت اور طاقت کے تعلقات پر اُس کے اثرات کو بیان کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔	(b)	2۔	(b)	3۔	(b)	4۔	(b)	5۔	(b)
6۔	(b)	7۔	(c)	8۔	(b)	9۔	(b)	10۔	(b)

اکائی 12۔ جرگان ہیبرماس

(Jurgen Habermas)

اکائی کے اجزاء

12.0	تمہید
12.1	مقاصد
12.2	تنقیدی نظریہ کا ارتقا
12.3	ہیبرماس کی خدمات
12.4	ہیبرماس اور تنقیدی نظریہ
12.5	تنقیدی نظریہ کی خصوصیات
12.6	ابلاغی یا مواصلاتی عمل کا نظریہ
12.7	عوامی دائرہ یا حلقہ کا نظریہ
12.8	فطری یا مشاورتی جمہوریت کا نظریہ
12.9	نظریہ مذاکرہ
12.10	اکتسابی نتائج
12.11	کلیدی الفاظ
12.12	نمونہ امتحانی سوالات
12.12.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
12.12.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
12.12.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
12.13	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

12.0 تمہید (Introduction)

جیر گن ہیبر ماس ایک ممتاز جر من ماہر سماجیات اور فلسفی ہیں جو فرینک فرٹ اسکول کی دوسری نسل کے سب سے اہم مفکر مانے جاتے ہیں۔ان کے نظریات نے جدید سماجیات، سیاسیات اور فلسفے پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ہم اس اکائی میں ہیبر ماس کے تنقیدی نظریہ، عمل ابلاغ کا نظریہ، عوامی دائرہ یا حلقہ کا نظریہ، فطری یا مشاورتی جمہوریت کا نظریہ اور نظریہ مذاکرہ کا مطالعہ کرین گے۔یہ تمام نظریہ ہیبر ماس کے اہم نظریہ ہے۔

تنقیدی نظریہ ایک سماجی نظریہ ہے۔اس کا وجود سماجی علوم کے فلسفہ اور تجزیہ میں ہوا ہے۔اس کے تحت تنقید کرنے اور سماج کو تبدیل کرنے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔یہ عوامی اداروں کے کام کرنے کے طریقوں پر تنقید کرتا ہے اور بہتر مستقبل کے لیے امکانات فراہم کرتا ہے۔اس نظریہ کا مقصد سماجی زندگی کی سطح کے نیچے چھپے راز معلوم کرتا ہے۔اس نظریہ کو بے نقاب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو کیسے کام کرنا ہے اور اس کی مکمل اور حقیقی تفہیم کس طرح پیش کرنا ہے۔تنقیدی نظریہ دانشوروں اور تجزیہ کاروں کے مطابق سماجی اداروں اور طریقہ عمل ایک استحصال کا غلبہ اور ہر اساں کرنے والی ایک ایجنسی ہے لیکن یہ سماجی تبدیلی کا ایک معنی خیز اور مضبوط نقطہ نظر بھی ہے۔اس نظریہ میں سماجی حالات کا منظم تجزیہ شامل ہے اور یہ مستند مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ہدایتی کاروائی کا اہم خاکہ ہے۔

12.1 مقاصد (Objectives)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ: جر گان ہیبر ماس کہ ؛

- تنقیدی نظریہ کے ارتقا کا مطالعہ کریں گے۔
- تنقیدی نظریہ پر ہیبر ماس کے خیالات کا مطالعہ کریں گے۔
- تنقیدی نظریہ کی خصوصیات کو سمجھ جائیں گے۔
- عمل ابلاغ یا مواصلاتی نظریہ کا مطالعہ کریں گے۔
- عوامی دائرہ یا حلقہ کے نظریہ کو سمجھیں گے۔
- فطری یا مشاورتی جمہوریت کے نظریہ کو جانیں گے۔
- نظریہ مذاکرہ کا مطالعہ کریں گے۔

12.2 تنقیدی نظریہ کا ارتقا (Growth of Critical Theory)

عام طور سے عوام اس نظریہ کو ایک فکری فرسودہ جسم جو بدنام اور فام مارکسزم کے اصول پر مبنی نظریہ تسلیم کرتے ہیں، یعنی تنقیدی نظریہ مارکسی روایت سے ہی وجود میں آیا ہے۔19 ویں صدی میں کارل مارکس کی تحریروں میں سرمایہ دار نظام کے مخالف، معاشرتی، سماجی اور

معاشی حالات اور روشن خیالی نظریہ کے اثرات اور ردِ عمل کا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے تنقیدی نظریہ کو ایک سماجی نظریہ کے طور پر تسلیم کیا جاسکتا ہے جو کارل مارکس کی تحریر سے فروغ پایا ہے۔

تنقیدی نظریہ کے اہم ذرائع اصول تنازع ہے۔ کارل مارکس نے تنازعہ کے متعلق لکھا ہے اس سے زیادہ بعد کے مفکروں نے تنازع اصول پر لکھا ہے۔ کارل مارکس کا خیال تھا کہ پیداواری نظام میں طبقہ تنازع کو جنم دیتا ہے۔ طبقہ تنازع انقلاب کو جنم دیتا ہے۔ انقلاب کے بعد مملکت میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں اس میں نہ تو کوئی طبقہ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی مملکت ہوتی ہے۔ مارکس کا اصول انسان کو استحصال سے آزادی کی وکالت کرتا ہے۔ مارکس نے اپنی کتاب Critique of Political Economy میں انسان کی ترقی کی بحث اسے استحصال سے آزادی دلانے کے حوالے سے کی ہے یہی تنقیدی نظریہ کی مرکزی بنیاد ہے۔ اس کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ یہ اصول مارکس کے اصول کے رویہ پر مبنی اصول قائم کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ تنقیدی نظریہ اپنے ارتقا کے دور سے ہی مارکسی رجحان لیے ہوا تھا۔

مارکس نے تنقیدی نظریہ کی تین اہم خصوصیات بیان کی ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

- تضاد، نسل پرستی اور تبدیلی (Contradiction, Dialectic and Change)
- تنقیدی وجوہات اور تخیل یا خیالات (Critical Reason and Imagination)
- آزادی اور خودارادیت (Emancipation and Self-determination)

تنقیدی مفکرین سماج کے مثالی خیالات، معاشی تسلط سے آزادی اور عدم مساوات کی طاقت اور طبقہ کی وضاحت کرنے سے خوف زدہ ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ مزدوروں کی ممکنہ بغاوت کی مارکسی تحریک نے ایک جدید معاشرہ تشکیل کرنے کے لیے طویل عرصہ سے کوشش کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے برعکس Marcuse ایک تنقیدی مفکر ہے اس کی جگہ پر ایک دوسرا نظریہ یکجہتی، سماج، سرمایہ دار نظام جو منافہ کے حصول کے دریافت میں قدرتی وسائل کے تباہی کے بنیاد پر مبنی تھا جو یہ قبول کرتا ہے کہ دشمنوں کی طرف دشمنوں کے ذریعے حمایت کی جاتی ہے جو صارفین کو ثقافت کے لیے خطرہ تسلیم کرتا ہے اور یہ حکمراں طبقہ کو پہنچانتا ہے ان حالات کا سامنا کرتے ہوئے تنقیدی نظریہ کے مفکروں نے سماجی اداروں میں اور طرز عمل میں بنیاد پرست تبدیلی کے اصول کو ترک کر دیا۔

تنقیدی نظریہ ایک تصور ہے جس میں سماجیات اور ثقافت کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔ 20ویں صدی کے فلسفی میکس پور کھیمر کے مطابق تنقیدی نظریہ کا مقصد انسان کو ان حالات سے آزاد کرنے کی کوشش ہے جس میں وہ خود کو پھنسا ہوا محسوس کرتا ہے۔ نظریہ تنقیدی سے وابستہ ماہرین کو اکثر مارکسسٹ سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ مارکسزم کے کچھ عناصر سے کچھ مختلف رائے رکھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ نظریات پر یقین کرنا ہی انسانی آزادی کی بنیادی وجہ ہے۔

ایک طرف یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ انتظامی غیر جانبداری نظم و نسق عامہ کا ایک بنیادی اور جھوٹی کہانی ہے۔ اگرچہ عوامی ماہرین یا دفتر شاہی نمایاں طور پر عوامی پالیسی سازی اور پالیسی تشکیل کو متاثر کرتی ہے۔ دوسری جانب عوامی ماہرین یا دفتر شاہی مکمل طور سے پالیسی

اداکاروں کے طور پر ملوث علم، خیالات، شہریوں کے فیصلہ، منتخب حکام اور ساتھیوں کو اثر انداز کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تنقیدی نظریہ طرز عمل اور تصوراتی افتتاحی پیش کش کرتی ہے، جو نظم و نسق عامہ کے عام کردار پر مبنی قیمت کو تسلیم کرتا ہے۔

تنقیدی نظریہ ہمیشہ تسلیم کرتا ہے کہ انسانی تنوع کی تصدیق اور حقیقی انسانی مفادات کے مناسب کی تصدیق صرف حقیقی شمولیت اور جمہوریت کی بنیادی نوعیت کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس طرح جمہوری سماجی تنظیم کی ایک شکل قائم کرنے کے لیے آخری مقصد کے ساتھ مختلف کوششوں اور آزاد تقریر کو مختلف کوششوں کی طرف سے تشکیل دیا جاتا ہے، جس سے ہر فرد کو بااختیار کیا جاتا ہے کہ آزادی، انصاف اور وجہ حقیقی احکامات ہیں۔ تنقیدی مفکرین یہ امید ظاہر کرتے ہیں کہ ان مقاصد میں سے ہر ایک مطلب سماجی اور تاریخی طور پر تعمیر، تباہ اور تعمیر نو کیا جائے گا۔ یقیناً انسان اور اس کی زندگی دونوں ایک دوسرے کے لیے قیمتی ہے اور اس کو بنایا جاسکتا ہے۔ تنقیدی نظریہ انسانی سالمیت اور انسانی آزادی کو فروغ دینے کے لیے ظلم، سماجی ناانصافی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

تنقیدی نظریہ اس بات پر بہت زیادہ زور دیتا ہے کہ سماج میں دولت کی تقسیم مساوی ہونی چاہیے۔ تنقیدی نظریہ کی کچھ لوگوں نے تعریف کی ہے کہ تنقیدی نظریہ ایک فرنک فرٹ اسکول کا ایک مطالعہ ہے۔ یہ ایک روایتی تنقیدی غور و فکر ہے۔ یہ ایک طرز فکر ہے جو جدلیاتی طریقہ سے سماج کا سیاسی، معاشی، غلبہ، استحصال، نظریات کا تجزیاتی مطالعہ کرتا ہے۔ 1920ء کی شروعات سے ہی تنقیدی نظریہ فرینک فرٹ اسکول سے جڑا ہوا ایک نظریہ ہے اسے جرمنی میں فرینک فرٹ یونیورسٹی میں سماجی ماہرین کے ایک گروہ کی طرف سے تشکیل کیا گیا ہے جو اپنے آپ کو فرینک فرٹ اسکول کا حصہ سمجھتے تھے فرینک فرٹ اسکول کے قدیم ارکان تنقیدی نظریہ کو ایک علم کے جدید شکل میں پیش کیا ہے۔ عام طور سے تنقیدی نظریہ مستحکم علم کو چیلنج کرنے اور غیر مستحکم علم کے لیے ایک وسیع نظریہ ہے۔ لفظ تنقیدی نظریہ 20ویں صدی کے شروعاتی دانشوروں نے استعمال کیا تھا۔ اس کے اہم حمایتی Herbert ،Theoder Aderno ، Max Hor Kheimer Gorge Luckacs ،Antonio Gramsci،Walter Benjamin،Erich Fromm،Marcuses اور Jurgon Habermas وغیرہ ہیں جن کے تحقیقی کاموں سے تنقیدی نظریہ وجود میں آیا۔ تنقیدی نظریہ فرنک فرٹ اسکول کے فلسفی اصول کا نام ہے۔ فرنک فرٹ اسکول جو کہ انسٹی ٹیوٹ فار سوشل ریسرچ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یوروپ اور امریکہ میں 18ویں صدی کے نظریہ کے وجود میں آنے سے تنقیدی نظریہ قائم ہوا جس نے مذہب اور سرکاری تنقیدی نظریہ کے درج ذیل پیمانہ میں اختیار کو ترک کرنے کے لیے سائنس، عقل اور Self-Realization کا استعمال کیا۔

1. جدلیاتی وجوہات (Dialectic Reasons)
2. سیاسی معاشی نظام کی تنقید (Critique of Political Economy)
3. تسلط اور استحصال کی تنقید (Critique of Domination and Exploitation)
4. نظریاتی تنقید یا اہم تنقید (Ideological Critique)
5. جدوجہد اور سیاسی مشق (Struggle and Political Practice)

فرنک فرٹ اسکول کا سماجی تنقیدی نظریہ معاشرہ کا اہم اصول ہے جو معاشرہ میں دلچسپی اور تنازعات کو فروغ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ تنقیدی مفکروں نے ہم معاصر سماجی نظریہ، فلسفہ، مواصلاتی نظریہ، تحقیقی، ثقافتی نظریہ اور دیگر مضامین پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ فرینک فرٹ اسکول مناسب طریقہ سے تنقیدی نظریہ کہلاتا ہے یہ ایک فلسفی اور سماجی تحریک ہے جو دنیا کی تمام جامعیات میں شروع ہو گئی ہے۔

12.3 ہیبرماس کی خدمات (Contribution of Habermas)

جرگان ہیبرماس جرمن کا ایک عظیم فلسفی اور ماہر سماجیات تھا۔ وہ 18/جون 1929ء کو Dusseldorf جرمنی میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک صحافی بھی تھا۔ وہ Axel Honneth، Clause Offe، Hans Hemann Hoppe، Immanuel Kant، Karl Marx اور Theodor Adomo سے متاثر تھا۔ اس نے اپنی ابتدائی تعلیم جرمنی میں حاصل کی تھی اور اعلیٰ تعلیم Goethe University، Frank Fart، University of Gottingen، University of Bonn، University of Zurich اور University of Marburg سے حاصل کی۔ اس کا تحقیقی کارنامہ بہت سے مضامین جیسے ترسیل عامہ مطالعہ، ثقافتی مطالعہ، اخلاقیات نظریہ، قانون، لسانیات، ادبی نظریہ، فلسفہ، سیاسیات، نظم و نسق عامہ، مذہبی مطالعہ، اسلامیات اور سماجیات وغیرہ کو متاثر کیا۔

جرگان ہیبرماس جرمنی کا ایک عظیم فلسفی تھا۔ معاشی بحران کے دور میں وہ ان قائدوں کی تنقید کرتا تھا جو سمت میں فیصلہ کن قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اس نے سماجی بحث مباحثے کے میدان میں انقلابی تبدیلی کا اصول پیش کیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ انقلاب کے ذریعے تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ وہ ایک صحافی بھی تھا۔ ایک صحافی کی حیثیت کے طور پر اپنی زندگی کی شروعات کرنے والے جرمن مفکر جیبرماس کو جدید دنیا کا ایک اعلیٰ سماجی مفکر تسلیم کیا جاتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کا اثر جیبرماس کی زندگی پر بہت زیادہ ہوا تھا۔ لہٰذا جیبرماس نے نازی جرمنی کے ذریعے محدود کی گئی سبھی مصنفوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا، جس میں فلسفہ، نفسیات، سیاسیات اور جرمن ادب شامل تھا۔ اس کا تنقیدی نظریہ کانٹ ہیگل اور مارکس کے ذریعے پیش کیے اصولوں پر مبنی تھا۔ اس نے تنقیدی نظریہ کو سماجی تنقیدوں سے آگے لے جاکر عوامی دائرہ (Public Sphere) میں تبدیل، مذاکرہ اخلاقیات اور عقلی معاہدہ کو حاصل کرنے کے لیے ترسیل عمل کے مثبت پہلو کو آگے بڑھایا۔

ہیبرماس فرنک فرٹ اسکول کی دوسری پیڑھی کے اہم مفکر ہیں۔ 1956ء میں ہیبرماس نے Theodore Adoms کے تحقیقی معاون کے طور پر فرنک فرٹ اسکول میں داخل ہوئے لیکن ادارہ کے اعلیٰ عہدہ داروں کے ساتھ کچھ نظریاتی اختلافات کی وجہ سے کئی دفہ ادارہ کو ترک کرنا پڑا۔ لیکن فرنک فرٹ ادارہ سے ہی وہ سبکدوش ہوئے اور 1994ء سے ہی اسی ادارہ کے Professor Emeritus کے طور پر اس سے جڑے رہے۔ ہیبرماس فرنک فرٹ یونیورسٹی میں فلسفہ اور سماجیات کے پروفیسر رہنے کے ساتھ ساتھ میکس پلانک ادارہ کے سربراہ بھی تھے۔ ہیبرماس کے سیاسی، سماجی اور فلسفی نظریوں کی تشکیل نازیزم حادثہ اور جرمنی میں جمہوری سیاست کے وجود کے پس منظر میں ہوا تھا۔ ہیبرماس پر فرنک فرٹ کی مغربی مارکسزم روایت تنقیدی نظریات کے پس منظر کے ساتھ ساتھ Theodor Adorno، والٹر

وینز مین، میکس حور گھیمر لوکاس اور ہر برٹ مارکوز کا شخصی اثر دیکھا جاسکتا ہے۔ حیبر ماس اپنے تنقیدی نظریہ کو نافذ کرنے کے لیے جدید سماجی تحریکوں کو متحرک کرنے کا مشورہ دیتا ہے جیسے خواتین تحریک، ماحولیاتی تحفظاتی تحریک، ثقافتی اور دلت تحریک وغیرہ۔

ہیبر ماس کے سیاسی تجزیہ کاروں نے جرمنی کا جدید تصور پیش کیا۔ اس کے علاوہ وہ امریکہ کے سابق صدر جارج بش کی عراق پالیسی کے کٹر تنقید کار رہے ہیں۔ ہبر ماس کا خیال ہے کہ ان پالیسیوں سے انہوں نے دنیا کو کم محفوظ کر دیا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ''ثقافتوں کے درمیان تفریق اگر عالمگیری معاشی نظام کے لیے عدلیہ کے ارادے کے بغیر ہے تو وہ بے مطلب ہے''۔ حیبر ماس کی کتابیں بنیادی طور سے جرمن زبان میں لکھی گئی ہیں جن کا بعد میں انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ تنقیدی مفکروں میں ہبر ماس کا مقام سب سے اعلیٰ ہے۔ ہبر ماس کا Niklas Lahmann سے نظریاتی اختلاف رہا ہے۔ حیبر ماس مابعد جدیت کی بھی تنقید کرتے ہیں۔ ہبر ماس کا خیال تھا کہ مفکروں کو ان سرگرمیوں کو دریافت کرنا چاہیے جس سے بین الکلیاتی سمجھ کو فروغ دیا جاسکے۔ 1963ء Theory and Practice میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ حقیقت اور اقدار کی مکمل علاحدگی پر مبنی ایک پرعزم غیر سیاسی سائنس کا خیال مکمل طور سے غیر اخلاقی ہے۔ ہبر ماس کا خیال ہے کہ دوست ترسیل اور تبادلہ خیال کی آزادی سیاسی مسائل سے مضبوطی سے جڑی ہوتی ہے۔ حیبر ماس کا بنیادی مطلب یہ ہے کہ ہمیں سرمایہ دار سماج کا اعلان کرنے والی طاقتوں پر مناسب مداخلت کرنی ہوگی تبھی استحصال اور رشوت ستانی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سماج کی فلاح و بہبود ممکن ہوسکتی ہے۔

12.4 ہیبر ماس اور تنقیدی نظریہ (Jurgen Habermas and Critical Theory)

ہیبر ماس کے مطابق بیسویں صدی کی تاریخ ہمیں تنقیدی نظریہ کے تعمیر نو کی ضرورت کا اشارہ کرتی ہے۔ روایتی مارکسزم کا اصول بار بار فیصلہ کن (Deterministic) اور ناخشگوار ثقافتی تنقید کی وجہ سے اپنی شناخت کو ختم کر رہا ہے۔ سرمایہ دار سماج میں مختلف طرح کی بنیادی تبدیلی ہو رہی ہے۔ منظم سرمایہ دار اور دفتر شاہی کے حاوی ہونے سے عوامی میدان کا دائرہ سمٹتا جارہا ہے حیبر ماس کے مطابق (Public Sphere) عوامی میدان وہ ہے جہاں انسان عام زندگی کے مسائل سے متعلق آزادی سے بحث مباحثہ کرتے ہیں۔ جیسے کافی ہاؤس، کلب، لائبریری وغیرہ۔

ہیبر ماس اپنے سائنس سے متعلق لکھتا ہے کہ سائنس، تکنیکی اور تنظیم کی ترقی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ انسان کی عقلی صلاحیت انسانی آزادی کا کام ترک ختم ہوگیا۔ اس طرح حیبر ماس کا خیال ہے کہ انسان کی عقلی صلاحیت اس کی آزادی کا مقصد نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ غلبہ کا مقصد بن چکی ہے۔

اپنی مشہور کتاب Legitimation Crisis میں ہیبر ماس لکھتا ہے کہ موجودہ وقت میں جدید طرح کے بحران سماجی اور سیاسی زندگی کے منطق کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس کے مطابق سرمایہ دار سماج منطق کے بہت زیادہ بحران سے گزر رہا ہے۔ شاید اس کا کوئی حل بھی نہیں ہے۔ حیبر ماس کا خیال ہے کہ روایتی سماج تخلیق غدائیت، مذہب اور فلسفی وضاحتوں سے جڑی اداروں کو منطقی تسلیم کرتا ہے لیکن

سرمایہ دار نے سائنسی علم اور خود نگرانی کو تقویت دے کر اختیار کے قانون کے روایتی بنیاد کو برباد کر دیا۔اس کے مقام پر اس نے باہمی فائدہ (Mutual Benefits) یا مساوی تبادلہ خیال کے قانون کو سماجی تنظیم کا بنیاد تسلم کر کیا۔ہیبر ماس نے جدید مارکسزم نظام کو قیام کو بیان کیا ہے کہ تمام انسانوں کی انسانی مسائل تکنیکی یا تنظیمی قسم کی ہوتی ہیں اور سائنسی وسائل کا استحصال کر کے ان کا حل کیا جاسکتا ہے۔ حیبر ماس نے جدید تحریروں میں یہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ ترقی یافتہ سرمایہ دار زیادہ Resilient ہے اور Colonization کے مسائل زیادہ خطرناک ہیں۔ہیبر ماس نے تنقیدی نظریوں کو نافذ کرنے کے ذرائع کے طور پر جدید سماجی تحریکوں کی بحث کی ہے۔ دنیا کے اہم دانشور جرمن سماجیات اور فلسفی جرگین حیبر ماس Public Sphere کی اپنی تصورات کی وجہ سے جانے اور مانے جاتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی جدیدیت اور عقل کے سمجھ کے توسیع میں بھی ان کا تعاون ہے۔

اپنی اس کتاب کے ذریعے حیبر ماس ایڈورنو اور ہورخیمائر کے ذریعے پیش کی گئی تنقید نظریہ کا تصور کا نقاد بن جاتے ہیں۔اس کتاب کے ذریعے ہیبر ماس تنقیدی نظریہ کی تشخیص بھی کرتے ہیں اور اس کی نامکملیت پر بھی گفتگو کرتے ہیں،ایک گفتگو میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ انہیں یقین نہیں ہوتا ہے کہ تنقیدی نظریہ ایک مکمل طور پر تصوراتی تصور ہے جسے فرینک فرٹ اسکول نے دریافت کیا تھا۔اس کے مطابق اس کی ایک مضبوط روایت تھی۔ تنقیدی نظریہ کے اقتباسات کو 20 کی دہائی میں لوکاچ کی تحریروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ کارل مارکس کے بارے میں تنقیدی رخ اختیار کرتے ہیں۔ حیبر ماس کے مطابق ہیگل،مارکس اور کانٹ نے جس تنقید کی نشاندہی کی اس کی مسلسل تنقید کی ہے لوکاچ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہیں اور یہ بات اڈورنو اور ہورکیمیر کے افکار سے ہم تک آئی ہے۔ہیبر ماس نے بتایا ہے کہ پچاس کی دہائی میں اڈورنو کی تقریروں میں اکثر ہیگل،دورکھائم اور فرائڈ کا حوالہ دیا جاتا تھا۔اڈورنو نے مارکس اور فرائڈ کے تحریروں کو کلاسک قرار دیا ہے۔

حیبر ماس فرنک فرٹ اسکول سے 1956ء میں منسلک ہوئے۔ بعد میں اس اسکول کو ترک کر دیا۔اس نے انتظامیہ کے اندرونی اور بیرونی دونوں طرح سے انسانی ضرورتوں کو لازمی قرار دیا ہے۔اس کا خیال تھا کہ نظم ونسق عامہ پر بھی تنقیدی نظریہ کا اثر ہوا ہے۔اس کی اہم کتابیں درج ذیل ہیں۔

- The Theory of Communicative Action
- The Structural Sphere of Public Sphere
- The Philosophical Discourse of Modernity
- Knowledge and Human Interests
- One Dimensional Man
- Autonomy and Solidarity

تنقیدی نظریہ کے اہم حمایتی جرگن حیبر ماس کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے تنقیدی نظریہ کے اہم پہلوؤں کی معلومات ہوتی ہے۔ عوامی تنظیموں کے مطالعے تنقیدی نظریہ کا اہم کردار ہے۔ہیبر ماس کی شروعاتی اور آخری تحریروں میں تجاویز پیش کی گئی ہے کہ جب بھی

انفرادی مفادات عوام کے مفادات بن جاتے ہیں تو وہ مزاکرہ اور عمل کے غلبہ کی آزادی کے لیے خطرہ ہو جاتے ہیں۔اس کے نتیجے میں افراد کی صلاحیت معاشرتی تنقید کرنے کے لیے منفی طرح سے متاثر کرتا ہے جو فوصلی خیالات کو بہتر تشکیل دینا چاہتے ہیں جوان کے لیے خطرہ ہے۔ہیبر ماس نے آزادی کی جانچ کرتے ہوئے یہ محسوس کیا تھا کہ کس طرح ہیبر روز نظریاتی ماڈل باہمی عمل کو غالب مفادات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

ہیبر ماس نے اپنی پہلی کتاب "Structural Transformation of the Public Sphere: An Inquiry in to a Category" میں عوامی دائرہ کا تجزیہ پیش کیا ہے۔عوامی دائرہ کے طور پر حیبر ماس نے صنعتی نظام میں عوامی دائرہ کے صنعتوں کا ذکر کیا ہے۔اس کا خیال ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب لوگ ایک مقام پر جمع ہوتے تھے۔اپنے زندگی کی تمام مسائل کو پیش کرتے تھے۔ان مسائل پر بحث کرتے تھے۔ان مسائل کا حل دریافت کرتے تھے۔کسی بھی سماجی مسائل کا حل دریافت کیا جاتا تھا۔لوگوں میں بیداری پیدا کی جاتی تھی۔مسائل کو حل کیا جاتا تھا اور استحصالی طاقتیں کمزور ہو جایا کرتی تھیں اس عمل میں ذات، مذہب، طبقہ وغیرہ کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھا۔مسائل کا حل سب سے اہم ہوتا تھا۔

ہیبر ماس کا خیال ہے کہ وقت میں تبدیلی آنے کے ساتھ عوامی دائرہ کا تصور کمزور ہونے لگا۔ویبر کے خیالات کو حیبر ماس اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ عوامی دائرہ کے ختم ہونے کی دو وجوہات رہی ہیں۔پہلا سرمایہ دار نظام کے فروغ کی وجہ سے انسانی آزادی کا استحصال۔دوسرا دفتر شاہی نظام کے فروغ کی وجہ سے مملکت کا انسان پر غلبہ۔حیبر ماس کو امید ہے کہ عوامی دائرہ دوبارہ وجود میں آئے گا جس سے انسان دوبارہ آزاد ہو گا اور مملکت کی طاقت کا غلام ہو گا۔

آج کے سماج میں معاشی اور سیاسی مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن مملکت ان مسائل کو اپنے سطح کے مسائل نہ مان کر تکنیکی مسائل تسلیم کرتا ہے جن کا حل ان مسائل کے تکنیکی ماہرین یعنی دفتر شاہی ہی کر سکتے ہیں۔اس وقت دفتر شاہی بھی سیاسی مسائل کو اپنے مسائل تسلیم کرنی ہے اس سے دفتر شاہی نظام میں مطلقیت کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے اور مسائل کو سیاسی بنایا جا رہا ہے۔

12.5 تنقیدی نظریہ کی خصوصیات(Characteristics of Critical Theory)

Andrew Areto and Aiyik Gabheart کی کتاب "The Essential of Frankfurt Reader" میں تنقیدی نظریہ کی درج ذیل خصوصیات بیان کی گئی ہے۔

- یہ نظریہ انتظامیہ کے جمہوری نظام کی طرف زیادہ زور دیتا ہے۔یہ نظریہ جمہوری انتظامیہ کا حمایتی نظریہ ہے۔اس میں انسانی نظریہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔
- تنقیدی نظریہ انتظامیہ کی دفتر شاہی نظام کے مخالف ہے یہ اصول عدم دفتر شاہیت Deburearicratisation کے اصول کا حمایت کرتا ہے۔

- یہ مملکت کے کردار کی دوبارہ ترتیب کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ مملکت کے کردار کی نو تعمیریت کی وکالت کرتا ہے۔
- یہ نظریہ تصدیق کرتا ہے کہ دفتر شاہی کے کردار میں اضافہ اور اس کی قبولیت میں تال میل نہیں ہے۔
- تنقیدی نظریہ غور و فکر اور نظریاتی حیثیت اور ان کے سماجی اطراف کے درمیان تعلقات قائم کرتا ہے اور اس طرح سماجی سرگرمیوں میں ان کے بنیادی خیالوں کے بنیاد پر غور فکر کو مستند بنانے یا تاریخی حیثیت دینے کی کوشش کرتا ہے۔
- تنقیدی مفکروں کا خیال ہے کہ اقدار اعلیٰ اور نگرانی کے نظاموں کی حمایت میں سبب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لوگ مختلف مستقبل کی تخیل کے لیے سبب کا استعمال کرتے ہیں۔
- تنقیدی نظریہ زیادہ انسانی آزادی اور انسانوں کا خود کا تعین Self-Determination کا استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔
- تنقیدی نظریہ کا وجود مغربی ملکوں میں 18 ویں صدی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) سے ہوا۔ جنھوں نے مذہبی نظریہ اور حکومتی اختیار کے مخالف ذاتی تعین کے لیے سائنس سبب اور اقدار کا استعمال کیا۔ یہ مضبوط ذاتی دنیاوی اور ثقافتی خصوصیات کو قبول کرتا ہے۔
- تنقیدی نظریہ نظم و نسق عامہ کا وبیرین تصور ہے۔
- یہ عوامی اداروں کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہے اور بہتر مستقبل کے لیے راستہ فراہم کرتا ہے۔
- اس نظریہ میں انفرادیت، خود شعور اور دفتر شاہی کی جانچ کی صلاحیت ہے۔
- یہ مثال پیش کی جاتی ہے کہ عالمگیریت کے زمانے میں تنقیدی نظریہ ان مدعوں کا تجزیہ کرنے کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے جو حکومتی نظام کو اثرانداز کرتے ہیں۔ تنقیدی نظریہ اس پروگرام کے لیے بہتر ہے۔
- تنقیدی نظریہ مناسب مساوات اور جمہوریت کے تحت اخلاقی انتشار (Moral Inspiration) فراہم کرتا ہے۔
- تنقیدی نظریہ سے مراد بیداری پیدا کرنا ہے تاکہ نظریہ اور طریقہ ایک ہوں۔
- تنقیدی نظریہ کی بنیادی خصوصیات تضاد یا تناؤ، جدلیاتی اور تبدیلی میں۔
- تنقیدی نظریہ عوامی تنظیم کے انسانی پہلو پر زیادہ زور دیتا ہے کیونکہ انسانی عناصر سماجی زندگی اور کام کے مقام دونوں کو اثرانداز کرتا ہے۔
- اس کی نشاندہی مارکسزم کی اور معاشی تصور کے خلاف پیش کی گئی ہے۔

تنقیدی نظریہ کا مقصد مملکت کے سیاسی نظام کو تبدیل کرنا ہے یہ انسان میں شعور پیدا کرنے اور فلاحی مملکت کے قیام کے لیے کام کرتا ہے۔ یہ نظریہ زور دیتا ہے کہ معاشرے میں ہر فرد کو مساوات فراہم کرنا چاہیے۔ تنقیدی نظریہ کی افادیت نظم و نسق عامہ میں کچھ سرگرمیوں میں ہے جو درج ذیل نکات پر زیر بحث ہے۔ فرنک فرٹ اسکول کے کچھ سماجی مفکرین کے ذریعے تنقیدی نظریہ کا فروغ ہوا ہے۔ تنقیدی نظریہ خاص طور سے فلسفی اور سماجیات ماہرین کی مدد سے وجود میں آئی ہے اور مابقد جدید نظم و نسق عامہ کے نظریات نے تنظیم میں لوگوں کو اہمیت دی ہے۔ لہٰذا عوام تنظیم کی جان ہے۔

تنقیدی نظریہ معاشرتی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے اقدامات کرنے میں مدد کرتی ہے۔ روزاول تبدیلی قدرت کا قانون ہے۔ تبدیلی معاشرے میں سیاسی اور معاشرتی نظام میں ایک نیا عمل لاتی ہے۔ تبدیلی انقلاب کے ذریعے آتی ہے۔ یہ نظام اور سیاسی عمل کے ڈھانچے کو تبدیل کرتا ہے یہ ہر معاشرے کے لیے لازمی عمل ہے، تبدیل جمہوری طرز حکومت کو قائم کرتی ہے اور ہر فرد کو مساوات فراہم کرتی ہے۔ اس سے مملکت کا امن وامان تبدیل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ فلاحی مملکت کو قائم کرتا ہے۔ تنقیدی نظریہ فرد کے مابین شعور پیدا کرتا ہے اور یہ مساوات اور جمہوریت کے اصولوں سے نمٹتا ہے۔ یہ انتظامیہ کے عدم دفتر شاہیت کے ذریعے دفتر شاہی نظام ٹیکنو ایڈ مینسٹریٹو نظم ونسق کو بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ نظم ونسق عامہ کے تنقیدی نظریہ کا بنیادی مقصد خود عکاسی اور خود تنقید کی وکالت کر کے تنظیمیں زندگی کے معیار کو بہتر بنانا ہے یہ نظریہ عالمگیریت اور تکنیکی انقلاب کے عمل کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہے۔ عالمگیریت انسانوں کے درمیان مسابقت لاتی ہے۔

اس طرز فکر میں معاشرتی حالات کا منظم تجزیہ شامل ہے جو معیاری مقصد کے ذریعے رہنمائی کرتی ہے لیکن تنقیدی نظریہ جذلیاتی تبدیلی پر مبنی ہے۔ مجموعی طور پر تنقیدی نظریہ بنیادی مقصد تسلط یا انحصار کے نظام کو کم کرنا ہے اور تمام شعبوں میں مضبوطی سے انسانی آزادی کو قائم کرنا ہے اور یہ بہتر مستقبل کی فراہمی ہے۔ لہٰذا نظم ونسق عامہ میں تبدیلیوں اور اصلاحات کو تنقیدی نظریہ کے نقطہ نظر سے سمجھا یا جاسکتا ہے۔ اس لیے تنقیدی نظریہ کا مقصد ان عام حالات کی وضاحت اور تبدیلی کرنا ہے، جو انسانوں کو غلام بناتے ہیں۔

12.6 عمل ابلاغ یا مواصلاتی عمل کا نظریہ (Theory of Communicative Action)

ہیبر ماس کا عمل ابلاغ یا مواصلاتی عمل کا نظریہ ایک مرکزی تصور ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ نظریہ عمل ابلاغ سے ہے۔ اس کے نزدیک سماجی زندگی کا دارومدار زبان اور گفتگو پر ہے۔ جہاں افراد باہمی سمجھ بوجھ کے ذریعہ مائل حل کرنے میں نہ صرف طاقت یا مفاد کے ذریعہ عمل ابلاغ یا مواصلاتی سے مراد مواصلت سے ہے جس میں معقول گفتگو کے ذریعہ سمجھ اور معاہدہ تک پہنچنا شامل ہے۔ ہیبر ماس کا خیال ہے کہ انسان زبان اور مواصلات کے ذریعہ باہمی افہام اور تفہیم تک پہنچنے اور اپنے اعمال کو مربوط کرنے کے لیے کام کرتا ہے۔ یہ 'مواصلاتی عمل' مصلحتی عمل سے الگ ہے جو کہ مفاد پرستی سے چلتی ہے۔ اس کا عمل ابلاغ کا نظریہ انسانو ں کو عقلی دلائل کے طور پر تیار کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مواصلات میں بحث کرنے والے شامل ہو نے میں جو باہمی افہام و تفہیم حاصل کرنے اور اتفاق رائے تک پہنچنے کے لیے درستیت کے دعووں پر اختلاف کرتے ہیں۔ جب وہ اس ابلاغی عمل کے نقطہ نظر کو ثقافت اور معاشرے پر لاگو کرتے ہیں تو ہیبر ماس ان خرابیوں کی تشخیص کرتا ہے جو اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب لوگ مکالمے کے ذریعہ باہمی تعاون کے ساتھ کام کرنے کے بجائے مصنوعی نظام کے ذریعہ حکمت عملی کے ساتھ اپنے اعمال کو مربوط کرتے ہیں۔

نظریاتی مواصلات کے علاوہ ہیبر ماس اپنے پورے کام میں ان ڈھانچوں اور نظاموں کا تجزیہ کرتا ہے جس سول سوسائیٹی میں عوامی ربطہ کو قابل بناتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے جمہوری معاشرہ ان جگہوں اور اداروں پر انحصار کرتا ہے جو عوام

کو مشترکہ تشویش کے معاملات پر بحث کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔خاص طور پر وہ جب وہ مملکت کو شامل کر تے ہیں۔اپنے تاریخی بیان میں ہیبر ماس دلیل پیش کر تے ہیں کہ روشن خیالی کے دوران عوامی دائرہ یا حلقہ ایک ابھرتے ہوئے بورژ واطبقے کو ابلاغی ذرائع فراہم کر نے کے لیے تبدیل ہوا۔ایک قانونی اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے وہ ایک جدید دستوری مملکت میں سیاسی اور ابلاغی ایجنسی کے حالات کا خاکہ پیش کر تا ہے۔

ان کی کتاب (The Theory of Communicative Action) اس خیال پر مبنی ہے کہ چار اہم سماجی ستون ہیں۔انسانوں کے ساتھ کسی بھی معاشرے میں یہ چار عناثر ہو ں گے۔

یہ چار ستون ہیں۔

1۔ پیداوار(Production)

یہ وہ جگہ ہے جہاں سامان اور خدمات لو گوں کے استعمال کے لیے زندہ رہنے کے لیے تیار کی جا تی ہے۔

2۔ تولید(Reforduction)

یہ تب ہو تا ہے جب علم،اقدار،عقائد اور اصول نسل در نسل منتقل ہو تے ہیں۔

3۔ تعامل(Interaction)

یہ تب ہوتاہےجب لوگ ایک معاشرےکی تشکیل کے لیےاکھٹےہوتےہیں۔یہ سماج بنا نےکاعمل ہےجس میں افرادمعاشرے کےارکان کے طور پر رہنا سیکھتے ہیں۔اور مکالمے اور بحث کے ذریعہ علم کا اشتراک کر تےہوئے نفسیاتی تجزیہ کرتےہیں۔

4۔ امتیاز(Distiction)

یہ وہ مقام ہو تا ہے جہاں ہم افراد اور لو گوں کے گروہوں کے درمیان سماجی درجہ بندی بناتے ہیں جیسے کی نسل،جنس،یا عمر کے گروہ۔ہیبر ماس کا مواصلاتی عمل کا نظریہ جسے اس نے دو دیگر سماجی نظریا ت جیسے ساختی صعلیت کی خامیوں کے جواب میں تیار کیا۔اس نظریہ میں ہیبر ماس نے دلیل دی ہے کہ عقلی مواصلات کا استعمال افراد کے درمیان افہام و تفہیم کی کمی کہ وجہ سے پیدا ہو نے والے مسائل پر قابو پانے کے لیےپیش کیا جا سکتا ہے۔مختصراًاس کا خیال ہے کہ عقلی ابلاغ یا مواصلات ہی انسان کو منفرد بنا تا ہے۔اور اسے اپنے ارد گرد کی دنیا کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

یہ نظریہ ہیبر ماس کے کام کا مرکز ہے۔یہ نظریہ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ سماجی تعامل اور مواصلات معاشرے کی تشکیل کیسے کر تے ہیں۔

افراد کے درمیان مواصلات معاشرے کا سب سے اہم عنصر ہے۔افراد کے درمیان مواصلات کو سمجھے بغیر معاشرے کو نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔مواصلاتی عمل مکالمہ ہے ایک عقلی مشق ہے یہ جوابدہی،ذمہ داری اور آزاد جمہوری نظریات کے اصولوں کی عکاسی کر تا ہے۔مواصلاتی عمل کا نظریہ ایک نا گزیر رہنما فراہم کر تا ہے۔اسی مناسبت سے مواصلاتی عمل کا نظریہ ضروری اور کار آمد ہے کیونکہ یہ انسانو ں کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کر تا ہے۔مواصلات اور تعامل معاشروں کے درمیان تعلقات استوار کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ یہ افراد معاشروں اور ساتھیوں اور خاندانوں کے ساتھ تعلقات کو سمجھنے میں مدد کر تا ہے۔موثر ابلاغ یا مواصلات ہمیشہ ایک صحت مند اور با شعور معاشرے کو فروغ دیتا ہے۔

12.7 عوامی دائرہ یا حلقہ کا نظریہ(Theory of Public Sphere)

ہیبر ماس نے عوامی دائرہ یاحلقہ کا تصور پیش کیاہے۔اس نے عوامی دائرہ یاحلقہ ایک ایسی جگہ سے جہاں آزاد شہری مل بیٹھ کر حکومتی پالیسیوں اور سماجی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔عوامی دائرہ یا حلقہ کا نظریہ ہیبر ماس کا ایک اہم نظریہ ہے۔وہ عوامی دائرہ یا حلقہ کو ایک ایسی جگہ یا مقام کے طور پر دیکھتا ہے جہاں شہری معقول بحث میں حصہ لے سکتے ہیں۔ خیالات کا تبادلہ کر سکتے ہیں اور سیاسی فیصلوں پر اثر انداز ہو کر رائے عامہ تشکیل دے سکتے ہیں۔ایک متحرک عوامی حلقہ جمہوری قانونی حیثیت کے لیے بہت ضروری ہے اور اسے نظام مملکت،معیشت کی تجاوزات سے خطرہ ہے۔ہیبرماس نے دلیل پیش کی ہے کہ ایک متحرک عوامی حلقہ کوایک صحت مند جمہوریت کے لیے ضروری ہے۔جہاں شہری آزادنہ طور پر عوامی مفاد کے معاملات پر بحث و مباحثہ کر سکتےہیں اس نے عوامی حلقہ ایک ایسے پلیٹ فارم کے طور پر دیکھا ہے جہاں نجی شہری تنقیدی گفتگو میں حصہ لینے اور رائے عامہ کو تشکیل دینے کے لیے ایکجا ہو تے ہیں۔

ہیبر ماس کا نظریہ عوامی دائرہ اس بات کو سمجھنے میں مرکز ی کردار ادا کر تا ہے۔مغربی معاشروں میں جدید جمہوریت اور عوامی بحث کس طرح تیار ہوئی۔ہیبر ماس عوامی دائرہ کے ظہور کو ایک سست اور پر سکون انقلاب کے طور پر بیان کر تا ہے جو 1850-1700 کے درمیان رونما ہوا تھا۔اس عمل نے معاشرے میں ایک نئی جگہ پیدا کی جہاں تمام افراد تنقید اور تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔ایک ایسی جگہ جو نجی دائرہ) گھر(اور طاقت) مملکت چرچ اور بادشاہت کے درمیان موجو تھی۔

ہیبرماس کے مطابق بوژواعوامی حلقہ ایک ایسےمعاشرےمیں ابھراجس کانشان اقتصادی تبدیلیوں اور بڑھتے ہوئے متوسط طبقے سے تھا۔یہ شہری اکثر معاشی زندگی میں شامل تھے لیکن پرانے طاقت کے ڈھانچے جیسے اشرافیہ،بادشاہت یا چرچ کا حصہ میں تھے۔ ہیبر ماس دلیل پیش کر تے ہیں کہ اس نئے طبقہ نے معاشرے میں زیادہ اثر و رسوخ کا مطالبہ کیا جس سے

ایک عوامی دائرہ یا حلقہ کی ضرورت پیدا ہو گئی جہاں طاقت پر بحث اور چیلنج کیا جا سکے۔یہا ں عوامی بحث و مباحثہ کرنے،قائل کرنے اور سماعت کرنے کی صلاحیت ضروری تھی۔لہذٰا زبان اور مواصلات اس بات کے لیے اہم تھے کہ عوامی حلقہ کیسے کام کر تے ہیں۔

بورژواعوامی حلقہ کاپہلا مظہر سیلونوسی اورکا فی ہاوسز میں ہوا جہاں مختلف سماجی طبقوں کے لوگ کسی حیثیت کے پا بند کیے بغیر آزادانہ طور پر مل سکتے تھے اور بات چیت کر سکتے تھے مشترکہ جگہیں مساوات کی خصوصیت رکھتی تھیں جہاں دلیل کی طاقت شرکا کے سماجی پوزیشن سے زیادہ اہم تھی۔

عوامی دائرے کی تعریف ہیبر ماس کے مطابق جنگ کے بعد کے مغربی معاشروں میں عوامی رائے کی تشکیل اور مملکت اور جمہوریت کی قانونی حیثیت کی درجہ بندی کی کوششوں کا پہلا اور بنیادی محرک ہے۔اسے بڑے پیمانےپرمیعاری کام کے طور پر قبول کیا جا تا ہے لیکن اسے بڑے پیمانے پر چیلنج بھی کیا گیا ہے کیونکہ عوامی دائرہ کا تصور مسلسل تر قی کر رہا ہے۔عوامی حلقہ کو سماجی زندگی کے ایک ڈومین کے طور پر دیکھا جا تا ہے جہاں رائے عامہ تشکیل دی جا تی ہے۔اسے افزائش گاہ کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ہیبر ماس عوامی حلقہ کے لیے کئی پہلوٗ ں کو اہم قرار دیتا ہے۔بنیادی طور پر یہ تمام شہریوں کے لیے کھلا ہے اور ہر شہری اس گفتگو میں شامل ہو تا ہے جس میں سبھی مل جل کر ایک عوامی حلچہ بنائے ہیں شہری ایک نجی شخص کا کر دار ادا کر تا ہے جو کسی کاروبار یا ذاتی مفاد کے لیے کام نہیں کر تا ہے بلکہ وہ ایک ایسے شخص کے طور پر کام کر تا ہے جو عوامی حلچہ کی تشکیل کے لیے عام مفاد کے معاملات سے نمٹا تا ہے۔

ہیبر ماس کے مطابق عوامی دائرہ سے مراد سماجی زندگی کے اس حلقہ سے ہے جس میں عوامی رائے عامہ کے مطابق کچھ بنا یا جا سکتا ہے۔تمام شہریوں کو اس عوامی دائرہ میں ذات،طبقہ جنس وغیرہ کی بنیاد پر امتیاز کے بغیر مساوی رسائی حاصل ہو نی چاہیے۔ جب نجی افراد کسی عوامی ادارے کے حصہ کے طور پر عام دلچسپی کے معاملات پر بات چیت اور اظہار خیال کے لیے یکجاہوتےہیں توانہیں نجی افرادکےطورپراپنی مصروفیات کوچھوڑ کر بشمول ان کے پیشہ وارانہ اہداف اورعزائم اپنے تعصبات کو ایک طرف رکھنا چاہیے اور عوامی ادارے میں دوسروں کے ساتھ مشغول ہو نے کے لیے تیار ہو نا چاہیے۔

جب ایک عوامی ادارہ بڑاہوتاہےاوراسےایک دوسرے سےفاصلےپررہنےوالے لو گوں کے ذریعہ تشکیل دیا جا تا ہے تو اراکین کے درمیان معلومات کی ترسیل کے لیے اس طرح کے ذرائع ہونےچاہیےکہ وہ بغیرکسی رکاوٹ کےہرایک تک پہنچ جائے۔ ہیبر ماس کا کہنا ہے کہ اخبارات،رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن عوامی حلقہ کے ذرائع ہیں کیوں کہ یہ بغیر کسی امتیاز کے سب تک پہنچتے ہیں۔تا ہم،مملکت عوامی حلقہ کاحصہ نہیں ہے جیسا کہ ہیبر ماس نے تصور کیا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ اگر چہ مملکت اپنے تمام شہریوں کی فلاح بہبود کو یقینی بنانے سے متعلق ہےاوراسےعام طورپرعوامی اتھاریٹی تصور کیا جا تا ہے

لیکن اسے عوامی حلقہ کا حصہ نہیں کہا جا سکتاہےکیوں کہ تمام شہریوں کومملکت کے کام کاج کے معاملات تک رسائی حاصل نہیں ہے۔

عوامی حلقہ معاشرے اور مملکت کے درمیان ایک قسم کا ثالث ہو نا چاہیے۔ شہری جو عوامی اداروں کی تشکیل کر تے ہیں ان کو ایسے معاملات پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے اور شائع ہو نے کے قابل ہو نا چاہیے جو ہر کسی کو اس طرح متاثر کر تے ہیں کہ جس طرح پیداہونےوالی رائےعامہ مختلف ریاستی آلات کےچلانےپراثرانداز ہو تی ہیں جب یہ ثالثی کر تاہےتب ہی یہ حقیقی معنوں میں ایک عوامی حلقہ بن جا تا ہے۔ ہیبر ماس کا خیال ہے کہ یہ جمہوریت کی خصوصیت ہے کیو ں کہ صرف جمہوریت میں معلومات تک رسائی کو حق کے طور پر ضمانت دی جا تی ہے اور شہریوں کو بادشاہوں کے بر عکس بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی رائے کا ظہار کرنے کی اجازت ہے۔

ہیبرس کا خیال ہے کہ عوامی حلقہ یا دائرہ ایک ایسا دائرہ یا حلقہ ہے جہاں افراد آزادنہ طور پر خیالات کا تبادلہ کرنے،بحث میں مشغول ہو نے اور رائے عامہ تشکیل دینے کے لیےیکجا ہو سکتے ہیں۔ہیبرماس کے مطابق عوامی حلقہ ایک فعال جمہوریت کے لیےضروری ہے۔کیوں کہ یہ شہریوں کو عام بھلائی کے بارے میں عقلی گفتگومیں مشغول ہو نے کی اجازت دیتا ہے۔عوامی دائرہ یاحلقےکامطلب تنقیدی بحث کی جگہ ہے جہاں شرکامختلف نقطہ نظرپرغورکرتےہیں اورمشترکہ حل کے لیےکام کر تے ہیں۔

مثالی عوامی دائرہ کی خصوصیات

ہیبر ماس کے مطابق مثالی عوامی دائرہ کئی اہم خصوصیات پر بنا یا گیا ہے۔

1۔عقلی تنقیدی بحث(Rational Critical Debate)

عوامی حلقہ یا دائرہ کا مرکز خیالات کا عقلی تبادلہ ہے۔ہیبر ماس کا خیال ہے عوامی گفتگو عقل پر مبنی ہو نا چا ہیے جس میں شرکا بحث میں اس طرح شامل ہوں جو دوسرے کے وقار اور نقطہ نظر کا احترام کریں۔

2۔ رسائی کی مساوات(Equality of Access)

مثالی عوامی حلقہ میں تمام شہریوں کو عوامی گفتگو میں حصہ لینے کے لیے یکسا ں رسائی حاصل ہو۔ہر کوئی آزادنہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کر سکے۔

3۔ جبر کی غیر موجود گی(Absence of Coercion)

عوامی حلقہ رضا کارانہ شرکت پر کام کر تا ہے کسی فرد یا گروہ کو یہ اختیار نہیں ہو نا چاہیے کہ وہ دوسروں کو شرکت پر مجبور کرے یا مخالف خیالات کو خاموش کر دے۔

4۔ عوامی رائے (Public Opinion)

عوامی حلقوں میں پانے والے نظریات اور آراء معاشرے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

12.8 فطری یامشاورتی جمہوریت کا نظریہ(Theory of Deliberative Democracy)

فطری یا مشاورتی جمہوریت ہیبر ماس کے سب سے زیادہ اثر انگیز خیالات میں سےایک ہےجواس بات پرمرکوز ہے کہ کس طرح جمہوری معاشرے میں لوگ پوری کمیونٹی کے لیے بہتری کے لیے بامعنی بحث میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ہیبر ماس کے مطابق مشاورتی جمہوریت کھلے مکالمے اور احترام پر منحصر ہو تی ہے۔ہیبر ماس کا خیال تھا کہ جمہوریت صرف نمائندوں کومنتخب کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لو گوں کا ایک ساتھ ملکر کھلکر اور ایمانداری سے مسائل پر بات کرنے کا نام ہے اس عمل کے ذریعہ وہ ایسے فیصلوں تک پہنچ سکتے ہیں جو اقلیتوں کی آواز کا احترام کر تے ہوئے اکثریت کی ضروریات اور خواہشات کی عکاسی کر یں۔یہ خیال جمہوریت کی اہمیت کو متعارف کرتاہے۔ہیبر ماس دلیل پیش کرتا ہے کہ مواصلات صحت مند جمہوریت کی بنیاد ہے۔ہیبر ماس کے مطابق فطری جمہوریت کے اہم پہلوؤں میں سے ایک شمولیت ہے۔ہیبر ماس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہر کسی کو بحث میں حصہ لینے کا موقع حاصل ہوناچاہیے۔اگرچہ ان کی سماجی حیثیت کچھ بھی ہو۔مثالی فطری یا مشاورتی جمہوریت میں،تمام شہریوں کی آواز یں سنی جا تی ہیں اور ان کے ساتھ یکساں سلوک کیاجاتاہے۔یہ اس بات کویقینی بنا تی ہے کہ کئے گئے فیصلہ حقیقی معنوں میں لوگوں کی اجتماعی مرضی کی عکا سی کر تے ہیں نہ کہ صرف چندطاقتور وں کے مفادات میں۔

ہیبر ماس کا فطری یا مشاورتی جمہوریت کا تصور عقلی گفتگو اور فیصلہ سازی میں سیاسی شرکت کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔اس کا خیال ہے کہ جمہوری جواز کا دار و مدار تمام شہریوں کو فطری عمل میں شامل کرنے اور رائے عامہ کی تشکیل پر ہے۔

مشاورتی جمہوریت جیسا کہ ہیبر ماس نے اس کا تصور پیش کیا۔اس کامقصد ترجیحات کے مجموعہ سے آگے بڑھ کر فیصلہ سازی کی ایک زیادہ معقول اور شرکتی شکل کی طرف جا ناہے۔مشاورتی جمہوریت فیصلہ سازی میں عوامی غور وفکر کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔یہ اس خیال پر مبنی ہے کہ شہریوں کو فیصلہ کرنے سے پہلے مسائل پر بحث کرنے اور ان پر گفتگو کرنے کا موقع ملناچاہیے اور یہ ان مباحثوں کو دلیل کے ذریعہ ثابت کیاجاتاہے مشاورتی جمہوریت ایک ایسانظام ہے جس میں لوگ فیصلہ کرنے سے پہلے بحث کرتے ہیں۔

تاہم، ہیبرماس تسلیم کرتاہے کہ فطری یامشاورتی جمہوریت کواس کی خالص ترین شکل میں حاصل کرناآسان نہیں ہے۔اس نے کئی چیلنجوں کی نشاندہی کی ہے جیسے عوامی حلقوں تک غیر مساوی رسائی، فیصلہ اور میڈیاکااثرورسوخ اور بامعنی احترام کی دشواری۔ فطری جمہوریت یامشاورتی جمہوریت پر تنقید یہ ہے کہ اس میں وقت زیادہ لگ سکتا ہے۔ کھلی بحث اور مباحثے میں کسی مسئلے پر ووٹ دینے سے زیادہ وقت بہتر فیصلوں کودیاجاتاہے۔جوعوامی حمایت کی مضبوط بنیادہوتی ہے۔ہیبرماس کایہ مشاورتی یادانستہ جمہوریت کانظریہ ہے۔اس میں کھلے مکالمے، باہمی احترام اور عقلی گفتگو کی اہمیت پر زور دیاگیاہے تاکہ ایسے فیصلے کئے جائیں جولوگوں کی مرضی کی عکاسی کرتے ہوں۔

12.9 نظریہ پر مذاکرہ (Theory of Discourse)

عام طورپر نظریہ مذاکرہ انسان کے اظہار خیال سے وابستہ ہوتاہے۔اکثراس پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس طرح کے تاثرات انسانی علم سے کس طرح جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں نظریہ مذاکرہ اقتدار کے سوال اوراکثرادارہ کی درجہ بندی کے سوال سے وابستہ ہوتاہے۔ہیبرماس کے مطابق نظریہ مذاکرہ پرپر بین الاقوامی طریقوں پر بھی اثرات ہیں۔اس لئے یہ ممکنہ کاسموپولیٹن سیاسی نظام کے بارے میں بھی بحث پر زور دیتاہے۔موجودہ بحث سیاسی، معاشرتی اورادرہ جاتی یاغیرادارہ جاتی جمہوری یاغیر جمہوری بین الاقوامی یاآفاقی محوروں کے ساتھ چلتی ہے۔

ہیبرماس کاایک اور قابل ذکرکام نظریہ مزاکرہ ہے۔ہیبرماس نے سماجی مابعد ساختی نظریہ کی تردید کی ہے۔تاہم وہ مابعد ساختیات کے نظریہ سے متفق تھا۔کہ یہ کوئی سچائی نہیں ہے۔اس نے یہ تصور پیش کیاکہ سچائی کی جڑیں کامیاب سماجی رابطے میں ہیں۔اس نے اپنے قانون کے مذاکرہ کے نظریہ میں ظاہر کیاہے کہ قانونی حیثیت کی یہ بنیاد جدید آئینی یادستوری مملکت کے لیے بہت مشکل ہے۔جمہوری دستوری مملکت کواپنے شہریوں کونہ صرف نجی اور عوامی خودمختاری بلکہ اس کی پیشگی شرائط کا بھی تحفظ کرناچاہیے۔اس مقصد کے لئے سماجی حقوق کی ضمانت ہونی چاہیے۔وہ نجی اور عوامی آزادیوں کے استعمال کے امکان کویقینی بناتاہےاور رسمی اورمادی مساوات کے درمیان فرق کوختم کرتاہے۔لہٰذاہیبرماس کے لئے سماجی حقوق کے ہر نظام میں موروثی ہے۔ان حقوق کوحاصل کرنے کے لیےہیبرماس فلاحی مملکت کاایک طریقہ کاماڈل تیار کرتاہے۔اس کے مطابق یہ سماجی انصاف کاایک نیاتصور ہے جس کے تحت فلاحی مملکت کاضابطہ ایک قانونی کام انجام دیتا ہے۔

جرگن ہیبرماس کامذاکرہ کانظریہ جواس کے وسیع ترکام کامرکز ہے۔وہ اخلاقی اصولوں، قوانین اور جمہوری عمل کو تشکیل دینےاور ان کو قانونی شکل دینے میں عقلی گفتگو کے کردارپر زور دیتاہے۔اس کاخیال ہے کہ ان علاقوں کوصرف اس صورت میں جائز قرار دیاجاسکتا ہے جب وہ تمام متاثرافراد کے درمیان کھلے، عقل اور جامع غوروفکر سے سامنے آئیں۔

12.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عزیز طلبا، اس اکائی میں آپ نے

- تنقیدی نظریہ کے ارتقا کا مطالعہ کیا۔
- تنقیدی نظریہ پر ہیبر ماس کے خیالات کا مطالعہ کیا۔
- تنقیدی نظریہ کی خصوصیات کو سمجھا۔
- ابلاغی یا مواصلاتی نظریہ کا مطالعہ کیا۔
- عوامی دائرہ یا حلقہ کے نظریہ کو سمجھا۔
- فطری یا مشاورتی جمہوریت کے نظریہ کو جانا۔
- نظریہ مزاکرہ کا مطالعہ کیا۔

12.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

عوامی میدان : عوامی میدان وہ ہے جہاں انسان عام زندگی کے مسائل سے متعلق آزادی سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ جیسے کافی ہاؤس، کلب، لائبریری وغیرہ۔

عوامی رائے : عوامی رائے سے مراد کسی معاملے، پالیسی یا مسئلے کے بارے میں لوگوں کی اجتماعی سوچ اور خیالات ہیں

نشاۃ ثانیہ : یورپ میں چودھویں صدی سے شروع ہونے والا وہ دور تھا جس میں علم، فن اور ادب میں دوبارہ دلچسپی پیدا ہوئی۔

12.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ Critique of Political Economy کے مصنف کون ہیں؟

(a) کارل پاپر (b) کارل مارکس (c) میکس ویبر (d) ایل۔ڈی۔وائٹ

2۔ کارل مارکس کس طرز فکر کا مفکر تھا؟

(a) لبرل طرز فکر (b) نیولبرل طرز فکر (c) سوشلسٹ طرز فکر (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ مارکس نے تنقیدی نظریہ کی اہم خصوصیات ہیں:

(a)تضاد، نسل پرستی اور تبدیلی (Contradiction, Dialectic and Change)

(b)تنقیدی وجوہات اور تخیل یا خیالات(Critical Reason and Imagination)

(c)آزادی اور خودارادیت (Emancipation and Self-determination)

(d)یہ تمام

4۔ہیبرماس کہاں پیدا ہوا تھا؟

(a)امریکہ (b)فرانس (c)جرمنی (d)لندن

5۔درج ذیل میں ہیبرماس کی تصنیف ہے:

One Dimensional Man(a) Philosophical Discourse of Modernity (b)

Autonomy and Solidarity (c) (d)یہ سبھی ہیبرماس کی تصانیف ہیں۔

6۔Legitimation Crisis کس کی تصنیف ہے؟

(a)کارل پاپر (b)کارل مارکس (c)میکس ویبر (d)ہیبرماس

7۔تنقیدی نظریہ ایک تصور ہے جس میں:

(a)سماجیات کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔ (b)ثقافت کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔

(c)یہ دونوں (d)ان میں کوئی نہیں

8۔عوامی حلقہ کا نظریہ کس نے پیش کیا ہے۔

Max Horkheimer (a) Max Weber (b)

Karl Marx (c) Habermas (d)

9۔_____اس بات پر بہت زیادہ زور دیتا ہے کہ سماج میں دولت کی تقسیم مساوی ہونی چاہیے۔

(a)رویہ جاتی نظریہ (b)تنقیدی نظریہ (c)کلاسیکی نظریہ (d)احولیاتی نظریہ

10۔درج ذیل میں کون تنقیدی نظریہ کا مفکر نہیں ہے؟

Habermas (d) Wilson (c) Gramsci (b) Horkheimer(a)

جواب:

12.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1. تنقیدی نظریہ کے ارتقاپر ایک نوٹ لکھیے۔
2. ہیبرماس کا عوامی حلقہ کا نظریہ کیا ہے؟
3. تنقیدی نظریہ کی خصوصیات بیان کیجیے۔
4. ہیبرماس کا مذاکرہ کا نظریہ بیان کیجئے۔
5. تنقیدی نظریہ کے معنی اور تعریف بیان کیجیے۔

12.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1. تنقیدی نظریہ کیا ہے؟ تنقیدی نظریہ کے ارتقا کی وضاحت کیجیے۔
2. ہیبرماس کا ابلاغی یا مواصلاتی عمل کے نظریہ کی وضاحت کیجئے۔
3. ہیبرماس کا فطری یا معاشرتی جمہوریت کا نظریہ بیان کیجئے۔

معروضی سوالات کے جوابات:

1۔ (b)	2۔ (c)	3۔ (d)	4۔ (c)	5۔ (d)	6۔ (d)	7۔ (c)	8۔ (d)	9۔ (b)	10۔ (c)

(Suggested Books) تجویز کردہ کتابیں

1. David Held. *Introduction to Critical Theory: Horkheimer to Habermas*, Rawat Publications, Jaipur, 2018.
2. Guess R. *The Idea of Critical Theory: Habermas and Frankfurt School*, Cambridge University Press, New York, 1981.
3. Richard C. Box. *Critical Social Theory in Public Administration*, Prentice Hall of India Pvt. Ltd, New Delhi, 2005.
4. B. Blessett. *Administrative Theory* and Praxis, 2016.
5. Charles F. Abel, Arthur Jay Semen Telli. Evolutionary Critical Theory and its Role in Public Affairs, Routledge, 2004.
6. M. J. Mafunia and S. Dzengwa. *Role of Critical Theory in Public Administration*, Journal of Public Administration, Vol. 42, Issue 8, March 2020.
7. John Forester. *Critical Theory, Public Policy, Planning and Practice*, State University of New York, 1993.
8. Rush Fred. *Critical Theory and Philosophy*, St. Paul: Paragon House, New York, 1990.
9. Ramesh K. Arora (Ed.). *Public Administration*: Fresh Perspective, Alekh Publishers, Jaipur, 2004.
10. Protmore T. The Frankfurt School and its Critic, Routledge, London, 1984.
11. Denhardt R. B. *Toward a Critical Theory of Public Organization*. Public Administration Review, 41, 1981.
12. Bhattacharya Mohit. *New Horizons of Public Administration*, Jawahar Publishers and Distributors, New Delhi, 2001.
13. Agger B. *The Discourse of Domination: From the Frankfurt School to Post Modernism*, Northwestern University Press, 1992.
14. Macharthi Thacus. *The Critical Theory of Jürgen Habermas*, Cambridge Polity Press, 1984.
15 Verma, S. P. (2006). *Modern Political Theory*. New Delhi: Vikas Publishing House .
16 Gauba, O. P. (2013). *An Introduction to Political Theory* (6th ed.). New Delhi: Macmillan Publishers I india
17. Bhargava, R., & Acharya, A. (Eds.). (2008). *Political Theory: An Introduction*. New Delhi: Pearson
18 Basu, R. (2012). *Political Theory: Concepts and Debates*. New Delhi: Pearson Education.
19 . O.P. Gauba (2016) *Western Political Thought*, Mayur Publications, New Delhi.
.20. Brian, R. Nelson (2015) *Western Political Theory, From Socrates to Age of Ideology*, Pearson, New Delhi
21. Shefali Jha (2018) *Western Political Theory: from Plato to Marx*, Pearson, and New Delhi
22 S. K. Sharma and Urmila Sharma (2022), *Western Political Thought*
23 Subrata Mukherjee, Sushila Ramaswamy, *A History of Political Thought: Plato to Marx*.
24 Ian Adam and R. W. Dyson, *Fifty Major Political Thinkers*
25 Jonathan Wolf, (2007), *An Introduction to Political Philosophy*, Oxford University Press,
26 rata Mukherjee, Susila Ramaswamy, A History of Political Thought: Plato to Marx.
27 Gyanendra Singh, *Western Political Thinkers*.
28 Gauba, O. P., *Western Political Thought*.

29 Abdul Qayum,(2009),*Siyasi Falsafa*, Nisab Publication,.
30 Jonathan Wolf, (2007), *An Introduction to Political Philosophy*, Oxford University Press.
31 Cheek, T. (1997). *Mao Zedong and China's Revolutions: A Brief History with Documents*. Bedford/St. Martin's.
32 Meisner, M. (1999). Mao's China and After: A History of the People's Republic (3rd ed.). The Free Press.
33 Mao Tse Tung. (2000). *On Guerrilla Warfare* (S. B. Griffith, Trans.). University of Illinois Press.
34 Gramsci, A. (1971). *Selections from the Prison Notebooks*. Edited and translated by Quintin Hoare and Geoffrey Nowell Smith. London: Lawrence & Wishart.
35 Forgacs, D. (2000). *The Antonio Gramsci Reader: Selected Writings* 1916–1935. New York: NYU Press.
36 Femia, J. V. (1981). G*ramsci's Political Thought: Hegemony, Consciousness, and the Revolutionary Process.* Oxford: Clarendon Press.
37 Simon, R. (1991). *Gramsci's Political Thought: An Introduction*. London: Lawrence & Wishart.
38 Mukherjee, S., & Ramaswamy, S. (2007). *A History of Political Thought: Plato to Marx*. New Delhi: PHI Learning.
39 Chakrabarty, B. & Pandey, R. (2009). *Modern Indian Political Thought: Text and Context*. New Delhi: Sage Publications.
40 Omvedt, G. (1994). *Dalits and the Democratic Revolution*: Dr. Ambedkar and the Dalit Movement in Colonial India. New Delhi: Sage Publications.
41 Simon, R. (1991). Gramsci's *Political Thought: An Introduction*. London: Lawrence & Wishart.
42 Mukherjee, S., & Ramaswamy, S. (2007). *A History of Political Thought: Plato to Marx*. New Delhi: PHI Learning.
43 Chakrabarty, B. & Pandey, R. (2009). *Modern Indian Political Thought: Text and Context*. New Delhi: Sage Publications.
44 Omvedt, G. (1994). *Dalits and the Democratic Revolution: Dr. Ambedkar and the Dalit Movement in Colonial India.* New Delhi: Sage Publications.

نمونہ امتحانی پرچہ

ہندوستانی حکومت اور سیاست

جملہ نمبرات:۷۰ Maximum Marks: 70 **وقت:۳ گھنٹے Time: 3 hours**

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارتی ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

1۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔

(1x10=10 Marks)

2۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 5 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو (200) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 06 نمبرات مختص ہیں۔ (5x6=30 Marks)

3۔ حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوال کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔ (3x10= 30 Marks)

حصہ اول

i. سقراط کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(a) مصر (b) بھارت (c) یونان (d) ایران

ii. مندرجہ ذیل میں کون سی کتاب افلاطون نے لکھی؟

(a) ریپبلک (b) اپولوجی (c) قانون (d) یہ سبھی

iii ہابز.....کا زبردست حامی تھا۔

(a) مطلق العنان بادشاہت (b) جمہوریت (c) آمریت (d) پارلیمانی طرز حکومت

iv. یہ کس سیاسی مفکر کا قول ہے' State of Nature as Golden age'

(a) لاک (b) ہابز (c) روسو (d) ارسطو

v. فوکالٹ کے مطابق، علم کا طاقت سے کیا تعلق ہے؟

(a) علم غیر جانبدار ہے (b) علم آزاد ہے (c) علم اور طاقت جڑے ہوئے ہیں (d) علم حکومت کی ملکیت ہے

vi. گرامسی کے نظریہ حاکمیت کا مرکزی تصور کیا ہے؟:

(a) اقتصادی طاقت (b) ثقافتی اور نظریاتی غلبہ (c) سیاسی اختیار (d) فوجی قوت

vii. نفی کی نفی کا قانون کس نے پیش کیا؟

(a) مارکس (b) ہیگل (c) اینگل (d) لینن

viii .کون سافلسفیانہ آلہ رالس کے غیر جانبداری کے نظریہ کو یقینی بناتا ہے۔

(a) مساوی آزادی کے اصول (b)لاعلمی کا پردہ (c)فرق کا اصول (d)اتفاق رائے پر غلبہ

ix.فوکالٹ کے مطابق،طاقت جہاں بھی ہو وہاں کیا موجود ہوتا ہے؟

(a)اختیار (b)مزاحمت (c)نگرانی (d)اطاعت

x .ہیبرماس کہاں پیدا ہوا تھا؟

(a)امریکہ (b)فرانس (c)جرمنی (d)لندن

حصہ دوم

2 .سقراط کا جمہوریت کے بارے میں کیا نظریہ تھا واضح کیجئے۔

3 .افلاطون کے نظریہ تعلیم کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔

4.ارسطو کے حکومت زمرہ بندی کو مختصر بیان کیجئے۔

5.تھامس ہابز کے حالات فطری پر روشنی ڈالیئے۔

6.سماجی معاہدہ کے وجوہات پر روشنی ڈالیئے۔

7.طبقاتی جدوجہد کی وضاحت کیجئے۔

8.کسانوں کے معاملہ پر ماؤ کے نظریے کی مختصر وضاحت کیجئے۔

9. گرامسی کے مطابق حاکمیت کا تصور کیا ہے؟ بیان کیجئے۔

حصہ سوم

10.جان لاک کے سماجی معاہدے کے اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالیئے۔

11.ہابز،لاک اور روسو کے سماجی معاہدہ پر روشنی ڈالیئے۔

12. تاریخی مادیت کے عناصر کی وضاحت کیجیے۔

13.فوکالٹ علم اور طاقت کو کس طرح جوڑتے ہیں؟ واضح کیجئے۔

14.رالس نے کس طرح اپنی سیاسی فکر میں آزادی اور مساوات کو پیش کیا؟